مفت تقسیم کے لیے مخصوص
اس کتاب کی خرید و
فروخت ممنوع ہے

بدعات و خرافات کی مکمل تردید

ہر ماہ کے شرعی احکام

فضائل　مسائل　وظائف　اہم مضامین

محرم
صفر
ربیع الاول
ربیع الثاني
جمادي الاولي
جمادي الثانيه
رجب
رمضان
شوال
زوالقعدہ
زوالحجہ

ترتیب
مولانا مفتی محمد الیاس
ولد مولانا محمد زکریا صاحب (میمن)
رئیس دار الافتاء مدرسہ عربیہ مریم مسجد

مکتبۃ الیاس
ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ

مفت تقسیم کے لیے مخصوص
اس کتاب کی خرید و فروخت ممنوع ہے

ہر ماہ کے شرعی احکام

فضائل | مسائل | وظائف | اہم مضامین

بدعات و خرافات کی مکمل تردید

ترتیب:
مولانا مفتی محمد الیاس ولد مولانا محمد زکریا صاحب (میمن)
رئیس دار الافتاء مدرسہ عربیہ مریم مسجد آدم جی نگر کراچی

مکتبۃ الیاس

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: .... ہر مہینے کے شرعی احکام

مرتب: .... مولانا مفتی محمد الیاس ولد مولانا محمد زکریا صاحب (یمن)

سنِ اشاعت: ۲۰۱۶ء

ناشر:

مکتبۃ الیاس

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	پیشِ لفظ	۲۳
۲	تقاریظ	۲۵
۳	مقصدِ زندگی	۲۷
۴	تجارت آخرت کا گوشوارہ	۲۸
۵	محرم الحرام	۲۹
۶	محرم کی حقیقت	۳۰
۷	نو، دس محرم کا روزہ	۳۰
۸	دس محرم کی برکت	۳۱
۹	اہل وعیال پر وسعت	۳۲
۱۰	زمانہ فضیلت	۳۲
۱۱	یومِ عاشوراء کی فضیلت	۳۲
۱۲	وظائف	۳۳
۱۳	نفل نماز پہلی تاریخ محرم الحرام	۳۳
۱۴	یومِ عاشورہ	۳۳
۱۵	دعاءِ عاشورہ	۳۳
۱۶	نفل روزہ	۳۴
۱۷	عاشوراء کے کچھ مسائل	۳۵
۱۸	حضر[illegible] بن رضی اللہ عنہ کی شہادت	۳۵
۱۹	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:	۳۵
۲۰	قبروں کی زیارت کا طریقہ	۳۶
۲۱	۹ محرم الحرام کا مسئلہ	۳۶

صفحہ		نمبر شمار
۳۶	اہم مضامین برائے ماہِ محرم	۲۲
۳۶	محرم اور عاشوراء کی حقیقت	۲۳
۳۶	حرمت والا مہینہ	۲۴
۳۷	عاشوراء کا روزہ	۲۵
۳۷	''یومِ عاشوراء'' ایک مقدس دن ہے	۲۶
۳۸	اس دن کی فضیلت کی وجوہات	۲۷
۳۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی	۲۸
۳۸	فضیلت کے اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں	۲۹
۳۹	اس روز سنت والے کام کرنے چاہئے	۳۰
۳۹	یہودیوں کی مشابہت سے بچیں	۳۱
۳۹	ایک کے بجائے دو روزے رکھیں	۳۲
۴۰	عبادت میں بھی مشابہت نہیں کرنی چاہئے	۳۳
۴۰	مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے	۳۴
۴۱	غیر مسلموں کی نقالی نہیں کرنی چاہئے	۳۵
۴۱	عاشوراء کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں	۳۶
۴۲	عاشوراء کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا	۳۷
۴۲	گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرنا چاہئے	۳۸
۴۲	دوسروں کی مجالس میں شرکت نہیں کرنا چاہئے	۳۹
۴۳	دس محرم میں پیش آنے والے اہم واقعات	۴۰
۴۳	محرم میں شادی	۴۱
۴۴	شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ	۴۲
۴۵	واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید	۴۳
۴۵	اہلِ کوفہ کی طرف سے دعوت	۴۴

نمبر شمار		صفحہ
۴۵	مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا	۴۵
۴۶	عبید اللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ ہو کر آنا	۴۶
۴۷	عبد اللہ بن عباسؓ کا کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکنا	۴۷
۴۸	دوبارہ روکنا	۴۷
۴۹	حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی کا خط	۴۸
۵۰	حاکمِ مدینہ کا خط	۴۸
۵۱	فرزدق شاعر سے ملاقات	۴۸
۵۲	مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد	۴۹
۵۳	حر ابن یزید کی ملاقات	۴۹
۵۴	میدانِ کربلا میں قیام	۵۰
۵۵	عمر بن سعد کی آمد	۵۰
۵۶	عبید اللہ بن زیاد کا بیعت کے لئے اصرار	۵۰
۵۷	واقعۂ شہادت کا اثر فضائے آسمانی پر	۵۲
۵۸	شہادت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا	۵۲
۵۹	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض حالات وفضائل	۵۳
۶۰	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زریں نصیحت	۵۴
۶۱	قاتلانِ حسین کا عبرتناک انجام	۵۴
۶۲	قاتلِ حسینؓ اندھا ہو گیا	۵۵
۶۳	منہ کالا ہو گیا	۵۵
۶۴	آگ میں جل گیا	۵۵
۶۵	تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا	۵۶
۶۶	ہلاکتِ یزید	۵۶
۶۷	کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلانِ حسینؓ کی عبرتناک ہلاکت	۵۶

نمبر شمار		صفحہ
۶۸	مرقعِ عبرت	۵۷
۶۹	نتائج و عبرتیں	۵۸
۷۰	اسوۂ حسینی	۵۸
۷۱	حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی	۵۹
۷۲	اہلِ بیت کے سامنے آپ کے آخری ارشادات کے یہ جملے سنئے۔	۶۰
۷۳	واقعہ کربلا کا رنج والم	۶۱
۷۴	بدعات کی تردید	۶۱
۷۵	محرم میں ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا	۶۲
۷۶	نیازِ حسین کی حلیم وغیرہ کھانا	۶۳
۷۷	دسویں محرم کی چھٹی	۶۴
۷۸	قبروں کی لیپا پوتی	۶۵
۷۹	دس محرم کی مجلس شہادت	۶۵
۸۰	ایامِ محرم میں کتب شہادت کا پڑھنا	۶۵
۸۱	محرم میں سبیل لگانا دودھ کا شربت پلانا	۶۶
۸۲	منکراتِ محرم	۶۶
۸۳	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت	۶۶
۸۴	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے؟	۶۷
۸۵	علیہ السلام کا اطلاق	۶۷
۸۶	مسلمانوں کے ناموں میں اہلِ تشیع کا اثر	۶۷
۸۷	شہادت کے قصے سننا اور سنانا	۶۸
۸۸	اسلامی سال کی ابتداء کہاں سے ہو؟	۶۸
۸۹	تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا	۶۹
۹۰	تکثیرِ جماعت کا اثر	۷۰

نمبر شمار		صفحہ
۹۱	اختراع فی الدین	۷۱
۹۲	زیادت فی الدین	۷۱
۹۳	اظہارِ غم کے طریقے میں فرق	۷۲
۹۴	تعزیہ داری کے متعلق علماءِ اہلِ سنت کا فیصلہ	۷۳
۹۵	خلاصہ فتاویٰ اہلِ سنت	۷۴
۹۶	ماتم اور نوحہ کی ممانعت	۷۴
۹۷	مسلمانوں کا فرض	۷۵
۹۸	شیعہ صاحبان کے بڑوں کا شریک نہ ہونا	۷۵
۹۹	شیعہ کی تفاسیر سے نوحہ کی ممانعت	۷۶
۱۰۰	سیاہ ماتمی لباس کے خلاف علمائے شیعہ کے فتاویٰ	۷۶
۱۰۱	ماتم اور تعزیہ کی تاریخ	۷۷
۱۰۲	ماتم کی تاریخ	۷۸
۱۰۳	تعزیہ	۸۰
۱۰۴	صفر المظفر	۸۱
۱۰۵	وظائف	۸۱
۱۰۶	ماہِ صفر سے متعلق مسائل	۸۱
۱۰۷	ماہِ صفر میں نحوست ہے یا نہیں؟	۸۱
۱۰۸	ماہِ صفر کا آخری بدھ کیسا ہے؟ اور اس دن خوشی منانا کیسا ہے؟	۸۳
۱۰۹	ربیع الاول	۸۴
۱۱۰	وظائف	۸۴
۱۱۱	ماہِ ربیع الاول سے متعلق مسئلہ	۸۴
۱۱۲	بدعتی سے میل جول رکھنے کا شرعی حکم	۸۴
۱۱۳	اہم مضامین برائے ماہِ ربیع الاول	۸۴

نمبر شمار		صفحہ
۱۱۴	بدعت کی قباحت سے متعلق مسلم شریف کی حدیث کی تشریح	۸۴
۱۱۵	آپ کا اندازِ تبلیغ	۸۵
۱۱۶	آپ کی بعثت اور قربِ قیامت	۸۵
۱۱۷	بہترین کلام اور بہترین طرزِ زندگی	۸۵
۱۱۸	بدعت بدترین گناہ ہے	۸۵
۱۱۹	بدعت کی سب سے بڑی خرابی	۸۶
۱۲۰	دین نام ہے اتباع کا	۸۶
۱۲۱	بدعت کی صحیح تعریف اور تشریح	۸۷
۱۲۲	میت کے گھر میں کھانا بنا کر بھیجو	۸۷
۱۲۳	آجکل کی الٹی گنگا	۸۸
۱۲۴	مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود	۸۸
۱۲۵	دین کا حصہ بنانا بدعت ہے	۸۸
۱۲۶	حضرت عبداللہ بن عمر کا بدعت سے بھاگنا	۸۸
۱۲۷	قیامت اور بدعت دونوں ڈرنے کی چیزیں ہیں	۸۹
۱۲۸	ہمارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ کون؟	۸۹
۱۲۹	صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب کہاں سے آیا؟	۹۰
۱۳۰	اہلِ بدعت کے شبہات کا جواب	۹۰
۱۳۱	ایصالِ ثواب کے لیے تاریخ مخصوص کرنا	۹۱
۱۳۲	نیت کی اصلاح	۹۱
۱۳۳	بدعت کی مثال	۹۲
۱۳۴	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا واقعہ	۹۳
۱۳۵	بدعات کی قباحت	۹۳
۱۳۶	خیر القرون کے بعد کی چیزیں	۹۳

صفحہ		نمبر شمار
۹۴	کتابوں کی تصنیف اور مدارس وخانقاہوں کی تعمیر	۱۳۷
۹۴	بدعات میں کیا چیزیں داخل ہیں	۱۳۸
۹۵	بدعات کی تردید	۱۳۹
۹۵	ولادتِ نبی کو ''عید میلاد النبی'' کا عنوان دینے کا حکم	۱۴۰
۹۸	''راہِ سنت'' میں ہے	۱۴۱
۱۰۱	عید میلاد النبی کی تردید کی ایک علمی تحقیق	۱۴۲
۱۰۲	علامتِ محبت	۱۴۳
۱۰۲	اظہارِ خوشی کا صحیح طریقہ	۱۴۴
۱۰۲	بدعت اور سنت کے پہچاننے کا قاعدہ کلیہ	۱۴۵
۱۰۳	رسمِ میلاد کی تردید دلائل سے	۱۴۶
۱۰۶	نبی اکرم ﷺ کی ذکر کی مجالس (نعتوں اور بیانات کی صورت میں) قائم کرنا	۱۴۷
۱۰۸	میلاد میں قیام	۱۴۸
۱۱۰	نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام	۱۴۹
۱۱۰	الجواب باسمہٖ تعالیٰ	۱۵۰
۱۱۳	بلند آواز سے درود پڑھنا	۱۵۱
۱۱۴	جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین وترغیب	۱۵۲
۱۱۴	بعد نمازِ جمعہ مروجہ صلوٰۃ سلام	۱۵۳
۱۱۴	کسی نماز کے بعد حمد وصلوٰۃ حلقہ بنا کر پڑھنا	۱۵۴
۱۱۵	صلی اللہ علیک یا رسول اللہ	۱۵۵
۱۱۵	روضۂ اقدس کے فوٹو پر درود وسلام پڑھنا	۱۵۶
۱۱۶	درود شریف کیلئے مجلس منعقد کرنا	۱۵۷
۱۱۶	یا رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟	۱۵۸
۱۲۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت انگوٹھا چومنا	۱۵۹

صفحہ		نمبر شمار
۱۲۲	مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتوئی	۱۶۰
۱۲۳	مذکورہ فتوئی کا خلاصہ	۱۶۱
۱۲۴	حیلۂ اسقاط کا شرعی حکم	۱۶۲
۱۲۴	مصافحہ بعد الفجر والعصر	۱۶۳
۱۲۵	گیارھویں منانے کا حکم	۱۶۴
۱۲۵	سویم، چہلم، برسی وغیرہ کی شرعی حیثیت	۱۶۵
۱۲۷	میت کے کھانے کی شرعی حیثیت	۱۶۶
۱۳۰	عرس و برسی کی شرعی حیثیت	۱۶۷
۱۳۲	اور مجالس الابرار میں ہے	۱۶۸
۱۳۲	طبلہ، ڈھول اور قوالی کی شرعی حیثیت	۱۶۹
۱۳۷	فاتحہ خوانی کا شرعی حکم	۱۷۰
۱۳۹	جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا	۱۷۱
۱۳۹	اذان علی القبر بدعت ہے	۱۷۲
۱۴۵	ربیع الثانی	۱۷۳
۱۴۵	جمادی الاول	۱۷۴
۱۴۵	جمادی الثانی	۱۷۵
۱۴۵	رجب المرجب	۱۷۶
۱۴۵	وظائف	۱۷۷
۱۴۶	نفل روزہ	۱۷۸
۱۴۶	شعبان المعظم	۱۷۹
۱۴۶	شب قدر	۱۸۰
۱۴۶	وظائف	۱۸۱
۱۴۶	دعائے نصفِ شعبان المعظم	۱۸۲

نمبر شمار		صفحہ
۱۸۳	شب قدر کی دعاء	۱۴۷
۱۸۴	صلوٰۃ تسبیح کی فضیلت	۱۴
۱۸۵	طریقہ ادائیگی	۱۴۷
۱۸۶	نفل روزہ	۱۴۸
۱۸۷	اہم مضامین برائے شعبان المعظم	۱۴۸
۱۸۸	شب برات کی حقیقت	۱۴۸
۱۸۹	دین اتباع کا نام ہے	۱۴۸
۱۹۰	اس رات کی فضیلت بے بنیاد نہیں	۱۴۸
۱۹۱	شب برات اور خیر القرون	۱۴۹
۱۹۲	کوئی خاص عبادت مقرر نہیں	۱۴۹
۱۹۳	اس رات میں قبرستان جانا	۱۴۹
۱۹۴	نوافل گھر پہ ادا کریں	۱۵۰
۱۹۵	فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی ضروری ہے	۱۵۱
۱۹۶	نوافل میں تنہائی مقصود ہے	۱۵۱
۱۹۷	تنہائی میں ہمارے پاس آؤ	۱۵۲
۱۹۸	انسان نے اس نعمت کی ناقدری کی	۱۵۲
۱۹۹	گوشہ تنہائی کے لمحات	۱۵۳
۲۰۰	وہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے	۱۵۳
۲۰۱	اخلاص مطلوب ہے	۱۵۴
۲۰۲	ہر عبادت کو حد پر رکھنا چاہئے	۱۵۴
۲۰۳	عورتوں کی جماعت	۱۵۵
۲۰۴	شب برات اور حلوہ	۱۵۵
۲۰۵	بدعات کی خاصیت	۱۵۵

نمبر شمار		صفحہ
۲۰۶	پندرہ شعبان کا روزہ	۱۵۶
۲۰۷	بحث ومباحثہ سے پرہیز کرنا چاہئے	۱۵۷
۲۰۸	رمضان کے لئے پاک صاف ہوجانا چاہئے	۱۵۸
۲۰۹	رمضان المبارک	۱۵۸
۲۱۰	وظائف	۱۵۸
۲۱۱	رمضان المبارک سے متعلق اہم مسائل	۱۵۹
۲۱۲	روزہ کسے کہتے ہیں	۱۵۹
۲۱۳	روزے کی نیت کا مطلب	۱۵۹
۲۱۴	رات سے نیت کرنے کا مسئلہ	۱۵۹
۲۱۵	روزے کی روح اور حقیقت	۱۶۰
۲۱۶	روزہ کی فضیلت اور اسکی تاکید کا بیان	۱۶۰
۲۱۷	روزہ رکھنے کی حکمتیں	۱۶۰
۲۱۸	روزہ کی خوبیاں وفوائد	۱۶۰
۲۱۹	روزے کی قسمیں	۱۶۲
۲۲۰	ا۔فرضِ معین روزے:	۱۶۲
۲۲۱	۲۔فرض غیرِ معین روزے	۱۶۲
۲۲۲	۳۔ واجب معین روزے	۱۶۲
۲۲۳	۴۔واجب غیر معین روزے	۱۶۲
۲۲۴	مسنون روزے	۱۶۲
۲۲۵	محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ	۱۶۲
۲۲۶	۲۔نویں ذی الحجہ کا روزہ	۱۶۳
۲۲۷	۳۔ایامِ بیض کے روزے	۱۶۳
۲۲۸	مستحب روزے	۱۶۳

نمبر شمار		صفحہ
۲۲۹	مکروہ تحریمی یا حرام روزے:	۱۶۴
۲۳۰	مکروہ تنزیہی روزے	۱۶۴
۲۳۱	جن روزوں میں رات سے (یعنی صبح صادق سے پہلے پہلے) نیت ضروری نہیں ہے	۱۶۴
۲۳۲	جن روزوں میں رات سے (یعنی صبح صادق سے پہلے پہلے) نیت ضروری ہے:	۱۶۴
۲۳۳	رمضان کا روزہ کس پر فرض ہے؟	۱۶
۲۳۴	وہ اعذار جن سے رمضان المبارک کے روزے نہ رکھنا یا توڑنا جائز ہے	۱۶۵
۲۳۵	(۱) مرضِ شدید: (۲) سفرِ شرعی (۳) جبر و اکراہ:	۱۶۵
۲۳۶	(۴) حمل (۵) ارضاع (دودھ پلانا):	۱۶۶
۲۳۷	(۶) بھوک (۷) پیاس:	۱۶۶
۲۳۸	(۸) جہاد (دشمن سے جنگ):	۱۶۶
۲۳۹	(۹) بڑھاپا و ضعف:	۱۶۶
۲۴۰	(۱۰) حیض (۱۱) نفاس:	۱۶۶
۲۴۱	(۱۲) بیہوشی:	۱۶۷
۲۴۲	(۱۳) جنون:	۱۶۷
۲۴۳	روزے کی سنتیں اور مستحبات	۱۶۷
۲۴۴	روزہ کے تین درجے ہیں	۱۶۹
۲۴۵	رمضان کی ابتدا ایک ملک میں اور آخر میں دوسرے ملک میں ہونے کا مسئلہ	۱۷۰
۲۴۶	وہ صورتیں جن میں روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔	۱۷۰
۲۴۷	وہ صورتیں جن میں روزہ مکروہ ہو جاتا ہے	۱۷۲
۲۴۸	وہ صورتیں جن میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے یہ ہیں	۱۷۲
۲۴۹	قضا روزے کا بیان	۱۷۳
۲۵۰	وہ صورتیں جن میں قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔	۱۷۴
۲۵۱	کفارہ کے بیان	۱۷۵

نمبر شمار		صفحہ
۲۵۲	کفارہ کے مسائل	۱۷۵
۲۵۳	فدیہ کے مسائل	۱۷۶
۲۵۴	فدیہ کون ادا کر سکتا ہے:	۱۷۶
۲۵۵	ہر مسکین کے لئے صدقہ فطر کی پوری مقدار شرط نہیں:	۱۷۷
۲۵۶	فدیہ رمضان کے شروع میں بھی دے سکتے ہیں	۱۷۷
۲۵۷	فدیہ ادا کرنے کے بعد صحت کا مسئلہ	۱۷۷
۲۵۸	فدیہ کی وصیت کا مسئلہ	۱۷۷
۲۵۹	فدیہ کا حقدار کون ہے	۱۷۷
۲۶۰	شب قدر کا بیان	۱۷۷
۲۶۱	شب قدر کی فضیلت	۱۷۷
۲۶۲	لیلۃ القدر کی تعین	۱۷۸
۲۶۳	کیا مختلف جگہوں میں مختلف شب قدر ہو سکتی ہے:	۱۷۸
۲۶۴	علاماتِ شب قدر	۱۷۹
۲۶۵	اعتکاف کا بیان	۱۷۹
۲۶۶	[illegible] ریف	۱۷۹
۲۶۷	اعتکاف کی تین قسمیں	۱۸۰
۲۶۸	اعتکاف کی فضیلت	۱۸۰
۲۶۹	اعتکاف کی خوبیاں	۱۸۰
۲۷۰	اعتکاف کی بہت سی خوبیاں ہیں اُن میں سے کچھ یہ ہیں	۱۸۰
۲۷۱	خواتین کا اعتکاف	۱۸۱
۲۷۲	دوران اعتکاف ماہواری کا حکم	۱۸۱
۲۷۳	اعتکاف کی شرطیں	۱۸۲
۲۷۴	اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں	۱۸۲

نمبر شمار		صفحہ
۲۷۵	معتکفین کے لئے ضروری ہدایات	۱۸۴
۲۷۶	اعتکاف کے ضروری مسائل	۱۸۵
۲۷۷	۳۔ مسجد سے باہر سلام یا بات چیت کا مسئلہ	۱۸۶
۲۷۸	۴۔ معتکف کے لئے سگریٹ نوشی کا مسئلہ:	۱۸۶
۲۷۹	۵۔ حالتِ اعتکاف میں احتلام اور غسلِ جمعہ کا مسئلہ	۱۸۶
۲۸۰	۶۔ نمازِ جنازہ اور بیمار پرسی کا مسئلہ:	۱۸۶
۲۸۱	۷۔ دوران اعتکاف روزہ ٹوٹ جانے کا مسئلہ:	۱۸۷
۲۸۲	۸۔ بیوی کے ساتھ ہم بستری کا مسئلہ:	۱۸۷
۲۸۳	۹۔ دورانِ اعتکاف بیمار ہو جانے کا مسئلہ:	۱۸۷
۲۸۴	۱۰۔ کسی دوسرے کی بیماری کا مسئلہ:	۱۸۷
۲۸۵	۱۱۔ اعتکاف کی قضا کا مسئلہ:	۱۸۷
۲۸۶	معتکف کے لئے مختصر دستور العمل	۱۸۷
۲۸۷	آخری جمعہ اور خاص تصورات	۱۸۹
۲۸۸	جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں	۱۸۹
۲۸۹	یہ آخری جمعہ زیادہ قابلِ قدر ہے	۱۹۰
۲۹۰	جمعۃ الوداع اور جذبۂ شکر	۱۹۰
۲۹۱	غافل بندوں کا حال	۱۹۰
۲۹۲	نماز روزے کی ناقدری نہ کریں	۱۹۱
۲۹۳	سجدہ کی توفیق عظیم نعمت ہے	۱۹۱
۲۹۴	وہ سجدہ جسے ترے آستاں سے نسبت ہے	۱۹۲
۲۹۵	روزے دار کیلئے دو خوشیاں	۱۹۲
۲۹۶	افطار (عید) کے وقت خوشی	۱۹۳
۲۹۷	اسلامی تہوار دوسرے مذاہب کے تہواروں سے مختلف ہے	۱۹۳

نمبر شمار		صفحہ
۲۹۸	اسلامی تہوار ماضی کے واقعے سے وابستہ نہیں	۱۹۴
۲۹۹	''عیدالفطر'' روزوں کی تکمیل پر انعام	۱۹۴
۳۰۰	''عیدالاضحیٰ'' حج کی تکمیل پر انعام	۱۹۴
۳۰۱	عید کا دن ''یوم الجائزہ'' ہے	۱۹۵
۳۰۲	انسان کی تخلیق پر فرشتوں کے اعتراض کا جواب	۱۹۵
۳۰۳	آج میں ان سب کی مغفرت کردوں گا	۱۹۶
۳۰۴	عیدگاہ میں نماز ادا کی جائے	۱۹۷
۳۰۵	ورنہ توفیق کیوں دیتے؟	۱۹۷
۳۰۶	آئندہ بھی اس دل کو صاف رکھنا	۱۹۸
۳۰۷	خلاصہ	۱۹۸
۳۰۸	نمازِ عیدالفطر کا طریقہ	۱۹۹
۳۰۹	عیدالفطر کے دن تیرہ اعمال حدیث سے ثابت ہیں	۱۹۹
۳۱۰	عید کی نماز میں تاخیر سے شرکت کا مسئلہ	۲۰۰
۳۱۱	ایک رکعت نکلنے کا مسئلہ	۲۰۰
۳۱۲	صدقہ فطر کے مسائل	۲۰۰
۳۱۳	صدقہ فطر کس پر واجب ہے	۲۰۰
۳۱۴	صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت	۲۰۱
۳۱۵	نابالغ اولاد کے صدقہ فطر کا مسئلہ	۲۰۱
۳۱۶	صدقہ فطر کی مقدار	۲۰۱
۳۱۷	مزید فضائل، وظائف اور اہم مضامین برائے ماہِ رمضان	۲۰۱
۳۱۸	رمضان، ایک عظیم نعمت	۲۰۱
۳۱۹	عمر میں اضافے کی دعا	۲۰۲
۳۲۰	زندگی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا	۲۰۳

نمبر شمار		صفحہ
۳۲۱	رمضان کا انتظار کیوں؟	۲۰۳
۳۲۲	انسان کی پیدائش کا مقصد	۲۰۳
۳۲۳	کیا فرشتے عبادت کے لئے کافی نہیں تھے؟	۲۰۴
۳۲۴	عبادت کی دو قسمیں ہیں	۲۰۴
۳۲۵	پہلی قسم: براہِ راست عبادت	۲۰۵
۳۲۶	دوسری قسم: بالواسطہ عبادت	۲۰۵
۳۲۷	''حلال کمانا'' بالواسطہ عبادت ہے	۲۰۵
۳۲۸	براہِ راست عبادت افضل ہے	۲۰۶
۳۲۹	ایک ڈاکٹر صاحب کا واقعہ	۲۰۶
۳۳۰	نماز کسی حال میں معاف نہیں	۲۰۶
۳۳۱	خدمتِ خلق دوسرے درجے کی عبادت ہے	۲۰۷
۳۳۲	دوسری ضروریات کے مقابلے میں نماز زیادہ اہم ہے	۲۰۷
۳۳۳	انسان کا امتحان لینا ہے	۲۰۸
۳۳۴	یہ حکم بھی ظلم نہ ہوتا	۲۰۸
۳۳۵	ہم اور آپ بکے ہوئے مال ہیں	۲۰۸
۳۳۶	انسان اپنا مقصدِ زندگی بھول گیا	۲۰۹
۳۳۷	عبادت کی خاصیت	۲۱۰
۳۳۸	دنیاوی کاموں کی خاصیت	۲۱۰
۳۳۹	رحمت کا خاص مہینہ	۲۱۰
۳۴۰	اب قرب حاصل کرلیں	۲۱۱
۳۴۱	رمضان کا استقبال	۲۱۲
۳۴۲	رمضان میں سالانہ چھٹیاں کیوں؟	۲۱۲
۳۴۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عباداتِ مقصودہ کا حکم	۲۱۳

صفحہ		نمبر شمار
۲۱۴	مولوی کا شیطان بھی مولوی	۳۴۴
۲۱۴	چالیس مقاماتِ قُرب حاصل کرلیں	۳۴۵
۲۱۵	ایک مؤمن کی معراج	۳۴۶
۲۱۵	سجدہ میں قربِ خداوندی	۳۴۷
۲۱۶	تلاوتِ قرآن کریم کی کثرت کرنی چاہیے	۳۴۸
۲۱۶	نوافل کی کثرت کرنی چاہیے	۳۴۹
۲۱۶	صدقات کی کثرت کرنی چاہیے	۳۵۰
۲۱۷	ذکر اللہ کی کثرت کرنی چاہیے	۳۵۱
۲۱۷	گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے	۳۵۲
۲۱۷	دعا کی کثرت کرنی چاہیے	۳۵۳
۲۱۸	شوال المکرّم	۳۵۴
۲۱۸	فضیلت	۳۵۵
۲۱۸	وظائف	۳۵۶
۲۱۸	نفل روزہ	۳۵۷
۲۱۹	ذی قعدہ	۳۵۸
۲۱۹	ذی الحجہ	۳۵۹
۲۱۹	فضائل	۳۶۰
۲۱۹	فضیلتِ قربانی	۳۶۱
۲۱۹	قربانی نہ کرنے پر وعید	۳۶۲
۲۱۹	قربانی کی حقیقت اور روح	۳۶۳
۲۲۰	وظائف	۳۶۴
۲۲۰	ماہِ ذی الحجہ سے متعلق مسائل	۳۶۵
۲۲۰	عشرۂ ذوالحجہ کے متفرق مسائل	۳۶۶

نمبر شمار		صفحہ
۳۶۷	تکبیرِ تشریق	۲۲۰
۳۶۸	قربانی کس پر واجب ہے	۲۲۲
۳۶۹	قربانی کے وقت میں مقیم اور مالدار ہونے کا مسئلہ	۲۲۲
۳۷۰	قربانی کا وقت	۲۲۲
۳۷۱	قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں شرعاً حکم	۲۲۲
۳۷۲	قربانی کے دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی	۲۲۳
۳۷۳	قربانی کا جانور ذبح کرنے کا مسنون طریقہ	۲۲۳
۳۷۴	ذبیحہ پر کسی بھی زبان میں اللہ کا نام لینا	۲۲۴
۳۷۵	ذبیحہ کی گردن جدا ہو جانا	۲۲۴
۳۷۶	ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا	۲۲۴
۳۷۷	ٹھنڈا ہونے سے پہلے ذبیحہ کی کھال اتارنا	۲۲۴
۳۷۸	جن جانوروں کی قربانی درست ہے	۲۲۴
۳۷۹	کس جانور کی قربانی افضل ہے؟	۲۲۵
۳۸۰	نر و مادہ میں کس کی قربانی افضل ہے	۲۲۵
۳۸۱	ایک فربہ (موٹے) بکرے کی قربانی بہتر ہے یا دو کی جبکہ قیمت میں برابر ہوں	۲۲۵
۳۸۲	گائے اونٹ وغیرہ میں شرکت کا مسئلہ	۲۲۵
۳۸۳	حرام کمائی سے قربانی	۲۲۶
۳۸۴	حرام کمائی والے کی شرکت کا مسئلہ	۲۲۷
۳۸۵	میت کی طرف سے قربانی کرنا	۲۲۷
۳۸۶	ایک حصہ کا ثواب متعدد کو	۲۲۷
۳۸۷	اجتماعی قربانی میں بقیہ قیمت کا حکم	۲۲۸
۳۸۸	قربانی کے جانوروں کی عمروں کا مسئلہ	۲۲۸
۳۸۹	جن جانوروں کی عیوب کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی	۲۲۸

نمبر شمار		صفحہ
۳۹۰	ذبح کرتے وقت کھینچنے سے عیب پیدا ہو جانے کا مسئلہ	۲۲۹
۳۹۱	گابھن جانور کی قربانی کا مسئلہ	۲۲۹
۳۹۲	گوشت کی تقسیم کا بہتر طریقہ	۲۲۹
۳۹۳	قربانی کا گوشت فروخت کرنا	۲۲۹
۳۹۴	قربانی کا گوشت بیچنا مکروہ ہے۔	۲۳۰
۳۹۵	دوسرے ملک والے کی طرف سے قربانی کرنے کا مسئلہ:	۲۳۱
۳۹۶	جانور تبدیل ہو جانے کا مسئلہ	۲۳۱
۳۹۷	حلال جانور کا چمڑا کھانا	۲۳۱
۳۹۸	اوجھڑی، کھانا کیسا ہے	۲۳۲
۳۹۹	قربانی کی قضا	۲۳۲
۴۰۰	عیدالاضحیٰ کے مسنون اعمال	۲۳۲
۴۰۱	عیدالاضحیٰ کی نماز کا مسنون طریقہ	۲۳۳
۴۰۲	مزید فضائل، وظائف و مسائل اور اہم مضامین برائے ماہِ ذی الحجہ	۲۳۳
۴۰۳	عبادات میں ترتیب	۲۳۳
۴۰۴	''قربانی'' شکر کا نذرانہ ہے	۲۳۴
۴۰۵	دس راتوں کی قسم	۲۳۴
۴۰۶	دس دنوں کی فضیلت	۲۳۵
۴۰۷	ان دنوں کی دو خاص عبادتیں	۲۳۵
۴۰۸	بال اور ناخن کاٹنے کا حکم	۲۳۶
۴۰۹	حاجیوں کیساتھ تھوڑی مشابہت اختیار کرلینی چاہئے	۲۳۷
۴۱۰	اللہ کی رحمت بہانیں ڈھونڈتی ہے	۲۳۷
۴۱۱	تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے	۲۳۸
۴۱۲	یومِ عرفہ کا روزہ	۲۳۸

نمبر شمار		صفحہ
۴۱۳	صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں	۲۳۹
۴۱۴	تکبیرِ تشریق	۲۳۹
۴۱۵	گنگا الٹی بہنے لگی ہے	۲۴۰
۴۱۶	قوتِ اسلام کا مظاہرہ	۲۴۰
۴۱۷	تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے۔	۲۴۱
۴۱۸	قربانی دوسرے دنوں میں نہیں ہو سکتی	۲۴۱
۴۱۹	دین کے حقیقت حکم کی اتباع	۲۴۱
۴۲۰	اب مسجد حرام سے کوچ کر جائیں	۲۴۲
۴۲۱	کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا	۲۴۳
۴۲۲	عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے	۲۴۳
۴۲۳	قربانی کیا سبق دیتی ہے	۲۴۳
۴۲۴	بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے	۲۴۴
۴۲۵	جیسا باپ ویسا بیٹا	۲۴۴
۴۲۶	چلتی چھری رُک نہ جائے	۲۴۵
۴۲۷	قدرت کا تماشہ دیکھئے	۲۴۶
۴۲۸	اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے	۲۴۶
۴۲۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی	۲۴۷
۴۳۰	کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟	۲۴۷
۴۳۱	قربانی کی اصل روح	۲۴۸
۴۳۲	تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں	۲۴۸
۴۳۳	سنت اور بدعت میں فرق	۲۴۹
۴۳۴	مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟	۲۴۹
۴۳۵	سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال	۲۵۰

نمبر شمار		صفحہ
۴۳۶	حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نمازِ تہجد پڑھنا	۲۵۱
۴۳۷	اعتدال مطلوب ہے	۲۵۲
۴۳۸	اپنی رائے فنا کردینی چاہئے	۲۵۲
۴۳۹	پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے	۲۵۲
۴۴۰	قربانی کی فضیلت	۲۵۳
۴۴۱	ایک دیہاتی کا قصہ	۲۵۳
۴۴۲	ہماری عبادات کی حقیقت	۲۵۵
۴۴۳	تم اس کے زیادہ محتاج ہو	۲۵۶
۴۴۴	ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہئے	۲۵۶
۴۴۵	کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟	۲۵۷
۴۴۶	سپردم بتو مایۂ خویش را	۲۵۷

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ بندۂ ظلوم وجہول اپنے ربِ کریم کی رحمتِ واسعہ کا بلا استحقاق امیدوار۔

عرض گزار ہے کہ تمام تعریفیں اس رب عظیم کے لئے ہیں جس نے ہمیں انسان اور پھر مسلمان بنایا اور بے شمار درود وسلام ہوں اس محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے ہمیں سال کے ہر مہینے کے مسائل اور تفصیلی احکام بتلائے جن کو سیکھنے اور ان کے مطابق زندگی گزارنے پر عافیتِ دارین اور فلاحِ دارین کا وعدہ ہے۔

مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے، جو اللہ کی یاد اور احکام کی بجاوری سے اور گناہوں سے بچنے سے نصیب ہوتا ہے۔

اسلئے ارادہ ہوا کہ ایک ایسا مجموعہ تیار ہو جسمیں ہر مہینے کے فضائل، وظائف، مسائل اور احکام کی نشاندہی ہو اور ساتھ ہی ساتھ اہم امور بھی ذکر کئے جائیں جو ایک بہترین رہنمائی کا ذریعہ ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ایسے غلط عقائد اور خرافات کی نشاندہی بھی کردی جائے جو امت کے اندر عام ہوتے چلے جارہے ہیں جس سے نیکی پر بارِ گناہ لازم آتا ہے۔

اور یکا یک قلب میں یہ خیال بھی آیا کہ شاید قادرِ مطلق اس خدمت کو صدقہ جاریہ اور الباقیات الصالحات کی فہرست میں داخل فرما کر ذخیرہ آخرت بنادے وماذالك علی الله بعزیز پھر اچانک حدیثِ قدسی انا عندظن عبدی بی ذہن میں آئی جس نے اس امید کو یقین سے بدل دیا جس سے طباعت کا خیال مبدل بعزم ہوگیا۔

یارب واجعل رجائی غیر منعکس

لدیكَ واجعل حسابی منخرم

پس تو کلا علی اللہ وثقۃ بہ اپنی ان تھک کوششیں ان مسائل کی ترتیب کے لئے اور تمام باتوں کا حتی المقدور ماخذ کے ساتھ لکھنے میں صرف کردیں۔

فمنی الحمدُ والا نابةُ ومنهُ الاصابةُ والاثابة اللّٰهم تقبله بحق نبی الرحمة

منگر اندر ماکنی در ما نظر

انداز اکرام وسخائے خودنگر

العبد الفقير الى الله الغنى

مفتی محمد الیاس زکریا حفظہ اللہ

خادم الحدیث والافتاء بمدرسہ عربیہ مریم مسجد آدم جی نگر

۱۸ فروری ۲۰۱۴ء بمطابق ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

اصل کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' پر لکھی گئی تقاریظ کے چیدہ چیدہ کلمات

تقاریظ

فرمودہ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف ھالیجوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ حدیث و مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

میں نے اول سے آخر تک اس پر نظر ڈالی ہے ماشاء اللہ توقع سے بڑھ کر اس کو پایا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف کو مزید توفیق اور استقامت عطا فرمائے اور ہم کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ جو لکھا گیا ہے وہ صحیح ہے۔

فرمودہ فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم العالیہ

فاضل موصوف (مولانا الیاس زکریا) نے زیرِ نظر رسالہ میں عبادات کے مسائل وفضائل اختصار و جامعیت سے مصادر کی طرف مراجعت کیے ہیں عنفوانِ شباب ہی میں ایسی محنت قابلِ قدر ہے۔

فرمودہ والد محترم استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم مدرسہ عربیہ مریم مسجد آدم جی نگر کراچی۔

عزیزم نورِ چشم مولوی محمد الیاس سلمہ' کی اس کاوش کو اللہ پاک مثمر ثمرات اور مشرف باقبول فرما۔

فرمودہ حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحب دامت برکاتہم العالیہ

رفیقِ دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

یقیناً یہ رسالہ اسی قابل ہے کہ اس کو سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھ کر اس سے خوب استفادہ کیا جائے، امید ہے کہ تمام مسلمان اس سے استفادہ کریں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مرتب کی شبانہ روزی محنتوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، انہیں بیش از بیش علمِ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اور اس مجموعے کو ان کے لئے، اور ان کے والدین اور ہم سب کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ این دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

فرمودہ حضرت مولانا عبدالستار صاحب دامت برکاتہم العالیہ

امام وخطیب بیت الاسلام مسجد ڈیفنس کراچی

اللہ رب العزت کے حضور بدستِ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائیں، اس کو خاص اپنی رضا کا وسیلہ بنائیں اور اس کو مسلمانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

مقصدِ زندگی

نیا اسلامی سال شروع ہو چکا ہے اپنی عمر کے قیمتی لمحات کے بارے میں کچھ غور وفکر کریں، انسان کو اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہئے کہ یہ کدھر جارہی ہے؟ یہ قدم جنت کی طرف اُٹھ رہے ہیں، یا جہنم کی طرف؟ جن کے دل میں کچھ فکر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس مقصد کے لئے بھیجا ہے؟ وہ اپنے مقصد زندگی کو نہیں بھولتے۔ سوچتے ہیں کہ مالک کی رضا کس میں ہے؟ کیا کرنا چاہئے؟ اور آخرت جو صحیح معنوں میں وطن ہے وہ بگڑ رہی ہے یا سنور رہی ہے؟ یہ فکر ہر انسان کو ہونی چاہئے اپنی زندگی کا کچھ تو حساب وکتاب کیا جائے کہ گزرے ہوئے سال میں کیا کمایا اور کیا گنوایا؟ ایک سال کی مدت بہت طویل ہوتی ہے سارے تغیرات اور موسم سب کچھ ایک سال میں گزر جاتا ہے۔ کوئی چیز باقی نہیں رہتی سال میں چاند اور ستاروں کے علاوہ آفتاب بھی اپنی گردش پوری کر لیتا ہے بہر حال ایک سال میں ہر قسم کی گردش مکمل ہو جاتی ہے مختلف سمتوں سے مختلف قسم کی ہواؤں کا دور ہر قسم کی نباتات کی پیدائش، تمام کائنات میں مزاجوں کے تغیرات اور ہر جان دار مخلوق کے انقلابات کا دور ایک سال میں پورا ہو جاتا ہے اسی لئے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک سال بعد اس کی سالگرہ مناتے ہیں پھر دوسرے سال پھر سالگرہ، اسی طرح ہر سال سالگرہ مناتے رہتے ہیں۔ سالگرہ منانا ہے تو بہت بری بات مگر اس سے کچھ سبق تو حاصل کیا کریں کہ سالگرہ منانے والوں کا نظریہ کیا ہے؟ وہ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ سال کی مدت بہت طویل مدت ہے۔ بچہ ایک سال گزرنے کے بعد ابھی تک موجود ہے مرا نہیں، اس پر خوشی مناؤ، حالانکہ جس نے نعمتیں عطا فرمائیں اس کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے مگر کرتے ہیں اُلٹا کام کہ اس کو ناراض کرتے ہیں۔ بس جہاں محرم کا مہینہ شروع ہوا تو سمجھ لیں کہ نیا سال شروع ہو گیا سوچیں غور وفکر کریں کہ گذشتہ محرم سے لے کر اس محرم تک پورا ایک سال گزر گیا مگر آخرت کے لحاظ سے گذشتہ محرم میں جہاں تھے اب بھی وہیں ہیں یا ایک آدھ قدم آگے بھی بڑھے ہیں؟ اگر سارا سال گزر گیا مگر حالت میں ذرہ برابر بھی انقلاب نہیں آیا تو کتنے بڑے خسارہ کی بات ہے کوئی شخص کمانے کے لئے بیرون ملک گیا۔ جتنی پونجی لے گیا تھا سال گزرنے کے بعد وہیں کا وہیں رہا، کچھ بھی نہیں کمایا تو کتنی محرومی اور بد نصیبی کی بات ہے۔ سوچیں کہ گذشتہ سال میں کتنے لوگ زندہ تھے اور اب کتنے لوگ اس دنیا سے رُخصت ہو گئے اسی طرح سب کو ایک دن اس دنیا سے

جاتا ہے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے اس سال جب محرم کا چاند نکلا اس وقت تو اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوئی لیکن جب کسی تحریر پر ۱۴۳۲ ہجری لکھتا ہوں تو بہت شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کل تک تو لکھتا رہا ۱۴۳۱ ہجری اور آج ہوئی ۱۴۳۲ ہجری، یہ دیکھ کر دل دہل جاتا ہے، جسم پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر کیلئے قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تین چار روز تک یہی حالت رہی کہ سال گزر گیا اور ہماری حالت کا کیا کچھ بنایا نہیں بنا؟ پھر الحمدللہ! یہ سوچ یہیں تک محدود نہیں، مگر غفلت کی آنکھیں بیدار نہیں ہوتیں سوچیں اپنے ابا، دادا، پردادا کو کہ ان کی پیدائش کے وقت ان کے والدین اور رشتہ دار خوشیاں منا رہے تھے اور سالوں پر گرہیں لگاتے تھے مگر ساری گرہیں ٹوٹ گئیں۔ کوئی نہیں رہا اور سب اس دنیا سے چلے گئے آپ بھی ہزاروں سالگرہ منالیں کوئی رہے گی نہیں۔ سب ٹوٹ جائیں گی۔ اسی طرح شادیوں کا نتیجہ آخر میں کیا ہے؟ اگر آخرت کو نہیں بنایا تو یہ دنیا کی سب شادیاں مہنگی پڑیں اور برباد ہو گئیں کہاں گئیں شادیاں یہاں کی؟ جب اولاد کی شادی ہو تو سوچنا چاہیے کہ کسی روز ہماری بھی شادی ہوئی تھی، میں تو شادی تک ہی نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی شادی تک سوچتا ہوں کہ کسی روز ان کی بھی شادی ہوئی تھی:

"گزر گئی گزران کیا جھونپڑی کیا میدان"

کچھ باقی نہیں رہا، اگر کچھ باقی رہے گا تو وہ اعمالِ صالحہ جو آخرت کی شادی میں کام آئیں گے۔

ان سب باتوں کو سوچا کریں سوچنا تو روزانہ چاہیے مگر کم سے کم ہر سال کی ابتداء میں تو یہ سبق حاصل کر لیں کہ ایک سال گزر گیا لیکن اب بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں گذشتہ سال تھے یا کچھ آگے بھی بڑھے؟ آگے بڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ سال بھر میں اگر ایک گناہ بھی چھوٹ گیا تو جب بھی کچھ تو آگے بڑھے اور اگر یہ حالت ہے کہ گذشتہ محرم کی ابتداء میں جتنے گناہ تھے آج بھی اتنے ہی ہیں۔ ایک گناہ بھی نہیں چھوٹا تو بڑے خسارہ کی زندگی گزری۔ کچھ فکر کرنی چاہیے کہ آخر ایک روز مرنا ہے کب تک زندہ رہنا ہے۔

تجارت آخرت کا گوشوارہ

دنیوی تجارتوں میں جہاں سال ختم ہونے کو آتا ہے نفع وخسارہ کا حساب لگایا جاتا ہے گوشوارے تیار کئے جاتے ہیں تاجر لوگ نفع اور خسارہ کا حساب کیسے لگاتے ہیں؟ وہ اس طریقہ سے کہ سال کے اندر اگر ایک کروڑ کے نفع کی اُمید تھی اور نفع ہوا ۷۵ لاکھ تو یوں کہتے ہیں کہ ۲۵

لاکھ کا نقصان ہوا یہ ناشکرا بندہ یہ نہیں کہتا کہ ۷۵ لاکھ کا فائدہ ہوا۔ نفع کو بھی خسارہ ہی بتاتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے پاس ایک تاجر ہر سال نقصان ہی بتاتا تھا ایک بار انہوں نے پوچھا کہ اگر ہر سال ہزاروں کا نقصان ہوتا رہتا ہے تو اب تک تو آپ کا کباڑا ہی ہو جاتا۔ آپ کی ساری تجارت ہی ختم ہو جاتی، لیکن یہ تو روز بروز ترقی پر ہے، یہ کیسا نقصان ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ تاجروں کی اصطلاح نہیں سمجھتے۔ یہ شروع سال میں تخمینہ لگاتے ہیں کہ آئندہ سال میں اتنا نفع ہونا چاہیے اس تخمینہ سے جو کم ملا اسے یہ لوگ خسارہ کہتے ہیں، ناشکرا انسان دنیوی نفع کو بھی نقصان شمار کرتا ہے اور آخرت کے نقصان کو تو شمار ہی میں نہیں لاتا کبھی اس کا حساب ہی تیار نہیں کرتا۔

محرم الحرام

حدیث شریف میں ہے کہ افضل روزہ رمضان کے بعد محرم کے مہینے میں روزہ ہے اور افضل نماز بعد نماز فرض کے نمازِ تہجد ہے۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے محرم میں روزہ رکھو اللہ تعالیٰ نے قوم گزشتہ کے گناہ اس مہینے میں بخشے تھے اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ قوموں پر رجوع کرے گا اور ان کے گناہ بخشے گا۔ (احمد ترمذی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو جس کی تعداد چھ لاکھ تھی اس متبرک مہینے کی دسویں تاریخ کو فرعون لعین کی غلامی سے نجات ملی تھی اور فرعون اور اس کے لاکھوں فوجی دریائے مصر میں اسی روز غرق کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز شکریہ کے طور پر روزہ بھی رکھا تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا! ہم بھی حضرت موسیٰؑ کی اقتداء میں روزے رکھیں گے۔

(بخاری شریف)

چنانچہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے (بخاری) ایک روایت میں ہے کہ ۹ محرم کا بھی روزہ رکھو اور دسویں کا بھی تاکہ یہودیوں کے خلاف ہو جائے دسویں محرم کے روزے کو عاشورہ کا روزہ بھی کہتے ہیں۔ اس روزے کا ثواب اتنا ہے کہ ایک سال کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں افسوس کہ آج کل کے مسلمان اس متبرک مہینے میں روزے رکھ کر بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس مہینے میں جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل و عیال پر کھانے کی وسعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں برکت دے گا۔

محرم کی حقیقت

سب سے پہلے بات یہاں سے چلتی ہے کہ یہ مہینہ معظم ومحترم ہے یا منحوس ہے؟

بعض لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہادت بہت بری اور منحوس چیز ہے اور چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی ہے اس لئے اس میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی، نکاح وغیرہ نہیں کرتے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں یہ مہینہ محترم، معظم اور فضیلت والا ہے۔ محرم کے معنی ہی محترم، معظم اور مقدس کے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لئے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی۔ یہ غلط ہے اس مہینے کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون سے اسی دن میں نجات ہوئی اس نعمت پر اداءِ شکر کے طور پر اس دن کے روزہ کا حکم ہوا اور بھی بہت سی فضیلت کی چیزیں اس میں ہوئی ہیں۔

البتہ یوں کہیں گے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں زیادہ فضیلت اس لئے ہوئی کہ ایسے فضیلت والے ماہ میں واقع ہوئی جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں، نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اس میں زیادہ کرنی چاہئیں اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی، لیکن ہے یہ بڑی بات اس لئے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دل میں بھری ہوئی ہیں سو سال کا رام بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا وہ نکلتے ہی نکلتا ہے۔

نو، دس محرم کا روزہ

صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ اس دن کو روزہ رکھا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم روزہ کیوں رکھتے ہو؟ کہنے لگے یہ بہت اچھا دن ہے اس دن میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دی تھی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بہ نسبت تمہارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے زیادہ حق دار ہیں پھر آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان کے بعد افضل روزہ

محرم کا ہے اور فرض نماز کے بعد افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا آپ ﷺ روزہ رکھتے لیکن وفات سے پہلے جو "عاشوراء" کا دن آیا تو آپ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، نو محرم یا گیارہ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ ﷺ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرما دی تھی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزہ میں اس بات کا اہتمام کیا اور نو محرم یا گیارہ محرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہا عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ قرار دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں اسی دن ہم بھی وہی عبادت کر رہے ہیں لیکن آپ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا، کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے۔

جب عبادت، بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو اور کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے کہ میں ان جیسا نظر آؤں تو یہ گناہِ کبیرہ ہے۔

دس محرم کی برکت

ایک شخص نے دس محرم کو سات درہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیئے، خیال تھا کہ اس کے عوض میں بہت مال ملے گا۔ سارا سال انتظار کرتا رہا نہ ملا ایک وعظ میں ایک عالم سے سنا کہ جو شخص عاشوراء کے دن ایک درہم خرچ کرے حق تعالیٰ ان کو ہزار درہم دیتے ہیں یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ یہ جھوٹ ہے، میں نے سات درہم خرچ کئے تھے کچھ نہیں ملا۔ جب رات ہوئی تو

غیب سے ایک آدمی نے اس کو سات ہزار درہم لا کر دیئے اور کہا اے جھوٹے! تجھ سے صبر نہیں ہو سکا صبر کرتا تو بہتر ہوتا۔

اہل وعیال پر وسعت

امام بیہقیؒ نے حدیث بیان فرمائی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت کرے گا حق تعالیٰ سارے سال فراخ روزی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے تجربہ کیا ہے اس کو درست پایا ہے، مگر اس کو ضروری نہ سمجھے اور نہ حد سے زیادہ اہتمام کرے اور جب اہل وعیال پر وسعت کرے تو غریب ہمسایہ کے ہاں بھی بھیج دے۔

زمانہ فضیلت

نو اور دس محرم کو بجز روزہ کے اور کوئی عمل مسنون نہیں اور کسی عمل کا جو فی زمانہ رائج ہیں کوئی ثواب اور اجر نہیں۔ البتہ حدیث میں نویں دسویں کے روزوں کی فضیلت آئی ہے کہ اس سے سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں، لہٰذا اس طرح سے یہ زمانہ فضیلت نہیں ثابت ہوئی اور اتفاق سے دن بھی ٹھنڈے اور چھوٹے ہونگے تو ایسے موقع کو غنیمت جان کر جانے نہ دیجئے۔ مگر روزہ کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک دن کا یعنی صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ پہلے یہ جزئیہ میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ اس لئے میں محرم کے ایک روزہ کو مکروہ نہیں کہتا تھا۔ اب چونکہ یہ جزئیہ میری نظر سے گزرا ہے، اس لئے میں محرم کے ایک روزہ کو مکروہ کہتا ہوں۔

باقی یہ جو مشہور ہے کہ ایک روزہ رکھنا مطلقاً مکروہ نہیں۔ اس کراہت میں صرف عاشوراء کی تخصیص ہے۔ تمام زمانوں کو عام نہیں۔ یہ تو روزہ کے متعلق تحقیق تھی۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے بلکہ اکثر عوام کا یہی خیال ہے کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت بوجہ شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے عاشوراء کے دن کی فضیلت اس وجہ سے نہیں، بلکہ عاشوراء کا دن پہلے سے شرائع سابقہ میں افضل ہے جیسے روایات سے معلوم ہوتا ہے، پھر شریعتِ محمدیہ مقدسہ میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے جب کہ اس شہادت کا وقوع بھی نہ ہوا تھا، سو اس کی فضیلت اس شہادت سے نہیں، بلکہ خود یہ شہادت اس یوم میں اس لئے واقع ہوئی کہ یہ فضیلت کا دن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس دن کو اپنے مقبول بندہ حضرت امام

حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واسطے منتخب فرمایا۔ غرض اس دن کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قصہ سے کوئی فضیلت نہیں ہوئی، بلکہ خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس دن میں شہید ہونے سے فضیلت ہوئی۔

وظائف

نفل نماز پہلی تاریخ محرم الحرام

پہلی تاریخ بعد نمازِ ظہر دو رکعت نماز پڑھے۔

الهم انت الله الا بدالقديم هذه سنة جديدةاسئلك فيها العصبته من الشيطن الرجيم والا مان من السلطان الجابر و من شر كل ذى شر و من البلاء والافات و اسئلك العون و العدل على هذه النفس الامارة بالسوء و الاشتعال بما يقربنى اليك يا بريا رؤوف يا رحيم يا ذالجلال و الاكرام.

اللہ پاک اس نماز اور دعا کے پڑھنے والے کے تمام گناہ معاف فرمائے گا اور انشاء اللہ وہ دنیا سے باایمان اٹھے گا۔

یومِ عاشورہ

عاشورہ کے دن بعد نمازِ فجر برآمد ہوئے آفتاب کے دو رکعت نماز پڑھے۔ اور بعد سلام کے ایک مرتبہ اس دعا کو پڑھے۔

دعاءِ عاشورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يا قابل توبته ادم يوم عاشوراء يا فارج كرب ذى النون يوم عاشوراء يا جامع شمل يعقوب يوم عاشوراء يا سامع د-وة موسى و هرون يوم عاشوراء يا مغيث ابراهيم من النار يوم عاشوراء يا رافع ادريس الى السماء يوم عاشوراء يا مجيب دعوة صالح فى النافة يوم عاشوراء يا ناصر سيد نا محمد يوم عاشوراء يا رحمن الدنيا والاخرة و رحيمهما صل على سيد نا محمد و على ال سيدنا

محمد و صل علی جمیع الانبیاء والمرسلین واقض حاجاتنا فی الدنیا والاخرۃ و اطل عمرنا فی طاعتك و محبتك و رضاك واحینا حیوۃ طیبۃ و توفنا علی الایمان والاسلام برحمتك یا ارحم الرحمین اللھم بھز الحسن و اخیه و امه و ابیه و جده و بنیه فوج عنا ما نحن فیه

پھر سات بار یہ پڑھے۔

سبحان اللہ مل ء المیزان و منتھی العلم و مبلغ الرضی وزنته العرش لا ملجا و لا منجا مناللہ الا الیه ط سبحان اللہ عدد الشفع و الوتر فعدد کلمات اللہ التامات کلھا نسئلك السلامۃ برحمتك یا ارحم الراحمین ط و ھو حسبنا و نعم الوکیل ط نعم المولی و نمم النصیر ط ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط و صلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد و علی اله و صحبه و علی المومنین والمئومنات والمسلمین والمسلمات عدد ذرات الوجود وعدد معلومات اللہ والحمد للہ رب العلمین.

درگاہِ رب العزۃ سے اس نماز اور دعا کے پڑھنے والے کو بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔

نفل روزہ

محرم الحرام میں روزے رکھنے کی بہت فضیلت ہے۔ پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک روزہ رکھے یا پہلی تاریخ کا اورنویں دسویں کا روزہ رکھنا افضل ہے۔

محرم کی پہلی شب سے شبِ عاشورہ تک روزانہ بعد نمازِ عشاء ایک سو مرتبہ کلمہ توحید پڑھنا واسطے بخششِ گناہ بہت افضل ہے۔

پہلی شبِ محرم الحرام سے شبِ عاشورہ تک بعد نمازِ عشاء اول آخر مع درود شریف کے ایک سو دفعہ یہ دعا بھی پڑھنی افضل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذالجد منك الجد ط

یومِ عاشورہ کسی وقت باوضو ہو کر ستر مرتبہ پڑھے۔

حسبی اللہ و نعم الوکیل

مغفرت گناہ کے لیے یہ وظیفہ پڑھنا بھی بہت افضل ہے۔

عاشوراء کے کچھ مسائل

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب وہ شہید ہوئے غم اس وقت تھا تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے شرع میں حلال نہیں۔غم کی مجلس خواہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہو یا کسی اور کی جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں صبر کا حکم ہے اور اس کے خلاف غم پیدا کرنا خود معصیت اور گناہ ہوگا۔ مجمع کر کے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا بیان روافض کے ساتھ مشابہت ہے، جو حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

محرم بہت مبارک ماہ ہے اس کو منحوس سمجھنا نری جہالت ہے۔ ماتم کی مجلس اور تعزیے کے جلوس میں شامل ہونا گناہ ہے اس میں بچوں کو شامل ہونے کی اجازت دینا گناہ ہے، حدیث شریف میں ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔ (جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے شہید ہی ہیں، اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ہی ذکر ہو تو ۳۶۵ سے کہیں زیادہ شہید نظر آئیں گے، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں مصلیٰ پر شہید ہوئے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے صحابی امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے آ گئے۔ پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی، آپؓ بے ہوش تھے، ساری تدابیر ہوش میں لانے کی کی گئی، ہوش نہ آیا، کسی نے کہا کان میں کہو ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بے شک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

ستر تو شہید ہیں غزوۂ اُحد میں، بارہ کے قریب بدر میں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنی جنگیں ہوئیں، کتنے شہید ہوئے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن رضی اللہ عنہم، کس کس کا ماتم کرو گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فی گھنٹہ ایک شہید کا بھی پورے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔ اسلام کے لئے جن شہداء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعثِ گناہ ہوگا؟ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی اُمت کو یہ فخر عطا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا، اس نے درجات حاصل کئے، ایسی کامیابی خوش ہونے کی چیز ہے، جان دی اللہ کی راہ میں اور حیاتِ جاودانی پائی۔ یہ بہادروں کا شیوہ ہے، انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا، پھر کیسے کیسے قراء، حفاظ، علماء، خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جامِ شہادت نصیب ہوا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا، بس یہ دیکھ لو یہی دین ہے۔ (مجالسِ مفتی اعظم)

قبروں کی زیارت کا طریقہ

قبر کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کی طرف میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے آنا مناسب نہیں اور میت کو کہے "السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون" ہو سکے تو سورۂ یٰسین شریف پڑھ لے یا گیارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھ کر فوت شدہ شخص کو ایصالِ ثواب کرے، اس کو فوت شدہ اشخاص کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا پھر دل چاہے تو بغیر ہاتھ اُٹھائے دعا مانگے۔ (از ماہنامہ محاسنِ اسلام)

۹ محرم الحرام کا مسئلہ

سوال: فیکٹری مالکان ۹ محرم الحرام کو کارخانہ چلانا بند کر دیتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ ۹ محرم الحرام کو کام کرنے کی حدیث کی رُو سے اجازت ہے یا نہیں؟ کچھ مزدور کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۹ محرم کو شہید ہوئے تھے اس لئے کام نہیں کرنا چاہیئے۔ براہِ مہربانی جواب دیں۔

جواب: ۹ محرم الحرام کو کام کرنے کی اجازت ہے۔ سوگ تین دن کا ہوتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید ہوئے تو ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل کا فقہی حل)

اہم مضامین برائے ماہِ محرم

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

حرمت والا مہینہ

یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ نے اپنے فضل وکرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو

قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔ جو قرآن میں ہے کہ "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ"۔ (سورۃ التوبۃ آیت: ۳۶) اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں، ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ

خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر "عاشوراء" کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں "دسواں دن" یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا خصوصی طور پر حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک "عاشوراء" کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا تو اسکے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ عاشوراء کے روزے کی اتنی بڑی فضیلت آپ ﷺ نے بیان فرمائی۔

"یوم عاشوراء" ایک مقدس دن ہے

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشوراء کا دن مقدس دن سمجھا جاتا تھا اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد پیش آیا، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید فضیلت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن میں عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آ رہا تھا۔ بہر حال! یہ عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کی فضیلت کی وجوہات

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیا فضیلت دی ہے؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے گلزار بنایا تو وہ عاشوراء کا دن تھا اور قیامت بھی عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں، کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور پیچھے فرعون کا لشکر آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں، اس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ان راستوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے پار چلا گیا اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔ یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا، اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے جو نسبتاً بہتر روایت ہے، لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں، ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

فضیلت کے اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن چاہتے ہیں اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں، ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اس روز سنت والے کام کرنے چاہئے

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کیلئے منتخب کرلیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو، سنت کے طور پر اس دن کے لئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنت ہے، اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہودیوں کی مشابہت سے بچیں

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو ''عاشوراء'' کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ میں ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن میں چونکہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

ایک کے بجائے دو روزے رکھیں

لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں ملی۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرما دی تھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہا عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا، یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار

نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشوراء کے دن روزہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہ ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

عبادت میں بھی مشابہت نہیں کرنی چاہئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی، بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں، ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے، اس کا طرزِ عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں یہ احکام جابجا ملیں گے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو۔ مثلاً فرمایا:

"خَالَفُوا الْمُشْرِكِينَ". (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب فی العمائم)

یعنی مشرکین (جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیراتے ہیں)، ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔

مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے

جب عبادت کے اندر اور بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو دوسرے کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بُری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں، تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ". (ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة)

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص

انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں بلکہ ویسے مشابہت اختیار کر لی تو یہ مکروہ ضرور ہے۔

غیر مسلموں کی نقالی نہیں کرنی چاہئے

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا، اپنے طریقہ کار میں وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لی ہے، ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں، ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔ ہم دیکھیں تو سہی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا، اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کے لئے اس کو چھوڑ دیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نقالی کریں، ان لوگوں کی نقالی نہ کریں جو روزانہ ہماری پٹائی کرتے ہیں، جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے، جو ہمیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کر کے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

آمین

عاشوراء کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں

بہر حال! اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے، لیکن روزے کے علاوہ عاشوراء کے دن لوگوں نے جو اور اعمال اختیار کر رکھے ہیں، ان کی قرآن کریم اور سنت میں کوئی بنیاد نہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشوراء کے دن حلیم پکنا ضروری ہے، اگر حلیم نہیں پکایا تو عاشوراء کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اور تابعینؒ نے اور بزرگانِ دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشوراء کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر اور ان لوگوں پر جو اس کے عیال میں ہیں، مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے اور کھانے میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ ان شاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہئے، اس کے آگے لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں، ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرنا چاہئے

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ پر ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ:

"فَلَا تَظْلِمُوْا فِيهِنَّ اَنْفُسَكُمْ". (سورۃ التوبۃ، آیت: ۳۶)

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کردیں گے، اس لئے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرنا چاہئے

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، لیکن بہت سے اہلِ سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں اور تعزیوں میں اور ان کے کاموں میں شریک ہوجاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دیدیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو بلکہ ان اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کے لئے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کرو اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس

مہینے کی حرمت اور عاشوراء کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دس محرم میں پیش آنے والے اہم واقعات

(۱)......حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی مقبولیت

(۲)......فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اُمت کی نجات

(۳)......کشتیٔ نوح اسی دن جودی پہاڑ پر ٹھہری

(۴)......حضرت یونس علیہ السلام اسی دن مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے

(۵)......یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا

(۶)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آسمانوں کی طرف اُٹھایا جانا اسی دن میں

(۷)......حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ

(۸)......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت

(۹)......حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹنا

(۱۰)......اسی دن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی لغزشیں حق تعالیٰ نے معاف کر دیں۔

یہ دس واقعات شارحِ بخاری علامہ عینی نے ذکر کئے ہیں۔

اس کے علاوہ بعض کتب میں اور بڑے بڑے واقعات کو شمار کیا ہے جو عاشوراء کے دن ہوئے، چند یہ ہیں:

(۱)......حضرت آدم علیہ السلام کا نبوت کے لئے منتخب ہونا

(۲)......حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمانوں کی طرف اُٹھایا جانا

(۳)......حق تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانا

(۴)......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی اسی دن ہوا

(۵)......اسی دن قیامت قائم ہوگی

(۶)......اس دن میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔(نزھۃ البساتین)

محرم میں شادی

سوال: محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یکم محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک اپنی بیوی کے پاس جانا یعنی ہمبستری کرنا جائز نہیں؟

جواب: اس کی بھی شرعی دلیل نہیں۔

سوال: محرم وصفر وشعبان میں چونکہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اوراس کے علاوہ بڑے سانحات ہوئے ان مہینوں کے اندر شادی کرنا نامناسب ہے، اس لئے کہ شادی ایک خوشی کا سبب ہے اوران سانحات کا غم تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا ہے اور مشاہدات سے ثابت ہے کہ ان مہینوں میں کی جانے والی شادیاں کسی نہ کسی سبب سے رنج وغم کا باعث بن جاتی ہیں، اس میں کسی عقیدے کا کیا سوال؟

جواب: ان مہینوں میں شادی نہ کرنا اس عقیدے پر مبنی ہے کہ یہ مہینے منحوس ہیں۔ اسلام اس نظریے کا قائل نہیں۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مہینے میں عقدِ نکاح ممنوع ہوگیا، ورنہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی شخصیت کا وصال ہوا، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی بزرگ تر تھے۔ اس سے یہ لازم آئے گا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے کسی میں بھی نکاح نہ کیا جائے، پھر شہادت کے مہینے کو سوگ اور نحوست کا مہینہ سمجھنا بھی غلط ہے۔

شہادتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

اہلِ السنّت والجماعت تمام اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں اور ان سے سچی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں، جس طرح شیعہ صاحبان ان کے مداح اور ان کی محبت کے دعویدار ہیں، چنانچہ عقیدہ اہلِ سنت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی: "نَدْعُ أَبْنَاءَ نَا وَأَبْنَاءَ كُمْ" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ! میرے اہلِ بیت یہ لوگ ہیں۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی

فرمایا کہ وہ بھی سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین سے لڑے گا میری ان سے لڑائی ہے۔ اور جو ان سے صلح کرے گا میری اس سے صلح ہے۔ (ترمذی)

یہ مناقب مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں اگر سب جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

جس طرح ان مناقب سے اہلِ السنۃ والجماعۃ اتفاق رکھتے ہیں اسی طرح اس اندوہ ناک، دردناک داستانِ ظلم وستم یعنی حادثۂ شہادتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی سنیوں کا اتفاق ہے۔ چنانچہ احباب کی اطلاع کے لئے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کا بیٹا یزید ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ماہِ رجب ۶۰ ھ دمشق میں ہوا۔ یزید نے تمام ملکوں میں اپنے حکام کی طرف فرمان بھیجا کہ میرے حق میں لوگوں سے بیعت کی جائے۔ اسی ضمن میں اس نے مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی، کیونکہ یزید فاسق، شرابی اور ظالم تھا۔ اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ۴ شعبان ۶۰ ھ کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ میں جا کر قیام فرمایا۔

اہلِ کوفہ کی طرف سے دعوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چونکہ کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا ہوا تھا اس لئے وہاں اہلِ بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ کوفہ تشریف لے آیئے۔ ہماری جان اور مال آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے۔ امام ممدوح نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہلِ کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں پہنچے تو مختار بن عبید کے مکان پر ٹھہرے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بارہ ہزار سے بھی زیادہ آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب نعمان بن

بشیر صحابی جو حاکم کوفہ تھے انہیں اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا۔ فقط ڈانٹنے پر ہی اکتفا کی۔ اس سے زیادہ کسی کو کچھ نہ کہا مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن الولید بن عقبہ نے یزید کو اس واقعہ کی اطلاع دی اس پر یزید نے نعمان بن بشیر؄ صحابی کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کا حاکم معین کر دیا۔

عبید اللہ بنِ زیاد کا حاکمِ کوفہ ہو کر آنا

عبید اللہ بنِ زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اور اہلِ حجاز کے لباس میں کوفہ میں داخل ہوا تا کہ لوگ دھوکے سے یہ سمجھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں نے امام موصوف کا خیال کر کے اس کا استقبال کیا اس کے آگے آگے یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے اے رسول اللہ کے بیٹے! تمہیں مرحبا ہو۔ عبید اللہ بن زیاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سرکاری مکان میں داخل ہو گیا صبح لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کی سند پڑھ کر سنائی انہیں دھمکی دی اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا اور مسلم بن عقیل کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپ گئے۔ عبید اللہ بن زیاد نے محمد بن اشعث کو فوج دے کر ہانی بن عروہ کے مکان پر بھیجا۔ ہانی بن عروہ اور اہلِ کوفہ کے تمام سرداروں کو گرفتار کرا لیا۔ مسلم بن عقیل کو جب یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے خیر خواہوں کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ عبید اللہ بن زیاد نے ان قیدی سرداروں سے کہا کہ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ وہ مسلم بن عقیل کی رفاقت سے باز آ جائیں ان لوگوں کے سمجھانے سے چالیس ہزار میں سے فقط پانچ سو آدمی مسلم بن عقیل کے پاس رہے باقی سب بھاگ گئے حتی کہ مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے اب وہ متحیر ہوئے کہ کیا کریں ایک عورت کے گھر میں آئے اس سے پینے کا پانی مانگا۔ اس نے پلایا اور اپنے گھر میں انہیں ٹھہرا لیا۔ اس بڑھیا کا بیٹا محمد بن اشعث کا دوست تھا اس نے جا کر اشعث سے کہہ دیا اس نے عبید اللہ بن زیاد کو اطلاع دے دی۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمرو بن حریث کو توال شہر اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ انہوں نے آ کر اس بڑھیا کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن مسلم تلوار سونت کر لڑائی کے لئے نکلے۔ محمد بن اشعث نے انہیں امان دے دی اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس گرفتار کر کے لے آئے۔ عبید اللہ بن زیاد نے انہیں قتل کر دیا اور ہانی (جس نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی تھی) کو سولی پر چڑھا دیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے دونوں بیٹے (محمد اور

ابراہیم) بھی قتل کر دیئے اور اسی تاریخ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکنا

آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو جب اس ارادہ کا علم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوئے یہ سب لوگ کوفہ والوں کی بے وفائی اور غداری سے واقف تھے اور بنی اُمیہ کے خاندان کے مظالم سے بھی آگاہ تھے سب نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لوگ یہ سن کر بہت پریشان ہیں کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیا واقعی آپ کا پختہ ارادہ ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ واقعی عنقریب روانہ ہونے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے پہلے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے۔ دشمن کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے اور ملک پر اپنا تسلط جما لیا ہے اب آپ کو نظامِ حکومت کے درست کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر بیشک آپ تشریف لے جائیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کا آپ کو بلانا جنگ کے لئے بلانا ہے مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں اور جب آپ کے دشمن ان کو طاقتور دیکھیں گے تو پھر اس کے طرفدار ہو کر آپ سے لڑائی کریں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان باتوں سے متاثر نہیں ہوئے اور روانگی کے ارادہ پر قائم رہے۔

دوبارہ روکنا

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ بالکل تیار ہو گئے پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور بمنت وسماجت سے کہا کہ مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا اس سفر میں آپ کی ہلاکت و بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراقی لوگ بڑے دغاباز ہیں ان کے قریب بھی نہ جایئے اور یہیں مکہ معظمہ میں قیام کیجئے عراق والے اگر آپ کو بلانا بھی چاہتے ہیں تو انہیں کہئے کہ پہلے دشمن کو اپنے علاقہ سے نکال دیجئے۔ پھر مجھے بلایئے۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو پھر یمن چلے جایئے وہاں کے لوگ آپ کے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے خیر خواہ ہیں، وہاں آپ ان دشمنوں کی گرفت سے بھی باہر ہوں گے۔ وہاں خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ سے اپنی دعوت پھیلایئے گا آپ اس طرح پر یقیناً کامیاب ہوں گے امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو عراق کا ارادہ پختہ کر چکا ہوں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو پھر

عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر دیئے جائیں۔ جس طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔ اتنی باتیں پیش ہونے کے باوجود آپ اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی کا خط

آپؓ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ تھے مدینہ منورہ سے خط لکھا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادہ سے باز آجایئے۔ کیونکہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہلِ بیت کے لئے بربادی ہے اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا چراغ بجھ جائے گا۔ اس وقت آپ کا وجود ہی ہدایت کا نشان اور اربابِ ایمان کی اُمیدوں کا مرکز ہے سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں۔

حاکمِ مدینہ کا خط

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اس کے علاوہ مدینہ منورہ سے بھی خط لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ ہے ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس راستہ سے ہٹا دے۔ جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی طرف رہنمائی فرمادے جس میں سلامتی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں میں آپ کے لئے شقاق اور اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لئے امن وسلامتی، نیکی احسان اور حسنِ جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام۔

اس کے بعد آپؓ اپنے ارادہ پر پختہ رہے۔

فرزدق شاعر سے ملاقات

جب آپؓ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو ''صفاح'' نام مقام پر اہلِ بیت کا مشہور محبّ شاعر آپؓ سے ملا آپؓ نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے فرزدق نے جواب دیا ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ آپؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہمارا پروردگار ہر گھڑی کسی نہ کسی حکم فرمائی میں رہتا ہے اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی تعریف کریں گے اور

اگر اُمید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا۔

مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد

زرود نام ایک مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یزید کے گورنرِ کوفہ عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو اعلانیہ قتل کر دیا ہے کوفیوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بار بار انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ بعض ساتھیوں نے عرض کی اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور آپ کے اہلِ بیت کے حق میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں خدا کے لئے یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا ایک بھی طرفدار معلوم نہیں ہوتا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے۔ لیکن مسلم بن عقیل کے عزیزوں نے کہا واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے اور اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔ اس پر آپؓ نے ساتھیوں کو نظر اُٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا تیرے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

حر ابن یزید کی ملاقات

قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے اور کوفہ سے دو منزل پر جا پہنچے تو حر ابن یزید عبد اللہ بن زیاد کی طرف سے ایک ہزار ہتھیار بند فوج لے کر آملا اور ساتھ ہو لیا۔ اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عبید اللہ بن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کو اس کے پاس لے چلوں اور میں خدا کی قسم مجبور ہوں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خود کوفہ کی طرف نہیں آیا یہاں تک کہ مجھے کوفہ والوں کے بہت سے خط پہنچے ہیں اور میرے پاس ان کے بہت سے قاصد آئے اور تم کوفے کے رہنے والے ہو۔ اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو تو میں تمہارے شہر میں جاؤں گا ورنہ لوٹ کر چلا جاؤں گا اس پر حر نے کہا آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن سلام کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا اس پر حر نے کہا لیکن ہم وہ نہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔ پھر آپؓ نے روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپؓ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو حر نے جواب دیا میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں آپؓ نے جواب دیا واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔ اس نے کہا واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں

گا جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حر نے کہا کہ مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ بات زیادہ لمبی ہوتی گئی یہاں تک کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے راستہ سے ہٹ گئے۔

میدانِ کربلا میں قیام

اور میدانِ کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جا اُترے جب اس میدان میں اُترے تو اس کا نام دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ اس کا نام کربلا ہے۔ تب آپؓ نے فرمایا: ھذا موضع کرب وبلاء یعنی یہ تکلیف اور ہلاکت کی جگہ ہے یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا میں اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس آزمائش میں نہ آئے اور معاملہ رفع ہو جائے اس نے آتے ہی امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے ہیں آپؓ نے وہی جواب دیا جو حر ابن یزید کو دے چکے تھے۔ یعنی تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا اب اگر وہ ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کو تیار ہوں۔

عبید اللہ بن زیاد کا بیعت کے لئے اصرار

عمر بن سعد کو امام ممدوح کے اس جواب سے خوشی ہوئی اور اُمید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ اس نے فوراً عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ عبید اللہ بن زیاد نے جواب دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ سے کہو کہ پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی بیعت کریں پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس وہ خط آیا آپؓ نے اسے پڑھا اور پھینک دیا اور قاصد سے فرمایا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ قاصد لوٹ کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس گیا۔ اس جواب سے اس کا غصہ اور بھڑکا اس نے لوگوں کو جمع کیا اور فوجیں تیار کیں اور ان کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا۔ جودی کا حاکم تھا اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لڑنے سے پہلو تہی کی تب عبید اللہ بن زیاد نے اس سے کہا یا تو لڑنے کو آ جا یا میری حکومت سے دستبردار ہو جا اور اپنے

گھر جا بیٹھ۔ عمر بن سعد نے میری کی حکومت کو ترجیح دی اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لئے فوجوں سمیت چل نکلا۔ عبید اللہ بن زیاد ایک سردار کی معیت میں تھوڑا تھوڑا لشکر جمع کر کے بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمر بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے اور دریائے فرات کے کنارے پر جا اُترے اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور پانی کے درمیان رُکاوٹ کر دی۔

عمر بن سعد کے لشکر میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے خطابت کی تھی اور ان سے مسلم بن عقیل کے ذریعہ سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ان سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے لشکر کے گرد ایک خندق کھودیں اور ایک ہی دروازہ اس خندق کو رکھا تا کہ اس دروازے سے نکل کر لڑ سکیں۔

نمازِ عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب لشکر قریب پہنچا تو انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو نرغے میں لے لیا اور لڑائی شروع کر دی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ایک ایک کر کے قتل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے تقریباً پچاس آدمی قتل ہو گئے اس وقت امام حسین رضی اللہ عنہ نے چیخ کر فرمایا آیا کوئی خدا واسطے فریاد رس ہے آیا کوئی رسول اللہ کے حرم کو بچانے والا ہے یہ سن کر حر بن یزید۔ اپنے گھوڑے پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف آیا اور آ کر کہا اے رسول اللہ کے بیٹے! سب سے پہلے میں ہی تیرے ساتھ لڑنے کے لئے آیا تھا اور اب میں ہی تیری جماعت میں آ گیا ہوں تا کہ میں تیری ہی مدد میں قتل کیا جاؤں۔ شاید کہ کل کو تیرے نانا کی شفاعت نصیب ہو اس کے بعد اس نے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ شہید نہیں کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھائی، بیٹا اور غلام بھی شہید ہو گئے پھر اس قدر سخت لڑائی ہوئی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے سارے ساتھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد امام موصوف ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر تنہا مقابلے کے لئے میدان میں آئے اور دشمنوں سے لڑتے رہے اور جو شخص بھی آپ کی طرف آیا اسے قتل کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا اور آپ کو ان زخموں اور تیروں نے چور چور کر ڈالا جو ہر طرف سے آ رہے تھے۔ اس وقت شمر ذی الجوشن اپنی فوج سمیت آگے بڑھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا: اے شیطان کی جماعت میں تم سے لڑتا ہوں تم مستورات کو کیوں چھیڑتے ہو کیونکہ وہ تو تم سے نہیں لڑ رہیں۔ تب شمر نے اپنی فوج سے کہا عورتوں سے باز آ جاؤ اور

اسی شخص کا مقابلہ کرو پھر سب نے امام حسین رضی اللہ عنہ پر تیروں اور نیزوں سے حملہ کر دیا یہاں تک کہ امام حسین رضی اللہ عنہ زمین پر شہید ہو کر گرے اور نصر ابن خرشہ آپ کا سر کاٹنے لگا۔ اس سے نہیں کاٹا گیا تو خولی بن یزید گھوڑے سے اُترا اور اس نے آپ کا سر مبارک کاٹ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کم بختو! اس کے متعلق اب کیا انتظار کرتے ہو حالانکہ اسے زخموں نے چور کر دیا ہے اس کے اتنے کہنے پر امام حسین رضی اللہ عنہ پر تیر اور نیزے برسنے لگے یہاں تک کہ ایک بد بخت کا تیر آپ کے گلے سے پار ہو گیا اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور اسی حالت میں شمر نے آپؓ کے چہرے مبارک پر تلوار ماری منان بن انس رضی اللہ عنہ نے نیزہ مارا اور خولی بن یزید آپ کا سر کاٹنے لگا تو اسکے ہاتھ کانپ گئے۔ پھر اس کے بھائی شبل بن یزید نے اُتر کر ان کا سر کاٹا۔ پھر یہ لوگ اہلِ بیت کے خیمے میں گئے وہاں سے بارہ لڑکے بنی ہاشم کے قید کئے اور جتنی عورتیں تھیں ان کو بھی قید کر لیا۔ عمر بن سعد اور شمر نے لوگوں کو حکم دیا اور ان سنگدلوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی لاش کو گھوڑوں کے سموں تلے لتاڑا اور آپؓ کے سر مبارک کو بشیر ابن مالک اور خولی بن یزید کی معیت میں عبید اللہ بن زیاد کی طرف بھیج دیا۔

واقعۂ شہادت کا اثر فضائے آسمانی پر

عام مؤرخین ابنِ اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک فضا کی یہ کیفیت رہی کہ جب آفتاب طلوع ہوتا اور دھوپ در و دیوار پر پڑتی تو سُرخ ہوتی تھی۔ جیسے دیواروں کو خون لپیٹ دیا گیا ہو۔

شہادت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا

بیہقی نے دلائل میں بسندِ روایت لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے اور آپ ﷺ پراگندہ بال پریشان حال آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا: حسین کا خون ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی کہ حسین شہید ہو گئے۔ اس خواب سے چند روز کے بعد حضرت حسین کی شہادت کی اطلاع پہنچی اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا۔

اور ترمذی نے سلمٰی سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک روز امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو

دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ آپ ﷺ کے سر مبارک اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ میں ابھی حسین کے قتل پر موجود تھا۔

ابونعیم نے دلائل میں حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر میں نے جنات کو روتے دیکھا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض حالات وفضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان کو مدینہ طیبہ میں رونقِ افروز عالم ہوئے اور ۱۰ محرم ۶۱ ہجری میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی یعنی کھجور چبا کر اس کا رس ان کے منہ میں ڈالا اور کان میں اذان دی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور حسین نام رکھا، ساتویں روز عقیقہ کیا۔ بچپن ہی سے شجاع و دلیر تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:

''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے یا اللہ! جو حسین کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ۔

ابنِ حبان، ابنِ سعد، ابویعلیٰ، ابنِ عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

من سره ان ينظر الى رجل من أهل الجنة و فى لفظ سيدى شباب اهل الجنة فلينظر الى حسين بن علي.

جو چاہے کہ اہلِ جنت میں سے کسی کو دیکھے یا یہ فرمایا کہ نوجوان اہلِ جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو دیکھ لے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے فرمایا: وہ شوخ لڑکا کہاں ہے؟ یعنی حسین۔ حسین رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ ﷺ کی گود میں گر پڑے۔ اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں انگلیاں ڈالنے لگے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا: یا اللہ! میں حسین سے محبت کرتا ہوں آپ بھی اس سے محبت کریں اور اس شخص سے بھی جو حسین سے محبت کرے۔

ایک روز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سامنے سے آرہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اس زمانہ میں اہلِ آسمان کے نزدیک سارے اہلِ زمین سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور لوگوں کی امداد میں اپنی جان و مال پیش کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کسی کی حاجت پوری کرنا میں اپنے ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زریں نصیحت

فرمایا کہ لوگ اپنی حاجات تمہارے پاس لائیں تو ان سے ملول نہ ہو کیونکہ ان کے حوائج تمہاری طرف یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اگر تم ان سے ملول و پریشان ہو گئے تو یہ نعمت مبدل بقہر ہو جائے گا۔ (یعنی تمہیں لوگوں کا محتاج کر دیا جائے گا کہ تم ان کے دروازوں پر جاؤ)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک روز حرم مکہ میں حجرِ اسود کو پکڑے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے:

''یا اللہ! آپ نے مجھ پر انعام فرمایا مجھے شکر گزار نہ پایا میری آزمائش کی تو مجھے صابر نہ پایا اگر اس پر بھی آپ نے نہ اپنی نعمت مجھ سے سلب کی اور نہ مصیبت کو مجھ پر قائم رہنے دیا۔ یا اللہ کریم سے تو کرم ہی ہوا کرتا ہے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک رہے اور ان کی صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ وہ امارت چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ مدینہ میں آ گئے اور جب تک بیعتِ یزید کا فتنہ شروع نہیں ہوا مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں آپؓ کے اہلِ بیت کے تینتیس حضرات شہید ہوئے۔ (اسعاف الراغبین)

قاتلانِ حسین کا عبرتناک انجام

چندیں اماں نداد کہ شب را سحر کند

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانی پینا چاہتے تھے کہ کم بخت حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپؓ کے دہن مبارک پر لگا اس وقت آپؓ کی زبان سے بے ساختہ بد دعا نکلی کہ:

''یا اللہ! رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے میں اس کا شکوہ آپ ہی سے کرتا ہوں یا اللہ! ان کو چن چن کر قتل کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے۔ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔''

اول تو ایسے مظلوم کی بددعا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اس کی قبولیت میں کیا شبہ تھا دعا قبول ہوئی اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بری طرح مارے گئے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتلِ حسین میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو۔ کوئی قتل کیا گیا۔ کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا۔ یا چند ہی روز میں ملک سلطنت چھن گئے اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی اصلی سزا نہیں۔ بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں دکھا دیا گیا ہے۔

قاتلِ حسینؓ اندھا ہو گیا

ابنِ جوزیؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا وہ دفعتاً نابینا ہو گیا تو لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے اور اس پر قاتلانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی صبح اُٹھا تو اندھا تھا۔ (اسعاف)

منہ کالا ہو گیا

نیز ابنوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکا دیا تھا اس کے بعد اسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تارکول کی طرح ہو گیا ہے لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے تمہیں کیا ہوا۔ اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔

آگ میں جل گیا

نیز ابنِ جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ مجلس میں یہ

ذکر چلا کہ حسین کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزامل گئی۔ اس شخص نے کہا بالکل غلط ہے میں خود ان کے قتل میں شریک تھا میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اُٹھ کر گھر گیا جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کردی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی پانی کتنا ہی پیا جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکتِ یزید

شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا۔ تمام اسلامی ممالک میں خونِ شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلانِ حسینؓ کی عبرتناک ہلاکت

قاتلانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی آفاتِ ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی واقعہ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہوگئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اس نے اعلان عام کردیا کہ قاتلانِ حسین کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے۔ اور قاتلانِ حسین کی تفتیش وتلاش پر پوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ ایک روز میں دوسو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے وہ قتلِ حسین میں شریک تھے اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاشی وگرفتاری شروع ہوگئی۔

عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا۔ پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ ذبح کر دیا گیا۔

شمر ذی الجوشن جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسید جہنی ، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کرلیا گیا انہوں نے رحم کی درخواست کی مختار نے کہا ظالمو! تم نے سبط رسول پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے سب کو قتل کیا گیا اور مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اُٹھائی تھی اس کے دونوں ہاتھ پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیل کے قتل میں اعانت کی تھی ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمر بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر لشکر کی کمان کر رہا تھا اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا۔ اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے اس نے کہا ہاں اور اس کے بعد مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں۔ اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور مختار نے کہا عمر بن سعد کا قتل تو حسین کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسین کے بدلہ میں اور حقیقت یہ ہے کہ ابھی بھی برابری نہیں ہوئی۔ اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا تھا اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا گیا اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رفاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے تیر مارا۔ اس نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی پر بندھ گیا۔ اول اس پر تیر اور پتھر برسائے گئے پھر زندہ جلا دیا گیا۔

سلام بن انس جس نے سر مبارک رکھنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا۔ اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔ قاتلانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ عبرت ناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے: ''كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ''۔

عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے۔ کاش! وہ سمجھ لیتے۔

مرقع عبرت

عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصرِ امارت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا۔ پھر اسی قصر میں عبداللہ بن

زیاد کا سر کٹا ہوا مختار کے سامنے دیکھا پھر اس قصر (محل) میں مختار کا سر کٹا ہوا مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا۔ میں نے یہ واقعہ عبدالملک سے ذکر کیا تو اس قصر کو منحوس سمجھ کر یہاں سے منتقل ہوگیا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شاید اس فتنے کا علم ہوگیا تھا۔ وہ آخر عمر میں یہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں ساٹھویں سال اور نوعمروں کی امارت سے۔ ہجرت کر کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نتائج وعبرتیں

واقعۂ شہادت کی تفصیل آپ نے سنی۔ اس میں ظلم وجور کے طوفان دیکھے۔ ظالموں اور ناخدا ترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار نظر آیا۔ دیکھنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ظلم وجور اور فسق اور فجور ہی کامیاب ہے۔ مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ سب طلسم تھا۔ جو آنکھ جھپکنے میں ختم ہوگیا اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ظلم وجور کو فلاح نہیں۔ ظالم، مظلوم سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پنداشت ستم گر کہ ستم بر ما کرد بر گردن دے بماند وبر ما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا۔ وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ گھر گھر میں ان کا ذکرِ خیر ہے۔ اور صدیاں گذر گئیں۔ کروڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کو پیغامِ حیات سمجھتے ہیں۔ ان العاقبة للمتقين۔

ایک محسوس حقیقت ہو کر سامنے آگئی کہ حق وباطل کے معرکہ میں آخری فتح وکامیابی حق کی ہوا کرتی ہے۔

اس میں عام لوگوں کے لئے اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو حکومت واقتدار کے نشہ میں مست ہو کر ظلم وعدل سے قطعِ نظر کرلیں۔ بڑی نشانیاں ہیں۔ فاعتبروا یا أولی الابصار۔

معرکہ حق وباطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے۔ اہلِ حق شکست کھا جائیں تو یہ بات نہ حق کے حق ہونے کے خلاف ہے۔ نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی۔ دیکھنا انجام کار کا ہے کہ آخر میں حق پھر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

اسوۂ حسینی

اس کلام کا اعادہ کرتا ہوں کہ جب اہلِ بیت اطہار جزو ایمان ہیں۔ ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور درد

انگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج وغم اور درد پیدا نہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں۔ لیکن ان کی سچی اور حقیقی محبت وعظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر یہ نہیں کہ سارے سال خوش وخرم پھریں کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور صرف عشرہ محرم میں واقعہ شہادت سنکر رولیں۔ یا ماتم برپا کرلیں یا بغیر یہ داری کا کھیل تماشہ بنائیں۔ سارے سال گرمی کی شدت کے زمانہ میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے۔ اور محرم کی پہلی تاریخ کو اگرچہ سردی پڑ رہی ہو۔ کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ ہو۔ شہدائے کربلا کے نام کی سبیل کا ڈھونگ بنایا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصدِ عظیم کے لئے انہوں نے یہ قربانی پیش کی۔ ان کے اخلاق واعمال کی پیروی کو سعادت دنیا وآخرت سمجھیں۔ وہ مقصد اگر آپ نے اس رسالہ اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور خطبات کو بغور پڑھا ہے۔ تو اس کے متعین کرنے میں آپ کو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ملے گی۔ میں یاددہانی کے لئے پھر آپ کے کچھ کلمات کا اعادہ کرتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وہ خط جو اہلِ بصرہ کے نام لکھا تھا۔ جس کے چند جملے یہ ہیں ملاحظہ فرمایئے:

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے۔ اور بدعات پھیلائی جارہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرو اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے کوشش کرو۔'' (کامل ابنِ اثیر ص ۹ ج ۴)

فرزدق شاعر کے جواب میں جو کلمات کوفہ کے راستہ میں آپؓ نے ارشاد فرمائے۔ اس کے چند جملے رسالہ حذا میں موجود ہیں۔

اگر تقدیرِ الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے اور ہم شکر ادا کرنے میں بھی اس کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ کہ ادائے شکر کی توفیق دی اور اگر تقدیرِ الٰہی مراد میں حائل ہوگئی تو اس شخص کا کوئی قصور نہیں۔ جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ (ابن اثیر)

میدانِ جنگ کے خطبہ کے یہ الفاظ ذرا غور سے پڑھئے۔ جس میں ظلم وجور کے مقابلہ کے لئے محض اللہ کے لئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ صفحہ ۴۶ پر میدانِ جنگ کا تیسرا خطبہ اور اس کے بعد کے حر بن یزید کے جواب میں ایک صحابی کے اشعار مکرر غور سے پڑھئے۔ جس کے چند جملے یہ ہیں:

''موت میں کسی جواب کیلئے عار نہیں۔ جبکہ اس کی نیت خیر اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔''

عین میدانِ کارزار میں صاحبزادہ علی اکبرؓ کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر یہ کہنا کہ ''ابا جان کیا ہم حق پر نہیں؟ آپؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کی طرف سب بندگانِ خدا کا رجوع ہے، بلاشبہ ہم حق پر ہیں۔'' اس کو مکرر پڑھئے۔

اہلِ بیت کے سامنے آپ کے آخر ارشادات کے یہ جملے سنئے

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ یا اللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافتِ نبوت سے نوازا اور ہمیں کان آنکھ اور دل دیئے جس سے ہم آپ کی آیات سمجھے۔ اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرما لیجئے۔

ان خطبات اور کلمات کو سننے پڑھنے کے بعد بھی کیا کسی مسلمان کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جہاد اور حیرت انگیز قربانی اپنی حکومت واقتدار کے لئے تھے۔ بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس مقدس ہستی کی عظیم الشان قربانی کو ان کی تصریحات کے خلاف بعض دنیوی عزت واقتدار کی خاطر قرار دیتے ہیں۔ حقیقت وہی ہے جو شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سارا جہاد صرف اس لئے تھا کہ:

☆ کتاب وسنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دیں۔
☆ اسلام کے نظامِ عدل کو از سرِ نو قائم کریں۔
☆ اسلام میں خلافت نبوت کی بجائے ملوکیت وآمریت کی بدعت کا مقابلہ کریں۔
☆ حق کے مقابلہ میں نہ زور زور کی نمائش سے مرعوب ہوں اور نہ جان ومال اور اولاد کا خوف اس راستہ میں حائل ہو۔

ہر خوف وہراس اور مصیبت ومشقت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں۔

اور اسی میں توکل واعتماد ہو۔ اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اس کے شکر گزار بندے ثابت ہوں۔

کوئی ہے جو جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کربلا شہید جور وجفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقشِ قدم پر انجام دینے کیلئے تیار ہو۔ ان کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے۔

یا اللہ! ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہلِ بیت اطہار کی محبتِ کاملہ اور اتباعِ کامل نصیب فرمائے۔ (شہید کربلا)

واقعہ کربلا کا رنج والم

ہر کلمہ گو خواہ وہ شیعہ ہو اس وحشت ناک اور دردانگیز واقعہ سے بے انتہا رنج والم ہے۔ کوئی نہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت سے مغموم نہ ہو اور اس کا دل ان مظالم کو سن کر مضطرب اور پریشان نہ ہو تقریباً تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک دردانگیز مصیبت خیز پریشان کن دل ہلا دینے والے واقعہ کو بھول نہیں پائے۔ شیعہ صاحبان کے علاوہ سنیوں کی کتابیں بھی اس خونی واقعہ کی یاد تازہ اپنے سینوں میں رکھتی ہیں اور ہر پڑھنے والے کے دل کو غم کدہ بنا دیتی ہیں۔

بدعات کی تردید

محرم اور عاشوراء کے دن ناجائز کام

ماہِ محرم کو بعض لوگ منحوس مہینہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اُوپر گزرا ہے کہ یہ مبارک مہینہ ہے، بڑے بڑے عظیم واقعات اس ماہ میں پیش آئے ہیں، کئی لوگ اس مہینہ میں خصوصاً عاشوراء کے دن ماتم کرتے ہیں اور غم کا اظہار کرتے ہیں، یہ گناہ ہے۔ اسلام ہمیں صبر واستقامت کی تعلیم دیتا ہے۔ زور زور سے رونا پیٹنا، سینہ کوبی کرنا کپڑے پھاڑنا اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ کسی کے مرنے سے تین دن بعد غم کا اظہار نہ کرو اور نہ سوگ مناؤ، صرف عورت کے لئے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن تک سوگ منانا ضروری ہے۔ شوہر کے علاوہ کسی اور کا خواہ باپ ہو یا بھائی ہو یا بیٹا ہو، تین دن کے بعد سوگ منانا جائز نہیں، صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کی وفات کی خبر پہنچی تو تین دن کے بعد خوشبو منگائی اور چہرے کو لگائی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی (کیونکہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور خاوند یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی) لیکن میں نے باپ کا سوگ ختم کرنے کے لئے خوشبو لگائی، کیونکہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان عورت کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، بعض لوگ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سوگ مناتے ہیں، محرم میں اچھے کپڑے نہیں پہنتے، بیوی کے قریب

نہیں جاتے، چارپائیوں کو اُلٹا کر دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ، حالانکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو تقریباً چودہ سو سال ہو چکے ہیں، یہ سب ناواقفیت کی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت پر رکھیں۔

محرم میں ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، ایصالِ ثواب کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کارِ خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کو دے دے، یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین اپنی ہر حاجت پوری کر سکے گا اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں، تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ صورت دکھلاوے سے پاک ہے۔ حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت عرش کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے، جبکہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا اور گرمی کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے۔ فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجے پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے یعنی اس کی ضرورت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے یہ ایصالِ ثواب کی صحیح صورتیں ہیں۔

نیازِ حسین کی حلیم وغیرہ کھانا

سوال: آج کل جو سنی حضرات ان شیعوں کی تقلید میں حلیم وغیرہ، شربت اور کھانا بطورِ نیازِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بانٹتے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ حلیم بنانا چاہے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور اسی طرح ان کا لینا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح بطورِ ہدیہ یہ گھر پر آئے تو کھائیں یا نہیں؟ اگر کھانا مناسب نہیں ہو تو پھر اس کو پھینکیں یا کس طرح استعمال کریں؟

جواب: واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ میں کفار و فساق کے ساتھ کسی بھی امر میں مشابہت اختیار کرنا سخت گناہ اور ناجائز ہے۔

قرآن کریم میں ہے: ''وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ''

ترجمہ: ''دیکھو ظالموں کی طرف جھکنا (بھی) نہیں ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی''

حدیث شریف میں ہے: ''من تشبه بقوم فهو منهم'' (ابوداؤد، اللباس،)

ترجمہ: ’’جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ (قیامت میں) انہی کے ساتھ ہوگا‘‘

(۲) یہ بھی واضح رہے کہ مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ وخیرات سال کے بارہ مہینے جائز بلکہ اجر وثواب کا باعث ہے لیکن صدقہ وخیرات کو کسی خاص دن کے ساتھ خاص کرلینا، یا ایصالِ ثواب کے لئے کسی خاص عمل کو متعین کردینا بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ’’من أحدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد‘‘ (ابن حبان، المقدمة، باب الاعتصام، ج: ۱، ص: ۱۲۶)

ترجمہ: ’’جس نے ہمارے دین میں اپنی طرف سے زیادتی کی وہ مردود ہے‘‘

الاعتصام میں ہے: ’’ومنھا وضع الحدود والتزام الکیفیات والھیئات المعینة والتزام المعینة فی اوقات معینة لم یوجد لھا ذلك التعین فی الشریعة‘‘ (الاعتصام، الباب الاول، ج: ۱، ص: ۱۳۹)

(۳) کسی بھی قسم کا عمل مردہ بزرگوں کے واسطے اگر اس نیت سے کیا جائے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں گے اور ہمارا کام کردیں گے تو ایسا اعتقاد رکھنا شرک ہے، وہ عمل اگر کھانا کھلانے کی صورت میں ہو تو ایسا کھانا / نذر وغیرہ کا کھلانا اور کھانا غیر اللہ کے لئے ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

البتہ اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ نیاز تو صرف خالص اللہ کی رضا کے لئے ہو اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا مقصود ہو تو جائز وحلال ہے تاہم جائز ہونے کی صورت میں بھی اس عمل کے لئے کسی خاص دن کی تخصیص بدعت بن جائے گی۔

قرآن کریم میں ہے: ’’اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ‘‘ (البقرة: ۱۷۳)

ترجمہ: ’’تم پر مردہ (بہتا ہوا) خون، سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے‘‘

حدیث میں ہے: ’’لا نذر الا فیما یبتغی به وجه الله تعالیٰ‘‘ (ابو داؤد، الأیمان، باب الیمین فی قطیعة)

ترجمہ: ’’نذر منعقد نہ ہوگی مگر ایسی چیز کی جس میں اللہ ہی کی رضا مقصود ہو‘‘

ردالمحتار میں ہے:"واعلم ان النذر الذی یقع للأموات من اکثر العوام، وما یؤخذ من الدراھم والشمع ولازیت ونحوھا الی ضرائع الأولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام"

حاشیہ الطحطاوی میں ہے:"للأجماع علی حرمة النذر للمخلوق، ولا ینعقد ولا تشتغل به الذمة وانه حرام بل سحت" (حاشیه الطحطاوی المراقی الفلاح، الصوم، باب یلزم لوفاء به من منذور الصوم، ج: ۲، ص: ٤٣٩)

ھندیہ میں ہے:"والنذر الذی یقع من اکثر العوام بأن یأتی الی قبر بعض الصلحاء ویرفع ستره قائلا: یاسیدی فلان! ان قضیت حاجتی فلك منی من الذھب مثلاً کذا، باطل اجماعاً" (ھندیه، الصوم، المتفرقات، ج: ۱، ص: ٢١٦)

مذکورہ تفصیل کے پیشِ نظر صورتِ مسئولہ میں کسی مسلمان کا خاص محرم الحرام میں حلیم یا شربت کا بانٹنا بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ پہلی وجہ تو یہی ہے کہ اس کے لئے خاص مہینہ (محرم الحرام) کی تخصیص پائی جاتی ہے، دوسری وجہ یہ کہ روافض کے ساتھ مشابہت ہے، اور دونوں ہی ناجائز ہیں۔

البتہ اگر پکانے، بانٹنے والے کا عقیدہ ہی فاسد ہو (جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا) تب ایسی نذرونیاز کا کھانا بھی حرام ہوگا، اس لئے کہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے کسی بھی قسم کا عمل ناجائز ہے۔ اگر اس قسم کا کھانا آجائے تو خود نہ کھائیں کسی غریب مسکین کو دیدیں۔

البحر الرائق میں ہے:" للاجماع علی حرامة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل به الذمة ولأنه حرام بل سحت، ولا یجوز لخادم الشیخ أخذه ولااکله ولا التصرف فیه بوجه من الوجوه الا أن یکون فقیرا وله عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مجطرون فیأخذونه علی سبیل الصدقة المبتداه، فأخذه ایضاًمکروه، مالم یقصد به الناذر التقرب الی اللّٰه تعالیٰ" (البحر الرائق، ج: ۲، ص: ۲۹۸، سعید)

دسویں محرم کی چھٹی

کئی لوگ دس محرم کو چھٹی کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سوگ سمجھتے ہیں حالانکہ تین دن کے بعد سوگ منانا جائز نہیں ہے اور شریعتِ مطہرہ نے کسی دن بھی کام کاج کرنے سے منع نہیں کیا، نمازِ جمعہ اور نمازِ عید کے بعد اپنا کاروبار کرسکتا ہے۔

قبروں کی لیپا پوتی

قبروں کی لیپا پوتی جائز ہے، لیکن اس کام کے لئے صرف ماہِ محرم کو مقرر کرنا درست نہیں۔ جب بھی موقع ہو لیپا پوتی کراسکتا ہے۔قبروں کی زیارت ثواب ہے، کیونکہ ان کے دیکھنے سے موت یاد آتی ہے، مگر اس کام کے لئے لوگ دس محرم کو مقرر کرتے ہیں، سال میں صرف اسی دن قبرستان میں جاتے ہیں، آگے پیچھے کبھی بھول کر بھی نہیں جاتے، یہ صحیح نہیں۔

کچھ لوگ عاشوراء کے دن قبروں پر سبز چھڑیاں رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مردے کا عذاب ٹل جاتا ہے اس عمل کے التزام میں بہت خرابیاں ہیں مثلاً غیرِ لازم کو لازم سمجھا جاتا ہے بعض لوگ عذاب ٹل جانے کو لازمی خیال کرتے ہیں اور یہ صحیح نہیں۔

دس محرم کی مجلسِ شہادت

سوال: یومِ عاشورہ کو یومِ شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گمان کرنا واحکامِ ماتم ونوحہ گریہ وزاری وبے قراری کو برپا کرنا اور گھر گھر مجالسِ شہادت منعقد کرنا اور واعظین کو بھی بالخصوص ان ایام میں شہادت نامہ یا وفات نامہ بیان کرنا خاص کر روایاتِ خلافِ وضعیفہ سے اور سامعین کو بھی ان اُمور میں ہر سال کوشش ہوتی کہ اس کے مثل وعظ میں نہیں ہوتی، اور خاص ایامِ مذکورہ ہی میں ایصالِ ثواب اور صدقات کرنا اور تعیینِ آب وطعام بھی مثل شربت ہے یا کھچڑا ہے اور ہر غنی اور فقیر کو اس کا لینا اور تبرک جاننا اور جو غنی یا سید اس کو نہ لے تو مطعون کریں اور برا جانیں اور فی الجملہ ریا کو اس میں بہت دخل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اُمیدِ ثواب ہوسکتی ہے یا نہیں اور یہ کل اُمور بدعات ومعصیت ہیں یا نہیں؟

جواب: ذکرِ شہادت کا ایامِ عشرۂ محرم میں کرنا بمشابہتِ روافض کے منع ہے اور ماتم نوحہ کرنا حرام ہے۔ فی الحدیث نھی عن المراثی الحدیث (حدیث میں ہے کہ آپ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔) اور خلافِ روایات بیان کرنا سب ابواب میں حرام ہیں۔ تقسیمِ صدقات یہ تخصیص ان ایام میں کرنا اگر یہ جانتا ہے تو بدعتِ ضلالہ ہے لہٰذا کسی دن کے ساتھ طعام کی تخصیص کرنا لغو ہے اور صدقہ کا طعام غنی کو مکروہ اور سید کو حرام ہے اس پر طعن کرنا فسق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایامِ محرم میں کتبِ شہادت کا پڑھنا

سوال: کتاب ترجمہ سر الشہادتین یا دیگر کتبِ شہادت خاص شہادت کی رات کو پڑھنا کیسا

ہے بحسب خواہش نماز یا مسجد یا کسی مکان پر؟

جواب: ایامِ محرم میں سر الشہادتین کا پڑھنا منع ہے، روافض کی مجالس کیساتھ مشابہت کیوجہ سے۔

محرم میں سبیل لگانا دودھ کا شربت پلانا

سوال: محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایتِ صحیحہ یا بعض ضعیفہ بھی و نیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: محرم میں ذکرِ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کرنا اگرچہ بروایاتِ صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب ناجائز اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

منکراتِ محرم

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی الم ناک ہے، مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے، عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جما دی گئی ہے کہ دنیا میں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ جیسا اور کوئی سانحہ فاجعہ واقع نہیں ہوا، حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار المناک واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھئے مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلمِ عظیم پر اس قدر صبر و استقامت کے ساتھ جان دے دیتے ہیں کیا اس کی نظیر کہیں دنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اس قدر بے خبر ہیں کہ گویا یہ فرش و عرش کو لرزا دینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا، کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے ہوئے، کسی کان کا اس طرف التفات، کسی قلم کو یہ جان فگار حادثہ لکھتے ہوئے اور اوراقِ تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے کسی نگاہ کی توجہ اس مظلومیت پر کسی دل میں احساسِ درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشک بار دیکھا ہے اس سے بھی بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارکہ کا لہولہان ہونا، دانت مبارک کا شہید ہونا، چہرۂ انور کا زخمی ہونا اور اس سے نہ رُکنے والا خون جاری ہونا، انگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا شہید ہونا ہے دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر نہیں، مگر یہاں تو زبان، کان، قلم، نگاہ، دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں نہ کسی دوسرے صحابی کی شہادت کسی شمار میں نہ کسی نبی کی غور کیجئے کہ یہ شیعت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے؟

''امام'' کا لفظ اہلِ حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی۔ اہلِ حق کے ہاں اس کے معنی پیشوا، رہبر اور مقتداء کے ہیں اور اہلِ تشیع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کو استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنی ملحوظ رکھتے ہیں جو اہلِ حق کے ہاں ہیں۔ اس اعتبار سے تمام صحابہ، تابعین، اولیاء اللہ اور علماء امام ہیں۔ اس لئے امام ابوبکر، امام عمر، امام عثمان، امام علی، امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کہنا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

النجوم امنة للسماء و أصحابي امنة لأمتي ۔ (میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں سب کے سب امام ہیں، جس کی چاہو اقتداء کرلو، ہر ستارے میں روشنی ہے جس سے چاہو روشنی حاصل کرلو۔) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو امام بتایا اس معنی سے سارے صحابہ اور سب تابعین اور تمام علماءِ کرام بھی امام ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ لوگ امام ابوبکر نہیں کہتے امام عمر نہیں کہتے امام حسن اور امام حسین کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ اثر مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے یہ اہلِ تشیع کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے اگر اہلِ حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہہ دیا ہے تو انہوں نے اس کے صحیح معنی میں امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی اہل تشیع کا اثر ہے۔

علیہ السلام کا اطلاق

ایسے ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انہیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ جس طرح دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہئے جس طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر و دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں، ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی لکھے اور کہے جائیں۔

مسلمانوں کے ناموں میں اہلِ تشیع کا اثر

مسلمانوں کے ناموں میں بھی اہلِ تشیع کا اثر پایا جاتا ہے، مثلاً اصل نام کے ساتھ جس

طرح محض تبرک کے لئے محمد اور احمد ملانے کا دستور ہے اسی طرح علی، حسن، حسین ملایا جاتا ہے۔ صدیق، فاروق، عثمان اور کسی صحابی کا نام بطورِ تبرک اصل نام کے ساتھ ملانے کا دستور نہیں۔ نسبتِ غلامی بھی علی، حسن، حسین کی طرف تو کی جاتی ہے مگر اور کسی صحابی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ و دیگر ازواجِ مطہرات اور صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن کی کنیز کہیں سنائی نہیں دیتی۔ اس سے بڑھ کر الطاف حسین، فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی مسلمانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

شہادت کے قصے سننا اور سنانا

اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلسیں اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصے سنے اور سنائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہلِ باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے۔ چنانچہ جب دس محرم کے روزے کے بارے میں بارگاہِ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس میں یہود روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملالو، نویں یا گیارہویں، عبادت میں بھی مشابہت کی اجازت نہ دی۔

ان مجالس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ شہادت کے قصے سن کر صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں میں بزدلی کا پیدا ہونا اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے، اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ قربانی میں یہ حکم ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں ورنہ ذبح کے وقت موجود رہیں اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور قوتِ قلب پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ سے بکرے کو ذبح ہوتا نہ دیکھ سکے وہ دشمن کو کب قتل کر سکے گا؟

اسلامی سال کی ابتداء کہاں سے ہو؟

سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔ اس میں بھی یہی حکمت تھی کہ ہجرت کو سن کر مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہوگی اور دین کی خاطر محنت ومشقت برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اس کے برعکس میلاد سے ابتداء کرنے میں لہو ولعب میں اشتغال اور غفلت کا خطرہ تھا اور وفات سے شروع کرنے میں غم، صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی جنگِ بدر میں کفار کے ستر رئیس مارے گئے مگر مکہ میں جا کر دوسرے سرداروں نے اعلان کیا کہ خبردار! کوئی نہ روئے اور ماتم نہ کرے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا یہ حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ بزدلی نہ پیدا ہو۔

نیز یہ رونے رُلانے کے قصے جوان مہینوں میں سنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لئے ان کا سننا تو ویسے بھی ناجائز ہے۔ تاریخ پر اہلِ تشیع کا تسلط، ان تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس کر من گھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت وعقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کر لینا، یہ ایسے اُمور ہیں کہ ان کی وجہ سے قصہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے۔ حتی کہ بعض معتبر و مستند کتابوں میں مندرجہ تفاصیل بھی قابلِ اعتماد نہیں اکثر روایات آپس میں تضاد اور عقل واُصولِ شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے یقیناً غلط ہیں بلکہ نفسِ شہادت کے سوا اس کی تفصیل کا شاید ہی کوئی جز یہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جاسکے جگرِ گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے والوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔

تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا

ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہوتی ہے اس میں کئی گناہ ہیں:

پہلا گناہ یہ کہ اس میں دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دشمنانِ قرآن کے ساتھ تشبہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم۔ (جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ اسی میں شمار ہوگا۔)

دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنانِ اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ دشمنوں کی رونق بڑھانا بہت بڑا گناہ ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من كثر سواد قوم فهو منهم۔ (جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔)

تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح کسی عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔ ایک بار کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کی مشق کر رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی عبادت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردے کی غرض سے خود کھڑے ہوگئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پردے میں کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر سے دیکھتی رہیں۔ غرضیکہ عبادت کو دیکھنا بھی عبادت اور گناہ کو دیکھنا بھی گناہ۔

چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے ایسی غضب والی جگہ جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے۔ جب سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا۔ سوچنا چاہئے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کے کرتوتوں سے اس وقت کوئی عذاب آگیا تو کیا صرف نظارہ کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اس عذاب سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عذابِ آخرت میں بھی یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ مستحقِ عذاب بنانے والی بداعمالیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح مبارک دنوں میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے اسی طرح معصیت پر زیادہ عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین کا صحیح فہم اور کامل اتباع کی نعمت عطا فرمائیں۔ آمین۔

تکثیرِ جماعت کا اثر

دوسری بات یہ سمجھئے کہ جس زمانہ میں اطاعت کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس زمانہ میں معصیت کی عقوبت بھی سخت ہوتی ہے، اس لئے اس زمانہ میں بدعات وغیرہ سے سخت احتراز لازم ہے۔ مثلاً بعض لوگ اس زمانہ میں تعزیہ کی رسمیں کرتے ہیں جو بے اصل ہیں۔ اور بعضے لوگ جو ذرا مہذب ہیں وہ اس سے تو بچتے ہیں، مگر مجالس میں جو کہ اس زمانہ میں ہوتی ہیں شرکت کرتے ہیں۔ میں اس وقت ان لوگوں کو نہیں کہتا جن کے مشرب اور مذہب میں یہ مجالس محبوب ہیں، میرا خطاب صرف اہلِ سنت والجماعت سے ہے۔ اور گو اس شرکت میں اہلِ سنت والجماعت کے عقائد تو عام طور سے اور ہوتے ہیں جو شیعہ کے ہوتے ہیں، بلکہ کوئی تماشہ کی نیت سے چلا جاتا ہے کسی کو وہ لوگ خود بلاتے ہیں۔ اس لئے مروت سے چلا جاتا ہے بعضوں کی اور خاص غرضیں بھی ہوتی ہیں، مگر سب صاحب خوب سن لیں حدیث میں صاف موجود ہے: ’’من کثر سواد قوم فھو منھم‘‘۔

کہ جس نے کسی قوم کی جماعت کو زیادہ کیا (خواہ عقیدۃً اسے برا سمجھتا ہو) قیامت کے دن وہ انہی کے ساتھ ہوگا۔

اس پر مجھے ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ ہولی کا زمانہ تھا سب جانوروں پر رنگ لگا ہوا تھا۔ وہ بزرگ جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک گدھا بیٹھا ہے اور اس پر رنگ نہیں ہے اور بیچارے گدھے پر کوئی رنگ نہ دیکھ کر ان بزرگ نے مزاحاً فرمایا کہ تو ہی خالی ہے۔ تجھے کسی نے نہیں رنگا یہ کہہ کر پان کھا رہے تھے پیک اس پر تھوک دی کہ لا تجھ میں رنگ دوں، بعد مرنے کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور اس کی پوچھ ہوئی کہ تم ہولی کھیلتے [illegible] کسی جماعت کی تکثیر کرنا اور اس کی زیادتی کرنا سرسری بات نہیں ہے اور پکڑ سے خالی نہیں۔

غرض تکثیرِ جماعت خواہ استہزاء ہو یا بطورِ تماشہ یا دل جوئی وغیرہ کے ہو غرض کسی صورت سے ہو ہر صورت میں بروئے قانون قیامت کے دن پوچھ ہوگی اور قیامت میں انہی کے ساتھ حشر ہوگا اس لئے نہ خود مجلس کرنا جائز ہے نہ کسی کی مجلس میں جانا جائز ہے۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ان ایام میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ کوئی کتاب لے کر پڑھتے ہیں اور دوسروں کو سناتے ہیں یہ فعل بھی تخصیصاً ان ایام میں کرنا جائز نہیں، اسلئے کہ شریعت میں غور اور تدبر کرنے سے شریعت کا مقصود واقعاتِ مصیبت میں ازالۂ غم اور رفعِ غم معلوم ہوتا ہے قصہ پڑھ کر اور سن کر یا سنا کر غم کا تازہ کرنا مقصود ہے تو یہ اچھا خاصا شریعت کا مقابلہ ہے اسی قسم کی باتوں کو جس کی شریعت میں کچھ اصل نہ ہو بدعت کہتے ہیں، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کچھ مت بڑھا۔)

اختراع فی الدین

تو ان ایام میں شہادت نامہ کا پڑھنا بھی ایک فضول رسم ہے۔ غرض ان ایام میں ان دنوں کی تخصیص سے ایصالِ ثواب میں کوئی زیادتی اجر نہیں ہے بلکہ اس خیال کے ہوتے ہوئے اس کے بدعت ہونے میں کلام ہی نہیں اور کوئی صاحب خلاصہ نکال کر مجھ پر یہ الزام نہ لگا دیں کہ اس میں ایصالِ ثواب کرنا اور یہ خیال کرنا کہ آج زیادہ ملے گا ضرور بے اصل اور اختراع فی الدین ہے۔

الغرض اس دن میں ایسا عمل جس پر اجر ملے بجز روزہ کے ثابت نہیں ہوا۔

زیادت فی الدین

البتہ صرف دنیاوی برکت کے بارہ میں ایک اور عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ بھی

بروایتِ ضعیف ثابت اور منقول ہے۔حدیث میں ہے:

من وسع علی عیالہ واھلہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ

کہ جس نے عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر فراخی کی تو حق تعالیٰ اس پر تمام سال فراخی رکھیں گے۔

تو صرف دنیاوی برکت کے واسطے یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درجہ میں ثابت ہوا اور اگر اس سے ایصالِ ثواب کی کوئی اصل نکالے وہ بھی نہیں بنتی کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل وعیال پر وسعت کرنے کو فرمایا ہے لینے دینے کو نہیں فرمایا۔تو اس دن میں تخصیصاً کچھ دینا زیادت فی الدین ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو کام اطلاق کے ساتھ اچھا ہو وہ تقیید کے ساتھ بھی اچھا ہو مثلاً محض خدا واسطے دینا تو، ہر زمانہ میں اچھا ہے اور بعض زمانہ میں اچھا ہے اور بعض زمانہ میں خصوصیت سے اور اچھا ہے جہاں دلیل ہو مگر عاشوراء کے دن خصوصیت کے ساتھ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

پس اس دن میں ایصالِ ثواب کی تخصیص کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھے۔تو ہر شخص اس کا ممنوع ہونا تسلیم کرتا ہے تو نماز باوجودیکہ اچھی چیز ہے، ہر پانچ رکعت پڑھنا زیادت فی الدین ہے اس وجہ سے ہر شخص اس کو برا سمجھتا ہے تو ایسے ہی خاص محرم کے دن ایصالِ ثواب کی تخصیص مکروہ ہے۔اسی طرح کھچڑا (حلیم) وغیرہ پکانا بھی از قبیلِ التزام مالا یلزم ہے۔

غرض سوائے دو عمل کے ایک دنیاوی ہے یعنی وسعتِ عیال پر اور ایک اُخروی ہے یعنی نویں دسویں کا روزہ باقی اور کوئی عمل ثابت نہیں تو فضول اپنے نفس پر کسی قسم کا بار ڈالنا اور اپنے کو خلجان میں ڈالنا ہے لہٰذا ان اُمور سے اجتناب ضروری ہے اور وسعتِ عیال کو دنیاوی برکت کا عمل میں نے اس واسطے کہا کہ اس پر وسع اللہ علیہ کو مرتب فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ دنیاوی برکت ہوگی۔ اُخروی برکت یعنی ثواب وغیرہ کا ذکر نہیں۔

اظہارِ غم کے طریقے میں فرق

اہلِ سنت والجماعت ان دردناک واقعات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے کے باوجود ایک بہادر ذی وقار صاحبِ عزم انسان کی طرح متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور یزید جیسی طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قوتِ ہمت اور ہدایت کی آواز

اُٹھا کر سنتِ حسینؓ کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ تا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متبعین اور نام لینے والوں میں روحِ حسینیؓ کے نظارے ہمیشہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے نظر آتے رہیں۔ بخلاف شیعہ صاحبان کے کہ وہ اس رنج والم کا اظہار کرنے کے لئے دامنِ شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اظہارِ غم کے لئے دسویں محرم کو وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں بہت ساری چیزیں ناجائز بلکہ حرام ہوتی ہیں جن سے مسلمانوں کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اخلاق کی تباہی کا موجب بنتی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو اہلِ سنت والجماعت کے علاوہ مقتدر مقتدایانِ شیعہ صاحبان بھی عوام الناس کے اس طریق کار کے سخت مخالف ہیں دونوں جماعتوں کے رہنما ان چیزوں کو نہ صحیح سمجھتے ہیں نہ مفید سمجھتے ہیں، چنانچہ دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کے فتاویٰ ذیل میں درج ہوں گے۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان میں کمزور طبیعت کے رہنما اپنے مفادِ دنیا کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں۔ اور عوام الناس کے طعن و تشنیع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور مفادِ دنیا کی خاطر نتائجِ اخروی کو نظر انداز کرتے ہیں اور عوام الناس میں اشاعتِ حق کرنے سے جی چراتے ہیں۔ **اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین۔** آمین

تعزیہ داری کے متعلق علماءِ اہلِ سنت کا فیصلہ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی ماہ شوال ۱۳۱۱ھ کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں کہ تعزیہ داری جو مبتدعین کرتے ہیں بدعت ہے اور بدعتِ سیئہ ہے اور بدعتِ سیئہ مبتدع کو خدا کی لعنت میں گرفتار کر دیتی ہے اور اس کے فرائض اور نوافل بھی درگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتے۔

انہی ملخصا اسی فتاویٰ کے صفحہ ۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال: مرثیہ خوانی کی مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے حاضر ہونا اور اس جگہ مرثیہ اور کتاب سننا اور فاتحہ اور درود پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب: اس مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے جانا بھی جائز نہیں، کیونکہ وہاں کوئی زیارت نہیں ہے۔ جس کے واسطے آدمی جائے اور یہ لکڑیاں تعزیے کی جو بنائی گئی ہیں یہ زیارت کے قابل نہیں۔ بلکہ مٹانے کے قابل ہیں۔

اسی فتاویٰ کے صفحہ ۱۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: تعزیہ کے تابوت کی زیارت کرنا اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور مرثیہ پڑھنا اور کتاب سننا اور فریاد کرنا اور رونا اور سینہ کوبی کرنا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ماتم میں اپنے آپ کو زخمی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ سب چیزیں ناجائز ہیں۔

خلاصہ فتاویٰ اہلِ سنت

مذکورۃ الصدر فتاویٰ سے مندرجہ ذیل چیزیں صاف اور ظاہر ہیں۔

(۱) تعزیہ بدعتِ سیئہ ہے۔ (۲) مرثیہ خوانی۔ (۳) اور اس مجلس میں زیارت اور گریہ کی نیت سے جانا بھی ناجائز ہے۔ (۴) اور سینہ کوبی کرنا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کرنا اور اپنے آپ کو زخمی کرنا یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔

ماتم اور نوحہ کی ممانعت

جہاں تک ماتم کا تعلق دل اور آنکھوں سے ہے ممنوع نہیں۔ مگر جب زبان اور ہاتھ سے اظہار کیا جائے تو حرام ہے۔ مندرجہ ذیل احادیثِ سنی اور شیعہ اور اقوالِ ائمہ ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیة** (متفق علیہ) (ترجمہ: وہ شخص اسلامی جماعت سے خارج ہے جس نے ماتم میں رخساروں پر ہاتھ مارے گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے سے بین منہ سے نکالے۔)

دوسری حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

یعنی جو ماتم آنکھ اور دل سے ہو وہ جائز ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطانی فعل ہے۔ (مشکوٰۃ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (مشکوٰۃ)

نتیجہ: مذکورۃ الصدر احادیث میں جن چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے اور جن کو شیطان کہا گیا ہے اور جن کاموں کے کرنے پر لعنت نازل ہوتی ہے محرم کے ماتمی جلوسوں میں یہ سب کام کیے جاتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسے جلوسوں میں ہرگز شریک نہ ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ انہی چیزوں کے حرام ہونے پر شیعہ صاحبان کی روایات ملاحظہ ہوں۔

پہلی: ابنِ بالویہ نے سند معتبر حضرت امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب میں وفات پاؤں تو

میری وفات پر اپنے بال نہ نوچنا اور رو او یلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا۔ (جلاء العیون)

دوسری: ملا باقر مجلسی جلاء العیون ص ۸۷ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غسل وکفن وغیرہ کے متعلق اہلِ سنت کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرشتے مجھ پر نماز پڑھ چکیں اس وقت تم فوج در فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کرنا اور مجھے نالہ وفریاد گریہ وزاری سے آزار نہ دینا پھر فرمایا اٹھ جاؤ اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے اور لوگوں کو مطلع کرو۔

مسلمانوں کا فرض

جب مرثیہ خوانی کی مجلسیں اور ماتمی جلوس خلافِ شرع ہیں فقط اہلِ سنت ہی نہیں، بلکہ شیعہ کے رہنمایانِ مذہبی بھی ان کے شرعاً مخالف ہیں تو اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ وہ ان مجالس میں جانے اور جلوسِ تعزیہ میں شریک ہونے سے پرہیز کریں ورنہ شرکت کے باعث خواہ وہ تماشا بینی کے طور پر ہی کیوں نہ ہو غضب الٰہی کے مورد اور عذابِ الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

بالخصوص: جب کہ شیعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین جانشینوں یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو بُرا بھلا کہتے ہیں ان کو غاصب قرار دیتے اور ان کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور ان کو کافر کہتے ہیں اور ان واقعات کے ہوتے ہوئے ہر غیرت مند سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شیعہ کی مجالسِ مرثیہ میں شرکت سے پرہیز کرے اور ان کے تعزیوں کے جلوس میں شامل ہونے نہ پائے کیونکہ ایسے لوگوں کی مجالس کی رونق افزائی بجائے خود ایک بہت بڑا گناہ ہے اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا فرض ہے کہ خود اس سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بچائیں۔

شیعہ صاحبان کے بڑوں کا شریک نہ ہونا

اگر ماتمی جلوس ایسے ہی موجب ثواب اور باعثِ رحمت اور امام حسین کے سچے غم اور بے قراری دل کے صحیح اظہار کا ذریعہ ہیں تو پھر شیعہ صاحبان کے بڑے کیوں اس مبارک رسم میں شریک نہیں ہوتے اور کیوں سینہ کوبی سرِ بازار جلوس میں شامل ہو کر نہیں کرتے۔

چنانچہ دار السلطنت پنجاب لاہور میں ہمیشہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ سینہ کوبی کرنے والے صرف نچلے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں یا اس میں چند بازاری عورتیں سیاہ لباس میں ملبوس ہائے حسین حسین کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس جلوس کے ساتھ عام جہلاء بطورِ تماشا بینی کے جمع

ہو جاتے ہیں اور جلوس کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔

عبرت: اہلِ عقل اس تحریر ماسبق سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں کہاں تک خیر وبرکت آسکتی ہے اور خود شیعہ صاحبان کے ہاں ان کی کیا حقیقت ہے۔

شیعہ کی تفاسیر سے نوحہ کی ممانعت

شیعہ کی تفسیر عمدۃ البیان جلد سوم ص ۲۴ میں تحریر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تین آوازوں کو ناپسند کرتا ہے گدھے کی آواز۔ کتے کی آواز۔ نوحہ گر عورت کی آواز۔

شیعہ کی اسی تفسیر کے ص ۳۹۲ میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو دوسری شرطوں کے علاوہ یہ شرطیں بھی ہوتی تھیں نوحہ نہ کرنا کپڑے نہ پھاڑنا، سر کے بال نہ نوچنا اور اپنا منہ نہ نوچنا وغیرہ وغیرہ۔

سیاہ ماتمی لباس کے خلاف علمائے شیعہ کے فتاویٰ

امام صادق سے سوال کیا گیا کہ عورتیں سیاہ کپڑے پہن کر نماز پڑھیں فرمایا کہ سیاہ کپڑوں سے نماز نہیں ہوتی کیونکہ سیاہ کپڑے دوزخیوں کا لباس ہے اور امیر المؤمنین نے اصحاب کو سکھلایا کہ سیاہ لباس نہ پہنو کیونکہ سیاہ پوشی فرعون کا لباس ہے۔ (باب الرحی ص ۲۴۲)

جامع عباسی پانزدہ بابی جو فقہ میں مذہبِ اثنا عشری کی مستند کتاب ہے جس کے مصنف ملا بہاؤ الدین عاملی ہیں اور شیعوں کے مطبع یوسفی دہلی کی مطبوعہ ہے اس کے صفحہ ۲۱۶/۲۱۵ میں تحریر ہے کہ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مومنوں سے کہہ دے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی سیاہ کپڑے۔

فروع کافی جلد ۲ جزو ثانی ص ۳۴ میں بھی سیاہ لباس کو ملبوس ناریاں بتایا گیا ہے۔

(خاموش نوحہ خواں نمبر ۲ ص ۱۰)

نتیجہ: ان حوالہ جات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان جو سیاہ لباس پہن کر ماتمی نشان بناتے ہیں یہ ان کے اپنے مقتدایانِ مذہبی کے فیصلہ کے بھی سراسر خلاف ہے جب شیعہ کے ہاں بھی یہ چیز حرام ہے تو سنی مسلمان کا فرض ہے کہ اس قبیح رسم سے بچے اس مضحکہ خیز ظاہر داری کے ماتم سے بچ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح سچا غیور، بہادر، جانباز اور جان نثار مجاہد اور غازی بننے کی فکر کریں۔

حاصل یہ ہے کہ ہم اہلِ سنت والجماعت ائمہ اہلِ بیت کے سچے محب اور پکے خیر خواہ ہیں

ان سے عقیدت ہمارا ایمان ہے ان کی راحت سے فرحت اور ان کی تکلیف سے صدمہ ہمارے دلوں کے تاثرات ہیں ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ سچی محبت اور صحیح عقیدت میں ہم شیعہ صاحبان سے کم نہیں ہیں، البتہ یہ عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ عشرہ محرم کی تمام بدعات جو شیعہ میں مروج ہیں جن کی تفصیل اس مضمون میں آچکی ہے ان کے ہم سخت مخالف ہیں سنی مسلمانوں کو ان سے روکنا ہمارا فرض ہے۔ بلکہ دعا کرتے ہیں کہ جس طرح ہم محبت اور عقیدت میں شیعہ صاحبان سے برابری کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ائمہ اہل بیت کے نقش قدم پر عملی طور پر چلنے میں سنیوں کے دوش بدوش نظر آئیں باطل، طعن و تشنیع، تعزیہ، نوحہ خوانی، ماتمی لباسوں سے باز آئیں حق کے حامی اور باطل کے دشمن نظر آئیں۔ اسلامِ محمدی کے پیروکار اور بدعات سے مخزعہ سے مجتنب ہو جائیں آمین۔ یا إلٰہ العالمین۔ جب شیعہ اور سنی دونوں ایک سٹیج پر آ کھڑے ہوں تو اس اتفاق کی برکت سے دیکھئے کہ اسلام کو کس طرح نفع اور عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ماتم اور تعزیہ کی تاریخ

واضح ہو کہ لغت میں تعزیت نام ہے مصیبت زدہ کو تلقین صبر کرنے کا چونکہ کسی کا مرنا بھی اس کے ورثاء کے لئے بظاہر ایک سخت مصیبت اور باعثِ سخت رنج وغم ہے، لہٰذا ان کے تلقینِ صبر کرنے کو بھی تعزیت کہتے ہیں، بلکہ عرفاً غالب اطلاق اسی پر ہونے لگا شریعت میں بھی اس کے یہی معنی ہیں اور کسی کے مرنے پر صرف تین دن تک تعزیت کرنی جائز ہے (تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہِ تنزیہی ہے) ہاں اگر تعزیت کنندہ یا میت کے اعزاء سفر میں ہوں اور تین روز کے بعد آئیں تو ان کے لئے مکروہ نہیں ہے جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر چکا ہو اس کو پھر دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے حدیث شریف میں تعزیت کے لئے یہ کہنا منقول ہے۔

اعظم الله اجرك واحسن جزاءك وغفر لميتك یعنی اللہ تعالیٰ تیرا اجر زیادہ کردے اور تجھے اچھا صبر عطا فرمائے اور تیری میت کو بخش دے۔ جس میں نہ رونا ہے نہ پریشان ہونا، نہ سینہ کوبی ہے نہ زانو اور رُخساروں پر ہاتھ مارنا۔ نہ اجتماع واہتمام اور جزع فزع کی ضرورت ہے نہ میت کے مدح وذم کے بیان کی حاجت جیسا کہ عوام کالانعام میں کسی کے مرنے پر عموماً دیکھا جاتا ہے لیکن یہ سب خرافات اور ناجائز کام آج جس تعزیہ میں ہوتے ہیں وہ محرم کا تعزیہ ہے اور اس مختصر تقریر میں زیرِ بحث یہی لفظ تعزیہ ہے جس کو لغۃً عرفاً شرعاً کسی طرح بھی تعزیت کہنا صحیح نہیں۔ ہر سال شروعِ ماہِ محرم میں جس تعزیہ کی بدولت بوجہ نادانی وجہالت لاکھوں

سنی عملاً شیعہ ہو جاتے ہیں اور حسن کتب شیعہ اہل سنت کی نہیں بلکہ یزید اور دشمنانِ آلِ رسول کی ایجاد ہے۔ اس تعزیہ کی روح امام حسینؓ شہیدِ کربلا پر نالہ و ماتم اور نوحہ وشیون کرنا ہے اور اس کا جسم روضۂ امام حسین واقعۂ کربلا کی وہ نقل ہے جو بانس اور کاغذ وغیرہ کا بنا کر بنامِ تعزیہ یا وجہِ ماتم اور مرثیہ کے ساتھ سالانہ محرم میں نکالی جاتی ہے جس کے ساتھ ہمیشہ مختلف مقام پر اور بھی بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور آئے دن نئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں۔

ماتم کی تاریخ

یعنی نوحہ و ماتم، نالہ وشیون پر امام حسینؓ کی ابتداء دنیا میں جس نے سب سے پہلے کی وہ بقول شیعہ یزید ہے جو ان کے خیال کے مطابق اول درجہ کا دشمنِ اہلِ بیت اور قاتل حسینیت تھا۔ چنانچہ:

۱۔ ملا باقر مجلسی مجتہد شیعہ لکھتے ہیں کہ جب اہلِ بیت حسینؓ کا قافلہ کوفہ سے دمشق میں آیا اور دربارِ یزید میں پیش ہوا تو یزید کی زوجہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر بیتاب ہو کر بے پردہ دربارِ یزید میں چلی آئی یزیدی نے دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا:

"اے ہندہ! نوحہ زاری مکن بر فرزند رسول خدا و بزرگ قریش کہ ابن زیاد لعین درامر و تعجیل کرد و من راضی بکشتن او نبودم (جلاء العیون ص ۵۲۷) یعنی اے ہندہ! فرزندِ رسولِ خدا و بزرگ قریش پر نوحہ زاری نہ کر کہ ابنِ زیاد لعین نے ان کے معاملہ میں جلدی کی اور میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔

۲۔ جب اہلِ بیت حسینؓ یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اہلِ بیتِ یزید نے زیور اُتار کر لباس ماتم پہنا۔ صدائے نوحہ وگریہ بلند کی اور یزید کے گھر میں تین روز برابر ماتم رہا۔

(ایضاص ۵۲۲)

۳۔ صاحب ختہ المصائب فرماتے ہیں کہ جب حرم محترم پیشِ یزید لائے گئے تو کان بیده منديل فجعل يمسح وموعه فامرهم ان يحولن الى هند بنت عامر عندها فسمع من داخل القصر بكاء ونداء وويلا (ص ۲۹۳)

یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے اپنے آنسو پونچھتا تھا۔ پس اس نے حکم دیا کہ ان کو میرے محل میں ہندہ بنتِ عامر کے پاس لے جاؤ جب یہ ان کے پاس پہنچائی گئیں تو داخل ہونے پر صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی جو باہر سنائی دیتی تھی۔

۴۔ صاحب ناسخ التواریخ نے ص ۲۰۰ میں اور صاحب نہج البلاغہ ص ۳۴۸ میں بھی کم

وبیش اس ماتم کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام حسینؓ پر نوحہ و ماتم اور نالہ شیون کا یہ پہلا دن تھا جو بحکمِ یزید خود اہلِ بیت یزید نے اہتمام سے کیا پھر جب یزید نے چند اہلِ بیتِ حسین کو بعزت وحرمت اپنے پاس شام میں رہنے یا مدینہ جانے کا اختیار دیا تو انہوں نے ماتم برپا کرنے کی اجازت چاہی جو دی گئی اور شام میں جس قدر قریش و بنو ہاشم تھے سب شریکِ ماتم و نوحہ ہوئے اور یہ گریہ وزاری ایک ہفتہ تک جاری رہی بعد ازاں یزید نے بآرام ان تمام کو جانبِ مدینہ روانہ کیا۔

(جلاء العیون ص ۵۳۰ و منہج ص ۳۳۵)

شام میں یہ دوسرا ماتم تھا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر باجازتِ یزید اہتمام سے ہوا۔ یزید کے بعد دوسرا شخص مختار ثقفی شیعہ تھا جس نے کوفہ میں سب سے پہلے خاص عاشورۂ محرم کے لئے اس رسمِ بد کی بنا ڈالی۔ بلکہ اور اضافہ کیا یہ شخص شیعہ تھا اور دشمن اہلِ بیت بھی، اس دشمنِ آلِ رسول نے قبولیتِ عامہ حاصل کرنے کے لئے اعلانیہ کوفہ میں رسمِ ماتمِ عاشورہ ایجاد کردہ یزید کو جاری کیا اور بنامِ تابوتِ سکینہ جناب امیرؓ کی کرسی کی پرستش شروع کی حالانکہ کرسی جناب امیرؓ کی نہ تھی بلکہ طفیل بن جعدہ نے بلا اجازت کسی روغن فروش کی دوکان سے اُٹھا کر اسی کام کے لئے اسے لا دی تھی۔ (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۲۲) علامہ شہرستان بھی لکھتے ہیں کہ وہ ایک پرانی کرسی تھی جس پر مختار نے ریشمی رومال چڑھا کر اور خوب آراستہ کر کے ظاہر کیا کہ یہ حضرت کے توشہ خانہ میں سے ہے۔ جب کسی دشمن سے جنگ کرتا تو اس کو صفِ اول میں رکھ کر اہلِ لشکر سے کہتا بڑھو، قتل کرو، فتح ونصرت تمہارے شاملِ حال ہے۔ یہ تابوتِ سکینہ تمہارے درمیان مثالِ تابوتِ بنی اسرائیل ہے اس میں سکینہ ہے اور ملائکہ تمہاری مدد کے لئے نازل ہو رہے ہیں۔ وغیرہ (الملل والنحل مصری ص ۸۴)

تیسرا معز الدولہ شیعہ ہے جس نے اٹھارویں ذی الحجہ کو عید غدیر منانے کا حکم دیا پھر اس کے بعد عاشورہ کے دن حکم دیا کہ لوگ غمِ حسینؓ میں دوکانیں بند کریں ہڑتال کریں خرید و فروخت سے باز رہیں سوگ کے کپڑے پہنیں زور سے واویلا کریں عورتیں بال کھولیں منہ پر طمانچے ماریں لوگوں نے اس کی تعمیل کی اور اہلِ سنت اس کی مخالفت پر قادر نہ تھے کیونکہ شیعوں کا غلبہ تھا جب ۳۵۳ھ میں پھر ایسا ہی ہوا تو اس پر شیعہ اور سنی میں بڑا فساد ہوا اور بہت لوٹ مار تک نوبت پہنچی۔

(تاریخ ابنِ خلدون ج ۳ ص ۴۲۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ۲۷۵)

کامل ابنِ اثیر جلد ۴ میں بھی ہے کہ دس محرم ۳۵۲ھ کو معز الدولہ نے عام حکم دیا کہ دوکانیں بند ہو جائیں بازار اور خرید و فروخت کا کام روک دیا جائے لوگ نوحہ کریں کمبل کا لباس پہنیں

عورتیں پراگندہ منہ اور گریبان چاک دوہتر مارتی ہوئی شہر کا چکر لگائیں۔ (صفحہ ۱۹۷)

آنریبل سید امیر علی صاحب سپرٹ آف اسلام انگریزی میں لکھتے ہیں بیادگار شہادتِ امام حسینؓ و دیگر شہدائے کربلا یومِ عاشورہ کو ماتم کا دن مقرر کیا (ص ۴۶۱) ایک اور شیعہ رقمطراز ہیں کہ معز الدولہ پہلا بادشاہ مذہب امامیہ پر تھا۔ جس نے یہ یومِ عاشورہ میں بازار کو بند کرادیئے نانبائیوں کو کھانا پکانے کی ممانعت کردی عورتیں سر کھولے ہوئے راستوں میں نکلیں۔ (تلخیص مرقع کربلا ص ۷۸-۷۹)

رسم ماتم عاشورہ کی یہ مختصر داستان ہے جو بحکمِ یزید اسی کے گھر سے شروع ہوئی مختار اور معز الدولہ نے ترقی دی پھر شیعوں نے اس پر خوب مذہبی رنگ چڑھایا۔ اب عشرہ محرم میں گھر گھر اسی کا جلوہ ہے کسی نے بالکل سچ کہا ہے

رسم ماتم بنا یزید نمود ہر کہ آمد بر آں مزید نمود

تعزیہ:

جو مختلف قطع وضع اور رنگ برنگ کے بنتے ہیں مشہور یہ کیا گیا ہے کہ روضۂ امام حسینؓ کی نقل ہے اور جگہ کا تو حال معلوم نہیں، مگر ہندوستان میں ہر سال عشرۂ محرم میں بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ عہدِ تیمور میں اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ بعض شیعہ بیگمات، شیعہ وزراء، شیعہ امراء ایرانی الاصل اور شیعہ اہلِ لشکر ہند میں قیام اور سلطنت و جنگ کے انتظام وغیرہ کے باعث ہر سال کربلائے معلیٰ نہیں جاسکتے تھے جنہوں نے حسبِ عقیدۂ شیعہ بغرضِ حصولِ ثواب روضۂ امامِ حسینؓ کی نقل منگوا کر بجائے کربلا کے اس کی زیارت کرنا شروع کی۔ پھر جب شاہانِ اودھ کے دور میں اہلِ تشیع نے زور پکڑا تو نقلِ روضۂ امام اور ذوالجناح اور قائم کی رسمِ مہندی وغیرہ کا بھی رواج بڑھا۔ اس نے کم و بیش جلد رویت اختیار کرلی جو اب مروج ہے چنانچہ تلخیص مرقع کربلا کے شیعہ منصف بھی فرماتے ہیں کہ جو ہر صاحبِ طوفان نے امیر جنود کا عراق میں آنا اور زیارت کربلا و نجف اشرف کرنا اور پیادہ چلنا اور وزراء کا پیادہ روی سے منع کرنا اور اس کا قرآن میں فال دیکھنا اور آیت فاخلع نعليك کا نکلنا۔ اور تبرکات لانا اور نفاذ تعزیہ داری خصوصاً ہندوستان میں مفصل لکھا ہے اور سب جانتے ہیں (ص ۸۳) حالانکہ اس نقل روضہ امام تعزیہ کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ روضہ امام بھی غیر معتبر ہے اور پھر تعزیہ جس کی تاریخ امیر تیمور کے دور سے آگے نہیں چلتی بدعت تیموریہ نہیں تو اور کیا ہے پس مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہیے اور اس قسم کی تمام بدعات سے مجتنب رہنا چاہیے۔ وما علينا الا البلاغ (خطبات لاہوری)

صفر المظفر

وظائف

ایک ہزار مرتبہ اس درود پاک کو پڑھے۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی و رحمة اللہ و برکاتہ

ستر مرتبہ یہ درود پاک پڑھے۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی و علی الہ و اصحابہ و بارک وسلم ط

پھر ایک مرتبہ یہ دعا پڑھنی ہے۔

اللھم صرف عنی سوء ھذا الیوم و اعصمنی من سوئہ و نجنی عما اصاب فیہ من بحر ساتہ و کرباتہ بفضلک یا دافع الشرور یا مالک النشور یا ارحم الراحمین و صلی اللہ علی محمد و الہ الامجاد و بارک وسلم ط

یہ دعا ایک مرتبہ پڑھنی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط یا شدید القوی یا شدید المحال یا مفضل یا مکرم لا الہ الا انت برحمتک یا ارحم الراحمین ط

یہ آیاتِ قرآنی ایک مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے خود بھی پیئے اور سب کو بھی پلائے۔

سلام قولا من رب الرحیم ط سلام علی نوح فی العلمین ط سلام علی ابراھیم ط سلام علی موسی و ھرون ط سلام علی الیاسین ط سلام علیکم طبتم فاد خلوھا خلدین ط سلام ھی حتی مطلع الفجرط

یہ سات آیاتِ قرآنی درازیِ عمر، حفاظتِ جان و مال کے لیے بہت افضل ہیں۔

ماہِ صفر سے متعلق مسائل

ماہِ صفر میں نحوست ہے یا نہیں؟

سوال: عورتوں کا خیال اور اعتقاد یہ ہے کہ صفر کا مہینہ اور خصوصاً ابتدائی ۱۳ دن منحوس اور نامبارک ہیں۔ ان دنوں میں عقدِ نکاح، خطبہ اور سفر نہ کرنا چاہیے ورنہ نقصان ہوگا، کیا یہ عقیدہ درست ہے؟

جواب: مذکورہ خیالات اور عقائد اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، زمانہ جاہلیت میں لوگ ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، نبی کریم ﷺ نے ان خیالات کی سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے۔ واقع میں وقت، دن، مہینہ یا تاریخ منحوس نہیں ہوتے، نحوست بندوں کے اعمال وافعال پر منحصر ہے، جس وقت کو بندوں نے عبادت میں مشغول رکھا وہ وقت ان کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو گناہ کے کاموں میں صرف کیا ہے وہ ان کے لئے منحوس ہے۔ حقیقت میں مبارک عبادات ہیں اور منحوس معصیات ہیں۔ الغرض ماہِ صفر منحوس نہیں ہے مگر منحوس ہمارے برے اعمال اور غیر اسلامی عقائد ہیں، ان تمام کو ترک کرنا اور ان سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ ماہِ صفر اور اس کے ابتدائی تیرہ دنوں کو منحوس سمجھ کر شادی منگنی سفر وغیرہ کاموں سے رُک جانا سخت گناہ کا کام ہے۔

نصاب الاحتساب میں ہے کہ کوئی شخص سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور کوے کی آواز سن کر سفر سے رُک جائے تو بزرگوں کے نزدیک وہ شخص کافر شمار ہوتا ہے۔ (مجالس الابرار، م ۳۹، ص:۲۴۸)

آنحضرت ﷺ نے جاہلیت کے باطل عقائد کو رد کرتے ہوئے فرمایا: امراض کی تعدی کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی ایک کا مرض دوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ غلط ہے اور فرمایا بدفالی کوئی چیز نہیں ہے، یعنی سامنے سے بلی یا عورت یا کانا آدمی آجائے تو کام نہیں ہوگا، ایسا عقیدہ باطل ہے۔ (تین مرتبہ) بدفالی شرک کا کام ہے، بدفالی شرک کا کام ہے، بدفالی شرک کا کام ہے۔ اور فرمایا: یعنی الو کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے، مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ جہاں پر الو بولتا ہے وہ گھر برباد ہو جاتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ولا ھامۃ فرما کر اس عقیدہ کو بھی باطل ٹھہرایا اس کے بعد فرمایا اور صفر کے مہینہ کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ (بخاری شریف: باب لا ھامۃ، ج:۱، ص:۸۵۷)

مشرکین ماہِ صفر کو تیرہ تاریخوں تک منحوس سمجھتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے تردید فرمائی۔ افسوس! مسلمان اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے فرمان کے خلاف مشرکین کے عقیدہ کی اقتداء کر رہے ہیں۔

اسی طرح عورت، گھوڑا اور گھر کی نحوست کا بھی عقیدہ باطل ہے، ایسے تمام خیالات مشرکانہ ہیں، اسلامی نہیں، غیر مسلموں کے ساتھ رہنے سہنے سے جاہلوں میں خصوصاً عورتوں میں ایسے خلاف اسلام خیالات گھر کر گئے ہیں۔ حکماء کا مشہور مقولہ ہے: ''القبائح متعدیۃ و الطبائع متسرقہ ''خراب باتیں پھیلنے والی ہیں اور لوگوں کی طبیعتیں چور ہیں کہ خراب باتیں جلد قبول کر لیتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماہِ صفر کا آخری بدھ کیسا ہے؟ اور اس دن خوشی منانا کیسا ہے؟

سوال: ماہِ صفر کے آخری بدھ کو جو آخری بدھ (چہار شنبہ) کے طور پر منایا جاتا ہے اور اسکول و مدارس میں تعطیل رکھی جاتی ہے اور اس کو خوشی کے دن کے طریقہ سے منایا جاتا ہے اس کی کوئی اصلیت ہے؟ یوں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفر کے مہینہ کے آخری بدھ کو مرض سے شفا پائی اور غسل فرما کر سیر و تفریح فرمائی اس لئے مسلمانوں کو اس کی خوشی منانا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟ خصوصاً بریلوی طرزِ فکر کے مسلمان بدھ کو زیادہ جانتے ہیں۔

الجواب: مذکورہ چیزیں بالکل بے اصل اور بلا دلیل ہیں، مسلمانوں کے لئے آخری بدھ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں ہے۔ شمس التواریخ وغیرہ میں ہے کہ "۲۶ / صفر (۱۱ھ) یومِ دوشنبہ کو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ / صفر سہ شنبہ کو اُسامہؓ کو حکم دیا۔ ابھی کوچ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر روز بدھ اور اول شب پنج شنبہ میں آپ کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ پڑ گیا اسی دن وقت عشاء سے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ، ج:۲، ص:۱۰۰۹ ـ ۱۰۰۸)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ / صفر بدھ کے روز آنحضرت ﷺ کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہِ صفر کا آخری بدھ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لئے خوشی کا تو ہے ہی نہیں، البتہ یہود وغیرہ کے لئے شادمانی کا دن ہوسکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ میں تعطیل رکھنا یہ تمام باتیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں۔ بریلوی طرزِ فکر کے حضرات اس دن کو کیوں اہمیت دیتے ہیں، یہ سمجھ میں نہیں آتا، ان کے جلیل القدر بزرگ مولوی احمد رضا خان صاحب تو آخری بدھ کو نہیں مانتے، دیکھئے احکامِ شریعت میں مذکورہ ذیل سوال و جواب:۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے آخری بدھ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز آنحضرت ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی، بنا بر اس کے اس روز کھانا، شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں...... لہٰذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟

الجواب: آخری بدھ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سیدِ عالم ﷺ کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات مبارکہ ہوئی اُس کی ابتداء اسی دن سے بتلائی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکامِ شریعت، ج:۲، ص:۵۰) واللہ اعلم بالصواب۔

ربیع الاول

وظائف

ایک ہزار مرتبہ یہ درود پاک پڑھنا ہے۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ربیع الاول کی بارہویں، تیرھویں اور چودھویں شب کو بعد نمازِ عشاء اس دعا کو سات ہزار سات سو کتالیس مرتبہ پڑھے۔ مذکورہ دعا یہ ہے۔

یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع

یہ دعا ترقی رزق کے لیے بہت افضل ہے مگر یہ خیال رہے کہ بارہ تاریخ پیر یا جمعرات یا جمعہ ہو۔
ماہِ ربیع الاول میں سب مہینوں سے زیادہ درود پاک پڑھنے کی بہت فضیلت ہے۔ کثرت کے ساتھ اس ماہ میں درود شریف پڑھنا چاہیے۔ پہلی تاریخ سے بارہ تاریخ تک روزانہ بعد نماز عشاء ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھنا بہت افضل ہے۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اس درود شریف کو پڑھ کر باوضو سو جائے تو رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی۔

ماہِ ربیع الاول سے متعلق مسئلہ

بدعتی سے میل جول رکھنے کا شرعی حکم

سوال: اگر کوئی شخص عبادت گزار، پابندِ صوم وصلوٰۃ ہو لیکن بدعت میں مبتلا ہو اس کے یہاں کھانا کھانا میل جول رکھنا کیسا ہے؟

جواب: اگر اس کے ساتھ میل جول رکھنے اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے اس کی اصلاح کی امید ہو تو میل جول رکھنا بہتر ہے (نصاب الاحتساب، ص ۶۱) اگر اس سے خود بدعات میں مبتلا ہونے یا بدعات کی تائید کا اندیشہ ہو تو میل جول نہیں رکھنا چاہیے (احکام القران للقرطبی۔ ص ۱۴/۴)

اہم مضامین برائے ماہِ ربیع الاول

بدعت کی قباحت سے متعلق مسلم شریف کی حدیث کی تشریح

خطبہ کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

جب نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ سے خطاب فرماتے تھے تو بکثرت آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، اور آواز بلند ہو جاتی تھی، (یہ اس لئے کہ کسی طرح سننے والے کے دل میں اتر جائے اور اس کو سمجھ لے .اور آپ ﷺ کا جوش زیادہ ہو جاتا تھا)

آپ کا اندازِ تبلیغ

بعض اوقات ایسا لگتا تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو کسی آنے والے لشکر سے ڈرار ہے ہیں کہ بھائی تمہارے اوپر دشمن کا لشکر حملہ آور ہونے والا ہے، خدا کے لئے اس سے بچنے کا کوئی سامان کرو، اور یہ فرماتے تھے کہ وہ لشکر صبح پہنچا یا شام پہنچا، یعنی وہ لشکر عنقریب پہنچنے والا ہے، اس کے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں ہے، لہذا تم اس لشکر سے بچاؤ کا سامان کرو۔

اس لشکر سے مراد ہے قیامت کا دن اور حساب و کتاب، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دہی، اور اس جواب دہی کے نتیجے میں عذابِ جہنم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اس سے ڈراتے تھے کہ یہ وقت صبح وشام کسی بھی وقت آسکتا ہے، اس سے ڈرو، اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

آپ ﷺ کی بعثت اور قربِ قیامت

میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔ اور دونوں انگلیاں اٹھا کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، بلکہ دونوں ملی ملی ہیں، اسی طرح میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں کہ دونوں کے درمیا ن زیادہ فاصلہ نہیں، وہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے۔

بہترین کلام اور بہترین طرزِ زندگی

اس روئے زمین پر سب سے بہترین کلام اور سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر، اس سے اعلیٰ، اس سے زیادہ افضل، اس سے زیادہ بہترین کلام کوئی نہیں۔ اور زندگی گزارنے کے جتنے طریقے ہیں جتنے طرزِ زندگی ہیں۔ ان میں سب سے بہترین طرزِ زندگی محمد ﷺ کا طرزِ زندگی ہے۔

بدعت بدترین گناہ ہے

پھر آگے جن چیزوں سے گمراہی کے امکانات ہو سکتے تھے ان میں جڑیں بتادیں، فرمایا کہ:

شر الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة.

اس روئے زمین پر بدترین کام وہ ہیں جو نئے نئے طریقے دین میں ایجاد کئے جائیں،

حدیث میں ''بدترین کام'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بدعت ایک ایسی چیز ہے جو ایک لحاظ سے ظاہری گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ ظاہری فسق و فجور اور گناہ وہ ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ ان کو برا سمجھے گا، کوئی مسلمان اگر کسی گناہ میں مبتلا ہے، مثلاً شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے کہ یہ کام تمہارے خیال میں کیسے ہیں؟ جواب میں یہی کہے گا یہ کام تو برے ہیں، لیکن میں کیا کروں، میں مبتلا ہو گیا۔ لہٰذا ان برائیوں کو کرنے والا برا سمجھے گا، اور جب برا سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق بھی عطا فرمائیں گے۔

لیکن بدعت، یعنی جو چیزیں دین میں نئی ایجاد کی گئی ہیں، اس کی خاصیت یہ ہے حقیقت میں تو وہ گناہ ہے، لیکن جو شخص اس بدعت کو کر رہا ہے اس کو برا نہیں سمجھتا، وہ تو یہ سمجھے گا کہ یہ بہت اچھا عمل ہے، اور دوسرا کوئی اگر اس سے یہ کہے کہ یہ بری بات ہے تو بحث کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اس سے مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، کہ اس میں کیا خرابی اور کیا حرج ہے۔ اور جب ایک شخص گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، اور برائی کو برائی سمجھتا ہی نہیں تو اس کے نتیجے میں وہ گمراہی میں اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''شر الامور'' جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے برے کام ہیں ان میں سب سے بدتر کام بدعت ہے، جو دین میں ایسا نیا طریقہ ایجاد کرے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے طریقے سے مختلف ہو، اور پھر آگے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا جو شخص کسی بدعت کے اندر مبتلا ہے وہ لازماً گمراہی کے اندر مبتلا ہے۔

بدعت کی سب سے بڑی خرابی

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے، حالانکہ دین کا موجد کون؟ صرف اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو دین بنایا وہ ہمارے لئے قابلِ اتباع ہے بدعت کرنے والا خود دین کا موجد بن جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دین کا جو راستہ بتایا، اور جس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا۔ میں ان سے بڑھ کر دیندار ہوں، میں دین کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، تو یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے بلکہ اپنی خواہشِ نفس کی اتباع ہے۔

دین نام ہے اتباع کا

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ بات بٹھا دے کہ دین اصل میں

اللہ اور اللہ کے رسول کی اتباع کا نام ہے، اپنی طرف سے کوئی بات گھڑنے کا نام دین نہیں ہے ،عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک اتباع اور ابتداع، اتباع کے معنیٰ ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی پیروی کرنا۔ اور ابتداع کے معنیٰ ہیں اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کر کے اس کے پیچھے چل پڑنا۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ بنے تو سب سے پہلا جو خطبہ دیا۔ اس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ:

میں اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کا متبع ہوں، مبتدع نہیں۔ یعنی کوئی نیا راستہ ایجاد کرنے والا نہیں ہوں، لہٰذا ساری قیمت اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کی ہے، اپنی طرف سے جو بات کی جائے اس کا کوئی وزن کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

بدعت کی صحیح تعریف اور تشریح

ایک بات اور عرض کر دوں، جس کے بارے میں لوگ بکثرت پوچھا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب ہر نئی بات گمراہی ہے، تو یہ پنکھا بھی گمراہی ہے، یہ ٹیوب لائٹ بھی گمراہی ہے۔ یہ بس بھی یہ موٹر بھی گمراہی ہے، اسلئے کہ یہ چیزیں تو حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھیں، بعد میں پیدا ہوئی ہیں، ان کے استعمال کو بدعت کیوں نہیں کہتے؟

خوب سمجھ لیجئے، اللہ تعالیٰ نے بدعت کو جو ناجائز اور حرام قرار دیا، یہ وہ بدعت ہے جو دین کے اندر کوئی نئی بات نکال لی جائے، دین کا جز اور دین کا حصہ بنا لیا جائے کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے، مثلاً یہ کہنا کہ ایصالِ ثواب اس طرح ہوگا، جس طرح ہم نے بتا دیا یعنی تیسرے دن تیجہ ہوگا ،پھر دسواں ہوگا پھر چہلم ہوگا، اور جو اس طریقے سے ایصالِ ثواب نہ کرے وہ مردود ہے۔

میت کے گھر میں کھانا بنا کر بھیجو

حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں صدمہ ہو، تو دوسرے لوگوں کو چاہئے کی اس گھر میں کھانا تیار کر کے بھیجیں، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہوئے، تو آنحضرت ﷺ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ:

اصنعوا لآل ابی جعفر طعاماً فانه قد اتاهم امر شغلهم

(ابوداود، کتاب الجنائز، باصنعة الطعام لاهل الميت، حدیث نمبر ۳۱۳۲)

جعفر کے گھر والوں کے [illegible] بنا کر بھیجو، اس لئے کہ وہ بے چارے مشغول ہیں اور صدمہ کے اندر ہیں، تو حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے لئے [illegible] نا بناؤ جس کے گھر صدمہ ہو گیا

ہو، تاکہ وہ کھانا پکانے میں مشغول نہ ہو، ان کو صدمہ ہے۔

آجکل کی الٹی گنگا

آجکل کی الٹی گنگا یہ بہتی ہے کہ جس کے گھر میں صدمہ ہو وہ کھانا تیار کرے۔ اور نہ صرف یہ کہ کھانا تیار کرے، بلکہ دعوت کرے، شامیانے لگائے، دیگیں چڑھائے، اور اگر دعوت نہیں دے گا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی، یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ جو بیچارہ مرگیا ہے اس کو بھی نہیں بخشتے، اس کو بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، مثلاً یہ یوں کہتے ہیں کہ:

مرگیا مردود نہ فاتحہ نہ درود

اگر مرنے والے کے گھر میں دعوت نہ ہوئی تو پھر اس کی بخشش نہیں ہوگی، معاذ اللہ، اور پھر وہ دعوت بھی مرنے والوں کے ترکے میں سے ہوگی۔ جس میں اب سارے ورثاء کا حق ہوگیا، ان میں نابالغ بھی ہوتے ہیں، اور نابالغ کے مال کو ذرہ برابر بھی چھونا شرعاً حرام ہے، نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، پھر بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور جو شخص یہ سب کچھ نہ کرے وہ مردود ہے۔

دین کا حصہ بنانا بدعت ہے

لہٰذا دین کا حصہ بنا کر، لازم اور ضروری قرار دیکر دین میں جو چیز ایجاد کی جائے، وہ بدعت ہے، ہاں! اگر کوئی چیز دین کا حصہ نہیں ہے، بلکہ کسی نے اپنے استعمال اور آرام کے لئے کوئی چیز اختیار کرلی، مثلاً ہوا حاصل کرنے کے لئے پنکھا بنالیا، روشنی حاصل کرنے کے لئے بجلی استعمال کر لی، سفر کرنے کے لئے کار استعمال کرلی، یہ کوئی بدعت نہیں، کیونکہ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کہ مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے جو چاہے کرو، لیکن دین کا حصہ بنا کر، یا کسی غیر مستحب کو مستحب قرار دیکر، یا کسی غیر سنت کو سنت کہہ کر، یا کسی غیر واجب کو واجب کہہ کر جب کوئی نئی چیز ایجاد کی جائے تو وہ بدعت ہوگی اور حرام ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بدعت سے بھاگنا

حضراتِ صحابہ کرام بدعت سے انتہاء درجہ کا پرہیز کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے، اذان ہوگئی، ابھی جماعت نہیں کھڑی ہوئی تھی کہ اس مؤذن نے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے آواز دے دی ''الصلوٰۃ جامعۃ'' کہ نماز کھڑی ہو رہی ہے، آجاؤ، اور ایک مرتبہ شاید ''حی علی الصلوٰۃ'' بھی دو مرتبہ کہہ دیا تاکہ جو لوگ اب تک نہیں آئے ہیں، وہ جلدی سے آجائیں، جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ الفاظ سنے تو فوراً اپنے

ساتھیوں سے فرمایا کہ: اخرج بنا من عند هذا المبتدع

(سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی التثویب فی الفجر. حدیث نمبر ۱۹۸)

مجھے اس بدعتی کے پاس سے نکالو، اس لئے کہ یہ شخص بدعت کررہا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جواذان کا طریقہ بتایا تھا وہ تو ایک مرتبہ ہوتی ہے، اور وہ ہو چکی، دوبارہ اعلان کرنا یہ حضور ﷺ کا طریقہ نہیں، یہ طریقہ بدعت ہے، لہٰذا مجھے اس مسجد سے نکالو، میں جارہا ہوں۔

قیامت اور بدعت دونوں ڈرنے کی چیزیں ہیں

لہٰذا سرکارِ دو عالم ﷺ اس حدیث کے اندر جہاں اپنی امت کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ ایک لشکر صبح یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہونیوالا ہے، وہاں ساتھ ساتھ آنے والی گمراہیوں سے بچانے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: بدترین چیزیں وہ ہیں جو انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں، اور ان کو دین کا حصہ بنادیا ہے، جبکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دین کا وہ طریقہ نہیں بتایا، اس سے پرہیز کرو، ورنہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف لے جائے گی۔

ہمارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ کون؟

پھر اگلا جملہ ارشاد فرمایا کہ: انا اولیٰ بکل مومن من نفسه

میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں، یعنی انسان خود اپنی جان کا اتنا خیر خواہ نہیں ہوسکتا جتنا میں تمہارا خیر خواہ ہوں، جیسے باپ اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے کہ اپنے اوپر مشقتیں جھیل لے گا، لیکن اولاد کی تکلیف برداشت نہیں کرے گا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے تمہاری جان سے زیادہ قریب ہوں، جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں، وہ کوئی اپنے مفاد کی خاطر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ تمہارے فائدے کے لئے کہہ رہا ہوں اس لئے میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں یہ قوم گمراہی میں مبتلا ہوکر اپنے کو جہنم کا مستحق نہ بنالے، آگے فرمایا کہ:

من ترك مالا فلاهله، ومن ترك دينا او ضياعا فالیٰ وعلیٰ۔

یعنی آخرت میں تو میں تمہارا خیر خواہ ہوں ہی، دنیا کے اندر بھی یہ معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ مال بطورِ ترکہ کے چھوڑ گیا، تو وہ میراث اس کے گھر والوں کے لئے ہے شریعت کے مطابق وہ میراث آپس میں تقسیم کرلیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر قرضہ چھوڑ کر گیا ہے، اور ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے کہ اس سے قرضہ ادا کیا جاسکے یا ایسی اولاد چھوڑ گیا جس کی کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے، تو قرضے اور وہ اولاد میرے پاس لے آؤ، میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا، یہ سب

اس لئے فرمایا تا کہ یہ یقین ہو جائے کہ مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے تمہارا روپیہ پیسہ مطلوب نہیں ہے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں فرمایا کہ میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر جہنم سے روکنا چاہ رہا ہوں اور تم اس میں گرے جا رہے ہو، اور میں تمہیں بچا رہا ہوں کہ خدا کے لئے ان گناہوں سے باز آجاؤ خدا کے لئے ان بدعتوں سے باز آجاؤ تا کہ اس عذابِ جہنم سے نجات پا جاؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتہاء عن المعاصی، حدیث نمبر ۶۴۸۳)

صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب کہاں سے آیا؟

یہ حضور ﷺ کی وہ باتیں تھیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں انقلاب برپا کیا، اور ایسی تبدیلیاں لائیں کہ ایک ایک صحابی کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ جب بات دل سے نکلتی تھی، دل پر اثر کرتی تھیں، اس لئے سرکارِ دوعالم ﷺ کے ایک ایک جملے نے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں، آج ہم گھنٹوں تقریر کرتے ہیں گھنٹوں دین کی باتیں کرتے ہیں، لیکن کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آتا، کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا اس لئے بسا اوقات کہنا والا خود اس پر کار بند نہیں ہوتا اور ہمارے دل میں وہ جذبہ اور درد نہیں جس کی وجہ سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی باتوں سے صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہو آج بھی جتنا اثر براہِ راست کتاب اللہ کے کلمات میں ہے اور براہِ راست نبی کریم ﷺ کے کلمات میں ہے کتنی لچھے دار تقریریں کرلو، اس میں وہ اثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اہلِ بدعت کے شبہات کا جواب

بدعت کی ایک پہچان اور اس کی صحیح حقیقت سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد:

ایک پہچان بدعت کی بتلائے دیتا ہوں اور وہ یہ کہ جو بات قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس میں سے ایک سے بھی ثابت نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے، وہ بدعت ہے، اس کی پہچان کے بعد دیکھ لیجئے کہ ہمارے بھائیوں کے جو اعمال ہیں، مثلاً عرس کرنا فاتحہ دلانا، تخصیص اور تعین کو ضروری سمجھ کر ایصالِ ثواب کرنا وغیرہ وغیرہ، جتنے اعمال ہیں کسی اصل سے ثابت نہیں ہیں اور انکو دین سمجھ کر کیا جاتا ہے یا نہیں؟ اگر چہ خواص کا عقیدہ اس مسائل میں خراب نہیں، لیکن یہ فقہ حنفیہ کا مسئلہ ہے کہ جس مستحسن امر سے جب کہ مطلوب عند الشرع نہ ہو، عوام میں خرابی پھیلے تو خواص کو چاہیے کہ اس امر کو ترک کردیں، ہاں! اگر وہ امر مطلوب عند الشرع ہو اور اس میں کچھ گئے ہوں، تو منکرات کے مٹانے کی کوشش کریں گے اور امر کو نہ چھوڑیں گے، مثلاً ... رہ کے

ساتھ منکرات نہیں ہوں تو مشایعتِ جنازہ (جنازہ کے پیچھے چلنا) کو ترک نہ کریں گے، کیونکہ مشایعتِ جنازہ کی مطلوب عندالشرع نہیں ہے، پس ایصالِ ثواب میں مباح ہے اور چونکہ تعیین سے عوام میں خرابی پھیلتی ہے، اس لیے ہم تعین کو ترک کردیں گے، البتہ اگر ساری امت کا یہ عقیدہ ہو جائے کہ وہ تعیین کو ضروری نہ سمجھے تو اس کو بلکہ سب کو تعیین کی اجازت دے دیں گے، لیکن حالات موجودہ میں جب کہ اکثروں کا خیال ہے کہ خاص تاریخوں میں ثواب پہنچانے سے زیادہ مقبولیت ہوتی ہے اور یہ خلافِ شریعت ہے، کیسے اجازت دے دی جائے؟

ایصالِ ثواب کے لیے تاریخ مخصوص کرنا

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک وعظ میں میں نے ان رسوم کا بیان کیا، بعد وعظ کے ایک صاحب کہنے لگے کہ علماء کو ایسے مضامین نہ بیان کرنے چاہئیں کہ تفریقِ امت ہوتی ہے، میں نے کہا کہ ہمارا بیان کرنا تو آپ کے عمل کرنے پر موقوف ہے، جیسے لوگوں کے اعمال اور حالات ہوں گے، ویسا ہم بیان کریں گے، اگر لوگ ان اعمال کو چھوڑ دیں گے، تو ہم بھی اس قسم کے بیان کو چھوڑ دیں گے، تو تفریق کا الزام ان اعمال کے کرنے والوں پر ہے نہ کہ ہم پر۔ غرض یہ امور مطلوب عندالشرع نہیں اور ان سے خرابیاں بہت کچھ پھیل رہی ہیں، اس لیے ان کو ترک کردینا چاہیے، ایک تو تخصیص اور تعیین قابلِ ترک ہے، دوسرے جو صورتیں ایصالِ ثواب کی ایجاد کر رکھی ہیں وہ قابلِ ترک ہیں، مجھ سے ایک دیہاتی کہنے لگا کہ اگر ایصالِ ثواب کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو حرج ہی کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتی ہیں، کبھی روپے یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتیں؟

نیت کی اصلاح

اور ایک نیت کی اصلاح کرنا ضروری ہے، کیونکہ اکثر یہ نیت ہوتی ہے کہ ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے، تو صاحبو! اعتقاد کے فساد سے ہٹ کر اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیہ مٹھائی لے کے جائیں اور پیش کرنے کے بعد اس شخص سے کہیں کہ آپ میرے مقدمہ میں گواہی دے دیں، اندازہ کیجیے! یہ شخص کس قدر رنجیدہ ہو گا اور اس سے اس کو کیسی تکلیف ہوگی، پس جب اہلِ دنیا کو تکلیف ہوتی ہے، تو اہل اللہ کو اس سے زیادہ تکلیف ہوگی، پھر خصوصاً وفات کے بعد لطافت زیادہ بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہ قفسِ عنصری ٹوٹ جاتا ہے اور صرف روح ہی روح رہ جاتی ہے اور اس کا ادراک کامل ہو جاتا ہے، پس جس

وقت ان کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ یہ ہدیہ اس غرض سے پیش کیا گیا ہے، کس قدر ناگواری ہوتی ہوگی، اس کے علاوہ بھی کس قدر شرم کی بات ہے کہ اہل اللہ سے دنیا کے لئے تعلق اور محبت ہو، صاحبو! ان کے پاس دنیا کہاں ہے؟ ان سے دنیا کی امید رکھنا ایسی بات ہے جیسے کسی سنار سے کھرپا بنانے کی امید رکھنا، یا کسی حکیم سے یہ فرمائش کرنا کہ تم چل کر ہمارے گھر کی گھاس کھود دو، صاحبو! ہم کو حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی ؒ سے جو محبت ہے تو اس لئے کہ انہوں نے ہم کو راہِ ہدایت دکھلائی، اس کے مکافات میں ہم ان کو کچھ ثواب بخش دیں کہ ان کی روح خوش ہو اور اس کے خوش ہونے سے خدا تعالیٰ خوش ہو۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم لوگ ایصالِ ثواب سے منع نہیں کرتے، بلکہ اس کی اصلاح کرتے ہیں جس دن اصلاح عام ہو جائے گی، اس دن ہم یہ بھی نہ کہیں گے، مگر جب تک اصلاح نہ ہو، اس وقت تک ہم ضرور لا یجوز (جائز نہیں) کہتے رہیں گے، رہی بدنامی سو بحمد اللہ دین کو پھیلانے میں ہم کو اس کی بالکل پروا نہیں ہے، ہمارا وہ مذہب ہے

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامیت نزد عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

(تقویم الزیغ ص ۳۲۹)

بدعت کی مثال

بدعت کے بارے میں فرمایا کہ کوئی ظہر کی چار رکعت کے بجائے پانچ رکعت پڑھ لے، تو اس کی وہ چار رکعت بھی نہ ہوگی، حالانکہ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے کوئی برا کام تو کیا ہی نہیں! نماز ہی پڑھی ہے، بلکہ اور اچھا ہے کہ چار رکعت کے بجائے پانچ پڑھیں، پھر نماز کیوں نہ ہوئی؟ بات یہ ہے کہ اس نے قاعدہ کے خلاف کام کیا ہے، اس لئے چار رکعت بھی ضائع ہو گئی، جیسے لفافے پر کوئی بجائے ڈاک کے دو پیسے کے ٹکٹ کے کورٹ فیس کا ٹکٹ آٹھ آنہ کا لگا دے، تو خط بے رنگ ہو جائے گا، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے بجائے دو پیسے کے آٹھ آنے صرف کئے اور پھر بھی بے رنگ ہو گیا! لیکن چونکہ اس نے ٹکٹ کا استعمال غلط اور قاعدہ کے خلاف کیا، اس لئے آٹھ آنے کا ٹکٹ ضائع ہو گیا، اسی ٹکٹ کو اپنے موقع پر یعنی عدالت میں لگاتا تو کام کا ہوتا، اسی طرح ان پانچ

رکعتوں کو سمجھ لیجئے! مگر ان پانچ رکعتوں کے نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کرتا، لیکن اور بدعتوں کو ایسا نہیں سمجھتے، اس میں شبہ کرتے ہیں کہ صاحب! یہ تو نیک کام ہے، ان میں کیا برائی ہے؟

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا واقعہ

ایک شخص نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ تو ''لا الہ الا اللہ'' کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' کہنے سے روکتے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ اذان کے آخر میں ''لا الہ الا اللہ'' جو مؤذن کہتا ہے، اس کے جواب میں اکثر ناواقف ''محمد رسول اللہ'' بھی کہہ لیتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ اذان کا جواب کلماتِ اذان ہی میں دینا چاہئے، چنانچہ بعد کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کے چونکہ مؤذن ''محمد رسول اللہ'' کہتا نہیں ہے، اس لئے صرف ''لا الہ الا اللہ'' کہہ کر جواب بھی ختم کر دینا چاہئے، یہ مقصود تھا حضرت گنگوہیؒ کا، اس کو اس صورت میں پیش کیا گیا کہ صاحب! وہ تو کلمہ میں ''محمد رسول اللہ'' کہنے سے منع کرتے ہیں (نعوذ باللہ) اذان کا دین ہونا ظاہر ہے، اس کے احکام میں اپنی طرف سے زیادتی کرنا بھی بدعت ہے، اسی طرح ساری ممنوع بدعتیں دین کی ایک جیسی ہیں، فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ (مقالات حکمت دوات عبدیت حصہ سوم صفحہ: ۷)

بدعات کی قباحت

بدعت کے برا ہونے کا یہی راز ہے، مگر اس میں غور کیا جائے تو پھر بدعت کے معنیٰ میں تعجب نہ ہو روزمرّہ میں اس کی مثال دیکھئے! اگر کوئی صاحبِ مطبع گورنمنٹ کے قانون کو طبع کرے اور اخیر میں ایک دفعہ کا اضافہ کر دے اور وہ ملک وسلطنت کے لئے بھی بے حد مفید ہو تب بھی اس کو جرم سمجھا جائے گا اور یہ شخص سزا کے لائق ہوگا، پس جب قانون دنیا میں ایک دفعہ کا اضافہ جس کو شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں کیوں جرم نہ ہوگا (احسان التدبیر صفحہ: ۱۲)

خیر القرون کے بعد کی چیزیں

خیر القرون کے بعد جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ کہ ان کا سبب (وجہ) داعی بھی نیا ہے اور وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ان پر موقوف ہے) کہ بغیر ان کے مامور بہ (اللہ کے حکم) پر نہیں ہو سکتا ہے، جیسے کتبِ دینیہ کی تصنیف اور تدوین، مدرسوں اور خانقاہوں کی بناء، پر حضور ﷺ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی اور سبب داعی ان کا نیا ہے اور یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے، اس کے بعد سمجھئے کہ زمانہ خیریت

نشانہ میں دین کی حفاظت کے لئے وسائط محدثہ (نئے) میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی، تعلق مع اللہ یا دوسرے الفاظ میں نسبت سلسلہ سے حضرت نبوت کی برکت سے سب مشرف تھے ،قوتِ حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سنتے تھے، وہ سب پتھر پر نقش کی طرح یاد ہو جاتا تھا، سمجھ ایسی اعلیٰ پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں، پرہیز گاری و دین داری بھی غالب تھی۔

کتابوں کی تصنیف اور مدارس وخانقاہوں کی تعمیر

اس زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ آیا، غفلتیں بڑھ گئیں، قوی کمزور ہو گئے، خواہشات پر چلنے والوں اور عقل پرستوں کا غلبہ ہونے لگا، پس علماءِ امت کو دین کے ضائع ہونے کا بہت بڑا اندیشہ ہوا، پس اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ دین کی تجمیع اجزاء تدوین کی جائے، چنانچہ کتبِ دینیہ حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، عقائد میں لکھی گئیں اور ان کو پڑھانے کے لئے مدارس تعمیر کیے گئے ،اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت وابقاء کے لیے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اور اس لیے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی، بس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا نیا ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظت دین مامور بہ کی ہیں، بس یہ اعمال صورۃ بدعت ہیں، لیکن واقعہ میں نہیں بلکہ حسبِ قاعدہ، ''مقدمۃ الواجب واجب'' واجب ہیں

بدعات میں کیا چیزیں داخل ہیں

اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں، جن کا سبب پرانا ہے، جیسے مجالسِ میلاد مروجہ اور تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ دوسری بدعات کہ ان کا سبب پرانا ہے، مثلاً میلاد کے منعقد کرنے کا سبب نبی کی ولادت پر خوشی ہے اور یہ سبب حضور ﷺ کے زمانے میں موجود تھا، لیکن حضور ﷺ نے یا صحابہؓ نے یہ مجالس منعقد نہیں کی، کیا (نعوذ باللہ) صحابہؓ کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچی؟ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا، تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ منشاء ان کا موجود نہ تھا، لیکن جب کہ وجہ اور سبب موجود تھا ،تو پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی مجلسِ میلاد منعقد کی اور نہ صحابہؓ نے؟ پس جس چیز کو اس کے کرنے کا سبب موجود ہونے کے باوجود نہ حضور ﷺ نے کیا نہ صحابہؓ نے ایسی چیز کا حکم یہ کہ وہ بدعت صورۃً بھی اور معناً بھی اور حدیث (''من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد'' (مشکوٰۃ) ''جس نے ہمارے دینی امور میں کوئی نئی چیز پیدا کی جن کا دین سے تعلق نہیں وہ

مردود ہے'') میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں اور پہلی قسم ''مامنہ'' میں داخل ہو کر مقبول ہے، یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچاننے کا، اس سے تمام تر جزئیات کا حکم معلوم ہوسکتا ہے اور ان دو قسموں میں ایک اور فرق عجیب ہے کہ پہلی قسم کے تجویز کرنے والے خواص علماء ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے اور دوسری قسم کے تجویز کرنے والے عوام کالانعام ہوتے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ تصرفات کیا کرتے ہیں، چنانچہ میلاد شریف کی مجلس کو ایجاد ایک بادشاہ نے کیا ہے اس کا شمار عوام ہی میں ہے اور عوام ہی اب تک اس میں شرکت بھی کر رہے ہیں۔ (السرور صفحہ:۲۷)

بدعات کی تردید

ولادتِ نبی کو ''عید میلاد النبی'' کا عنوان دینے کا حکم

واضح رہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ خیر اعلیٰ ترین عبادت بلکہ ایمان کی روح ہے، آپ ﷺ کی ولادتِ طیبہ سے لے کر وفات تک کی زندگی کے ہر ہر شعبہ کے صحیح حالات و واقعات اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو امت کے سامنے پیش کرنا اور لوگوں میں ان کا بار بار تذکرہ کرنا بلاشبہ بہت بڑی سعادت اور حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کے نزول کا سبب ہے۔

سال بھر میں کوئی وقت اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں آپ ﷺ کی زندگی کے حالات کو بیان کرنے یا ان کے سننے کی کوئی ممانعت اور پابندی ہو، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ''ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو حضور ﷺ کے تذکرے کے لئے مخصوص کرنا اور اس میں مروجہ طریقے سے کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس، مسجد نبوی وغیرہ کے ماڈل بنا کر جشنِ میلاد منانا، آپ ﷺ کے تذکرے کے نام پر مرد وعورتوں کے ملاپ کی پروا کئے بغیر محفلیں مجلسیں منعقد کرنا، لوگوں کی تکلیفوں کا خیال کئے بغیر بڑے بڑے جلوس نکال کر سڑکیں بند کرنا، حضور ﷺ کی نعت پر مشتمل اشعار کو موسیقی اور دف و باجے کے ساتھ پڑھنا اور جابجا اس کی کیسٹیں بلند آواز سے چلانا، جگہ جگہ چراغاں کرنا، خصوصی کھانے اور حلوے اسی خاص تاریخ کو تقسیم کرکے ثواب کی امید رکھنا اور اس سب کو دین کا حصہ سمجھنا، پھر اس دن کو عید کا نام دینا اور اس دن باقاعدہ عید کی نماز پڑھنا وغیرہ'' کیا یہ سب حضور ﷺ، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور کیا ان سب قیودات کو دین کا حصہ سمجھ کر حضور ﷺ کا تذکرہ کرنا باعثِ رحمت اور دین کا حصہ رہتا بھی ہے یا اس کے برعکس دین سے نکل کر بدعت اور عذاب کا باعث بن جاتا ہے؟

واضح رہے کہ حضور ﷺ کے تذکرے کے ساتھ لگائی گئی مذکورہ بدعتوں میں سے کسی ایک

کا بھی ثبوت نہ تو خود حضور ﷺ سے ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ولادت کو اس طرح منایا ہو، نہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی ولادت کا دن اس طرح منایا ہے (باوجودیکہ عشق ومحبتِ نبوی میں وہ سب سے بڑھ کر اور کامل ومکمل تھے) اور نہ ہی خیر القرون اور سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے بلکہ چھ صدیاں گزرنے تک اس بدعت کا کہیں دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔

پھر ساتویں صدی ہجری کے شروع میں عالمِ اسلام پر عیسائیت کی یلغار ہوئی اور مسلمان اندرونی وخارجی انتشار کا شکار ہوئے، جس کے نتیجے میں اسلامی تصور اور مسلمانوں کا مزاج متاثر ہوا اور ان میں شکست خوردہ اقوام کی طرح احساسِ کمتری پیدا ہوگئی اور مسلمان اپنی ترقی کا راز غیروں کی پیروی میں سمجھنے لگے اور عمل سے زیادہ لفاظیوں کا رواج عام ہوا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ عیسائی اقوام اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کی یومِ پیدائش کے موقع پر خوشیاں مناتے ہیں اور مختلف قسم کی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اس وقت کے ایک حد سے گزرنے والا اور دین سے بے پرواہ بادشاہ'' ابوسعید مظفر الدین بن اربل کوکری المتوفی ۶۳۰ھ نے مسلمانوں کے اس مزاج کی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے اپنی سلطنت کو قائم رکھنے اور مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ۶۰۴ھ میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی ولادت کے عنوان سے ایک مجلس ۱۲ ربیع الاول کو منعقد کروائی اور اس کے انتظامات پر ایک بڑی رقم بیت المال سے خرچ کی۔ (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیه: ص: ۲۹۴، ۲۹۶ ط: مطبعة السنة المحمدية، قاهره)

''اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم'' میں اس اجمال کی تفصیل یوں کی گئی ہے:

''دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰؑ کے یومِ ولادت پر عید میلاد منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کردیا تھا...... اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالمِ اسلام کو روند ڈالا، ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی وخارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑگیا تھا، ادھر مسیحیت کا عالمِ اسلام پر فاتحانہ حملہ اور مسلمانوں میں مفتوح (شکست کھائی ہوئی) قوم کا سا احساسِ کمتری پیدا ہوا؛ اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی ﷺ کے ''یومِ ولادت'' کا جشن منانے لگی..... تاہم جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، امت کے مجموعی مزاج نے اسے قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے

امت نے اسے ''بدعت'' قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔''

(اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم ،ص:۹۱، ۹۲،عید میلاد النبی ،ط: مکتبہ لدھیانوی)

(نیز ملاحظہ ہو: اشرف الجواب: ص۱۰۳، مکتبہ رحمانیہ)

یہ تو اس بدعت کی ایجاد کا سبب تھا۔ پھر جب بادشاہ کو اپنی ایجاد کردہ اس بدعت کی ترویج کیلئے سندِ جواز کی ضرورت پڑی تو اس وقت کے چند درباری مولویوں نے اس کام میں بادشاہ کا ساتھ دیا جن میں سرِ فہرست ایک درباری مولوی ''ابوالخطاب عمر بن الحسن بن دحیہ'' تھا۔ جس نے بادشاہ کی اس نئی ایجاد کردہ بدعت کے جواز پر ایک مستقل کتاب ''التنویر فی مولد الدراج المنیر'' کے نام سے تصنیف کر دی اور اس کے بدلے میں بادشاہ سے ایک ہزار دینار انعام وصول کیا۔ مزید برآں بادشاہ کو کچھ ایسے افراد بھی مل گئے جو ان مجالس میں شرکت کر کے اس سے انعام وصول کرتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ محرم الحرام کے مہینہ سے ہی لوگ بادشاہ کے پاس جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے۔ شروع شروع میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ رہتا، مجلس سماع اور قوالی وغیرہ کا اہتمام ہوتا اور پھر ۱۲ تاریخ کو خصوصی مجلس کا انعقاد کیا جس میں بادشاہ خود شرکت کرتا اور صوفیوں کی قوالیاں سنتا اور خود بھی ان کے ساتھ رقص کرتا تھا، اس کے بعد تمام حاضرین اور نام نہاد صوفیاء کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا۔

(وفیات الاعیان و نباء ابناء الزمان لا بن خلکان ، رقم لترجمة :۵۴۷،مظفر الدین صاحب اربل : ۱۱۷/٤، ۱۱۹،ط:دار صادر ،بیروت)

یہ بادشاہ اور اسکی تائید کرنے والے مذکورہ عالم کیسے تھے؟ ان کے احوال اور چال وچلن کے بارے میں مؤرخین اور علماءِ جرح وتعدیل کی کیا رائے ہے؟ مختصراً اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے، چنانچہ ''القول المعتمد فی عمل المولود'' مذکورہ بادشاہ کے بارے میں لکھا ہے:

ایک بادشاہ تھا اپنے زمانے کے علماء کو حکم دیتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر ہی عمل کریں اور کسی اور کے مذہب کی پیروی نہ کریں یہاں تک کہ علماء کی ایک جماعت اس کی طرف مائل ہوگئی اور وہ نبی ﷺ کی ولادت کے لئے ربیع الاول میں محفل منعقد کرنے لگے اور یہ بادشاہوں میں پہلا شخص تھا جس نے اس عمل کو ایجاد کیا۔

(القول المتعمد فی عمل المولود للأمام احمد بن محمد البصری المالکی، بحوالہ: راہِ سنت، ص: ۱۵٤ ، بحث میلاد، ط: انجمن مدرسہ نصرة العلوم)

علامہ ابنِ حجر نے ابن النجار کے حوالے سے لسان المیز ان میں لکھا ہے کہ یہ شخص اعلیٰ درجہ کا کذاب تھا، ائمہ دین کی شان میں گستاخی کرنا اس کا شیوہ تھا، جھوٹ بولنے کا عادی اور گندی زبان کا مالک تھا، بڑا احمق اور متکبر تھا، دینی کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا۔

(لسان المیزان ،لا بن حجر : ۴/ ۲۹۲، ۲۹۶، رقم الترجمة : ۸۲۹، ط: اداة القرآن، وادارہ تالیفات اشرفیة.)

معلوم ہوا کہ عید میلا دالنبی منانے والے اور اس کی ترویج کرنے والا سب سے پہلا شخص جسے اس بدعت کا ''موجد'' بھی کہا جا سکتا ہے، وہ ایک آزادخیال بادشاہ تھا جس نے اپنے چند درباری علماء (جن کی حقیقت درج بالا سطور میں واضح ہو چکی ہے) کی مدد تائید سے اس بدعت کو ایجاد کیا اور سادہ لوح مسلمانوں میں نبی کریم ﷺ کے عشق اور دین کے نام پر اسکی خوب اشاعت کی، اس بات کا اقرار تو خود فریق مخالف کے علماء کو بھی ہے۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان بریلوی ایک عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے۔ اور ابن دحی نے اس کے لئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں۔'' (جاء الحق:۲/ ۲۳۶، ۲۳۷، بحث میلاد، ط: نعیمی کتب خانہ)

''راہِ سنت'' میں ہے

''......اور پھر تیس سال خلافتِ راشدہ کے گزرے ہیں اور پھر ایک سو دس ہجری تک صحابہ کرم کا دور رہا ہے، کم وبیش دو سو برس تک تبع تابعین کا زمانہ تھا۔ عشق ان میں کامل تھا، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت ﷺ کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کر سکتا تھا؟ اگر فریق مخالف ہمت کر کے ان سے یہ ثابت کردے تو چشم ماروشن دل ماشاد، کسی مسلمان کو اس سے بالکل اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن اگر فریقِ مخالف خیر القرون سے اس کا ثبوت پیش نہ کر سکے اور تا قیامت نہیں کر سکے گا تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے یہ مبارک اور کارِ ثواب عمل کیوں نہ ہوا؟......الخ''

(المنہاج الواضح (راہِ سنت) ص ۱۵۳، بحث میلاد: ط: انجمن مدرسہ نصرۃ العلوم)

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ محفل وعیدِ میلاد اور اس کے ساتھ وابستہ خرافات و بدعات جب سے ایجاد ہوئیں تب سے اب تک ہر زمانے کے اہلِ حق اور طبقہ علماء نے اس کی پُر زور مخالفت کی اور اظہارِ حق کے ارادے سے اس کی تردید میں مستقل کتابیں لکھیں۔

پھر دیکھا جائے تو عقلاً بھی مروجہ عید میلا دالنبی اسلامی نظریات و مزاج کے خلاف ہے، اس

لئے کہ اسلام نے تو مسلمانوں کا یہ مزاج بنایا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی آنحضرت ﷺ کی تابعداری کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں نہ یہ کہ وہ اتباعِ رسول کو چھوڑ کر چند مخصوص دنوں میں خوشی، غمی کی رسمیں منا کر باقی پوری زندگی خود کو آزاد سمجھنے لگیں، جیسا کہ اسلام سے پہلے دوسری قوموں کی حالت تھی کہ وہ شخصیت پرستی میں مبتلا ہو کر اپنے اصل دین واعمال سے محروم ہو گئے اور چند خاص دنوں میں اپنے بزرگوں کی سالگرہ منا کر خود کو کامل مومن اور متبع شریعت سمجھنے لگے۔ پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں کروڑوں ایسی عظیم الشان ہستیاں موجود ہیں کہ جن میں سے ایک ایک کا وجود ساری کائنات پر بھاری ہے۔ اب اگر اسلام ان ہستیوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کرنا چاہیے کہ اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحے کی بھی فرصت ہوتی؟

(ماخوذ از: اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم بتغییر، ص: ۹۱، ۹۲، ط: مکتبہ لدھیانوی)

مذکورہ بلا عبارات اور تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ''مروجہ عید میلاد النبی'' اور اس میں پائی جانے والی موجودہ خرافات، چراغاں، جلسے جلوس، موسیقی کے ساتھ پڑھے جانے والے اشعار اور ثواب سمجھ کر پکائے جانے والے مخصوص کھانوں وغیرہ کا اسلام اور شریعتِ مطہرہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ بدعت ساتویں صدی ہجری میں ایجاد ہوئی ہے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ اس میں مزید ایسی نئی نئی بدعات وخرافات کا اضافہ ہوتا چلا گیا ہے جن کے ثبوت نہ تو دلائل شرعیہ سے ہے نہ صحابہ کرام اس سے واقف تھے، نہ عقل ان کا تقاضہ کرتی ہے اور نہ ہی شریعتِ مطہرہ کے مزاج سے ان کی کوئی مطابقت ہے۔

۳ / (ج) جیسا کہ گزشتہ سطور میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ ساتویں صدی کی ابتدا میں ''میلاد النبی'' منانے کی رسم کے آغاز کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا ''محفلِ میلاد'' پر مزید نئی نئی باتوں کا اضافہ ہوتا رہا اور لوگ اپنی خواہشات کے مطابق اس میں اضافہ پر اضافہ کرتے چلے گئے، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ''میلاد النبی'' کو ''عید'' کا نام دے دیا گیا اور میلاد النبی کے موقع پر اسلامی عیدین سے بڑھ کر اہتمام کیا جانے لگا۔ تو اس بارے میں واضح رہے کہ ''جشنِ میلاد النبی'' کو ''عید'' کا نام دینا کئی وجوہات کی بناء پر درست نہیں: پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ''عید'' شریعتِ مطہرہ کی خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق صرف دو جگہ پر ہوتا ہے۔ ایک عید الفطر، دوسرا عید الاضحیٰ

،چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ سال میں دو دن خوشی مناتے ہیں اور اس میں کھیل کود کرتے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سے دن ہیں جنہیں تم مناتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ جاہلیت میں اسی طرح یہ ہم مناتے تھے، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کے بدلے تمہیں ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں: ایک عید الفطر، دوسرا عید الاضحیٰ۔

(ابوداود: ۱/۱۶۷، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ العیدین، ط: رحمانیۃ)

معلوم ہوا کہ ''عید'' کے لئے شریعت میں دو دن مقرر ہیں، ان دو کے علاوہ اگر تیسری کوئی عید ہوتی تو حضور ﷺ ضرور اس کا بھی ذکر فرماتے اور اپنی طرف سے کسی دن کو ''عید'' کہنا درست ہوتا تو حضرت عمرؓ یہودی پر نکیر نہ فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعۃ المبارک کو اگرچہ خود شریعت میں ''عید'' کہا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اسے کوئی ''عید جمعۃ المبارک'' نہیں کہتا، اس لئے ظاہری بات ہے کہ جمعہ کو جو عید کہا گیا ہے وہ عید کے خاص اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے نہیں کہا گیا بلکہ صرف خوشی اور عید کی طرح اہتمام کرانے اور اہمیت دلانے کے لئے حکماً عید فرمایا گیا ہے

اگر یومِ ولادت کو شرعاً خوشی منانا یا کوئی اور اہتمام کرنا مطلوب ہوتا تو حضور ﷺ خود یا کم از کم صحابہ کرامؓ میں سے ہی کوئی اسے عید کہہ دیتا، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کہا اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں، یا یہ کہ اس دن کو عید کہنا غلط ہے، یا یہ کہ نعوذ باللہ آج کے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے یومِ ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ دوسری بات ہی درحقیقت غلط ہے۔ لہٰذا اس دن کو ''عید'' کہنا درست نہیں ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم (ص: ۹۲، ۹۳، ط: مکتبہ لدھیانوی)

۲۔ یومِ ولادت کو ''عید'' کہنا درست نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے:

''..... لا تجعلوا قبری عیداً.''

(مشکوٰۃ: ص ۸۶، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الثانی، ط: قدیمی)

''..... کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔''

تو جب حضور ﷺ نے اپنی قبر مبارک پر ''عید'' کی طرح کے اجتماع کو منع فرمایا ہے اور اس کو عید منانے سے روکا ہے۔ تو کیا آپ کی ولادت پر (حالانکہ تحقیقی قول کے مطابق وتاریخ آپ کی وفات کی ہے) میلاد النبی کے نام پر مخلوط میلے لگانا اور آپ کے روضہ مبارک کی شبیہ بنا کر اس کے

گردطواف کرنا اور "یوم ولادت" کو "عید" کہنا قطعاً درست نہیں ہے بلکہ:

"یہ صاف دین میں تحریف ہے (یعنی دین کو بدلنا ہے)، اس لئے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی رائے سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔"

(اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم، ص:۹۳، ط: مکتبہ لدھیانوی)

عید میلاد النبی کی تردید کی ایک علمی تحقیق

آج کل بعض کم سمجھ مدعیانِ محبت نے حضور اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو بھی آپ کی ولادت کے زمانے کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور وہ بطورِ رسم کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کا ولادت کا یوم منانے لگے ہیں، جیسا کہ بعض مدعیانِ محبت حضرت حسینؓ نے یوم حسینؓ منانے کے لئے ماہِ محرم کی دسویں تاریخ کو خاص رکھا ہے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ایسی بابرکت چیز ہے کہ اس کو ہر وقت مسلمانوں کے دلوں میں سرایت کر جانا چاہئے تھا اور کوئی وقت آپ ﷺ کے تذکرہ سے فارغ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ پھر نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی ولادتِ شریفہ اور معراج شریف ہی کا ذکر قابلِ بیان ہے بلکہ آپ ﷺ کی ہر بات یہاں تک کہ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا اور طعام ولباس، اخلاق وعبادات، مجاہدات وریاضات، افعال واحکام اور امر ونواہی سب کا ہی تذکرہ کرنا مسلمان کے لئے نیکی اور باعثِ ثواب ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا حتیٰ کہ حوائجِ ضروریہ میں مشغول ہونا سب ہی عبادت ہے اور نماز روزہ وغیرہ احکامات کی تبلیغ وتعلیم بھی عبادت میں شامل ہے، اس لئے حضور ﷺ کے ان سب حالات کو بیان کرنا ذکرِ رسول میں داخل اور موجب برکت ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی کا ارشاد ہے کہ ہم تو ہر وقت ذکرِ میلاد کرتے ہیں۔ کیونکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پڑھتے رہتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ پیدا نہ ہوتے تو ہم کیوں پڑھتے؟ تو کلمہ طیبہ پڑھنا بھی آپ ﷺ کی ولادت کا ذکر کرنا ہے۔ غرضیکہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے اور آپ ﷺ کی ہر ادا کا ذکر ہونا چاہئے۔ کیونکہ محب کو محبوب کی ہر ادا پسند ہوتی ہے اور چونکہ احکامِ شرعیہ اور امر ونواہی بھی سب حضور ﷺ کے واسطے سے اور آپ ﷺ کے ہی طفیل امت کو عطا کئے گئے ہیں اس لئے احکام شرعیہ کا تذکرہ کرنا بھی آنحضرت ﷺ کا ہی تذکرہ کرنا ہے۔ صرف ولادتِ شریفہ ہی کو آنحضرت ﷺ کا تذکرہ سمجھنا بہت بڑی غلطی اور محبت کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اگر حضور ﷺ سے محبت ہے تو سمجھنا چاہئے کہ ذکرِ ولادت جس طرح آپ ﷺ کا ذکر ہے ایسا ہی احکامِ شرعیہ اور امر ونواہی کا ذکر بھی آپ ﷺ کا ذکر ہے۔

علامتِ محبت

محبت کی علامت بھی یہ ہے کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو۔ ولادتِ شریفہ کا بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا بھی، عادات اور عبادات کا بھی اور اس میں کسی مہینہ اور تاریخ اور مقام کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ دوسرے وظیفوں کی طرح روزمرہ اس کا وظیفہ ہونا چاہئے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اہل محرم کی طرح سال بھر میں مقررہ تاریخ پر یومِ میلاد منا لیا جائے اور اس کے بعد پھر کچھ نہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک غذا ہے یہ ہر وقت ہونا چاہئے، اس میں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ کے حالاتِ مبارکہ میں جو صحیح کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو ہمیشہ پڑھنا اور سننا اور آپ ﷺ کے ذکر کو اپنا وظیفہ بنانے کی ضرورت ہے حضرت حکیم الامت ؒ کی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' اس مقصد کے لئے بہت مفید اور بابرکت ہے۔

اظہارِ خوشی کا صحیح طریقہ

یہ تو واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ کے وجود باجود اور ولادتِ مبارکہ پر فرحت اور خوشی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اس فرحت کے اظہار کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

سو جاننا چاہیے کہ اس آیت (فبذالك فليفرحوا) کے مضمون پر جس طرح امت کیلئے عمل کرنا ضروری تھا۔ اس لئے اس فرحت کے اظہار کا طریقہ وہی صحیح ہوگا جس طریقہ پر خود آنحضور ﷺ نے اس فرحت وخوشی کو کس طریقہ سے ظاہر فرمایا ہے، کیا آپ کی سیرتِ مقدسہ یا آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کی سیرت میں کہیں اظہارِ مسرت کے اس طریقہ کا ذکر ملتا ہے جس کو آج کل کے بعض مدعیانِ محبت نے عیدِ میلاد کے نام سے ایجاد کیا ہے اور یومِ ولادت کو انہوں نے عید بنا لیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ آپ کے جانشین، خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ جو کہ حضور ﷺ کی صحبت مقدسہ کو اٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے منشاء (مقصد) مبارک کو سمجھتے تھے۔ آخر ان کی سمجھ میں اظہارِ مسرت کا یہ طریقہ کیوں نہیں آیا، جب کہ آنحضرت ﷺ کی محبت بھی ان حضرات کی دلوں میں سرایت کئے ہوئی تھی اور اتباع کے جذبہ سے ان کے قلوب بھرے ہوئے تھے۔ اسی طرح تابعین جن میں بڑے بڑے مجتہد ہوئے ہیں۔ ان کی نظر بھی یہاں تک کیوں نہیں پہنچی؟

بدعت اور سنت کے پہچاننے کا قاعدہ کلیہ

ظاہر ہے کہ ولادتِ نبی ﷺ باعثِ خوشی اور اظہارِ مسرت کا سبب ہے اور اسی خوشی کے

اظہار کے لئے آج کل نیا طریقہ ایجاد کیا گیا ہے کہ اس دن کو عید مناتے ہیں اور جلوس وغیرہ نکالتے ہیں اور یہ سب حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے بھی موجود تھا۔ جب خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشی اور مسرت کا اظہار نہیں کیا اور یوم ولادت کو عید نہیں بنایا، اس دن میں جلوس وغیرہ نہیں نکالا، تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شریعت میں اظہارِ خوشی کا یہ طریقہ درست نہیں ورنہ آپ ﷺ خود اور صحابہ کرام اس طریقہ پر اظہارِ خوشی کر کے اس کا جائز ہونا ضرور بتلا دیتے۔ یہی ایک دلیل کافی ہے اس عیدِ میلاد کے بدعت ہونے اور حدیث ''من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد'' (جس شخص نے ہمارے اس دن میں کوئی چیز ایجاد کی جو دین نہیں ہے وہ مردود ہے) میں داخل ہو کر واجب الرد ہونے کی۔

البتہ جس چیز کا سبب جدید ہو اور وہ چیز کسی ضروری امر کے لئے موقوف علیہ ہو کہ اس کے بغیر مامور بہ پر عمل نہ ہو سکتا ہو، جیسے کتبِ دینیہ کی تصنیف و تدوین اور مدارس و خانقاہ کی بنیاد و تعمیر کہ حضور ﷺ کے زمانے کے بعد ان کی ضرورت پیش آئی اور ان کا سبب جدید پیدا ہوا کیونکہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ کتب دینیہ اور مدارس و خانقاہوں کے بغیر اس کی حفاظت کی کوئی صورت نہیں تھی اسی لئے علمائے کرام نے حدیثِ اصول حدیثِ فقہ اصولِ فقہ اور عقائد کی کتابیں لکھیں اور ان کی تعلیم و تدریس کیلئے مدارس تعمیر کئے اور باطنی نسبت سلسلہ اور تعلق مع اللہ کے باقی رکھنے اور تربیت کے لئے مشائخ عظام نے خانقاہیں بنائیں، بہر حال یہ چیزیں وہ ہیں کہ جن کا سبب جدید ہو اور وہ سبب خیر القرون کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہے، اس لئے بظاہر نظر دیکھنے میں یہ چیزیں بدعت اور نئی معلوم ہوتیں ہیں لیکن واقع میں بدعت نہیں ہیں بلکہ حسبِ قاعدہ مقدمۃ الواجب، واجب قرار پائیں۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچاننے کا، اس سے تمام جزئیات مختلفہ کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔

رسمِ میلاد کی تردید دلائل سے

شریعت کے دلائل چار ہیں، کتاب و سنت، اجماع و قیاس، اول کتاب اللہ کو سمجھئے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ. (سورۃ الشوریٰ:۲۱)

یعنی ان کے لئے شرکاء ہیں کہ انہوں نے دین کی وہ بات مقرر کر دی جس کی اللہ نے

اجازت نہیں دی۔

یہ آیت صاف بتلا رہی کہ دین کی بات بدون اذنِ الٰہی یعنی بغیر دلیلِ شرعی کسی کو مقرر کرنا مذموم و مستنکر ہے۔ یہ تو دلیل کا کبریٰ ہے اور صغریٰ یہ ہے کہ عید میلاد کو دین کی بات سمجھ کر ہی بغیر دلیل کے مقرر کیا گیا ہے،

لہٰذا واضح رہے کہ عیدِ میلاد بدعت اور واجب الترک ہے۔

اب حدیث لیجئے، حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد

''جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شئی نکالے جو اس میں نہیں ہے پس وہ واجب الرد ہے''

اور مراد نئی شے سے وہ ہے جس کا سبب قدیم ہو اور پھر اس وقت اس پر عمل نہ کیا گیا ہو، باقی جس کا سبب جدید ہو اور وہ موقوف علیہ کسی کا مامور بہ ہو وہ بدعت میں داخل نہیں ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

اور یہ واضح رہے کہ عیدِ میلاد کا سبب خواہ ولادتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر خوشی اور مسرت ہو یا اسلام کی شوکت اور عظمت کا ظہار اس کا سبب بتلایا جائے۔ بہر حال ان میں سے جو بھی سبب قرار دیا جائے وہ قدیم ہے یعنی فرحت و سرور اور شوکت اسلام کے اظہار کی زمانہ خیر القرون میں بھی ضرورت تھی بلکہ اس وقت سے کچھ زیادہ ہی ضرورت تھی مگر حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ بلکہ خیر القرون کے زمانے میں کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نئی چیز اور بدعت ہے۔

دوسری حدیث

حضور ﷺ فرماتے ہیں ''میری قبر کو عید مت بناؤ''

اس حدیث میں غیرِ عید کو عید منانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قبر شریف پر عید کی طرح تاریخ معین کر کے اہتمام کے ساتھ جمع ہونا منع ہے اس لئے روضہ اقدس پر حاضری کے لئے کوئی خاص تاریخ معین نہیں ہے۔ آگے پیچھے قافلے جاتے ہیں اور زیارت کر کے چلے آتے ہیں نہ زیارت کی کوئی تاریخ معین ہے اور نہ اہتمام عید کا سا ہے۔ اس لئے اس سے قبر مبارک کی زیارت کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی بلکہ زیارت کا مستحب ہونا دوسری حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے۔ اول بطورِ مقدمہ کے جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف اور فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ جسدِ اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود مع تلبس الروح (روح کے تعلق کے ساتھ) اس کے

اندر تشریف فرما ہیں، کیونکہ آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے۔ حضور ﷺ کا جسد اطہر قبر مبارک میں روح مبارک سمیت محفوظ ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ زمین مبارک کا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک مع روح کے مَس (ملا ہوا ہے) کئے ہوئے ہیں وہ عرش سے بھی افضل ہے۔ کیونکہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ بیٹھے ہوئے تو نہیں، اس کو صرف اسی وجہ سے دوسرے مقامات پر فضیلت ہے کہ حق تعالیٰ کی تجلی گاہ ہے

اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مخلوق میں حضور ﷺ سے زیادہ کون تجلی گاہ الٰہی ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے قبر مبارک پر تمام مکانات سے زیادہ حق تعالیٰ کی تجلیات فائض ہوتی ہیں اس حیثیت سے بھی قبر مبارک کا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک ملا ہوا ہے عرش وغیرہ تمام جگہوں سے افضل ہے۔

یہ تو ایک مقدمہ ہوا کہ بقعہ شریف اور قبر شریف تمام مکانات سے افضل ہے۔ اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہٖ باقی ہے اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا اور ولادت اسی طرح معراج وغیرہ کے دن یقیناً باقی نہیں ہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے یعنی اس کو قرار نہیں ہوتا اور وہ بدلتا رہتا ہے اس لئے وہ دن جس میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی اب وہ بعینہٖ نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل لوٹتا ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہوا۔

اس کے بعد سمجھو کہ جب حضور ﷺ نے قبر مبارک کو عید بنانے کو منع فرما دیا اور اس کا عید بنانا ناجائز ہو گیا تو ان دنوں کا عید بنانا جو کہ بعینہٖ باقی نہیں ہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے اور جب اپنی طرف سے عید مکانی (یعنی قبر کی منانے) کو منع فرما دیا گیا تو عید زمانی خود کسی دن کو عید منانے سے کیوں منع نہیں کیا جائے گا۔ اس تقریر سے صراحۃً عید میلاد کا ناجائز ہو جانا ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ تو قرآن وحدیث سے اس عید میلاد کی ممانعت کا ثبوت تھا، اب رہا اجماع امت سو اس سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ امت کا کسی کام کے ترک پر متفق ہونا یہ اجماع ہوتا ہے عدم جواز پر۔ چنانچہ فقہاء نے جابجا اس قاعدہ سے استدلال کیا ہے اور اسی بنا پر نمازِ عیدین میں نہ اذان کہی جاتی ہے نہ تکبیر (اقامت) اگر یہ قاعدہ مسلم نہیں ہے تو کیا عیدین کی نماز میں اذان اور تکبیر کا اضافہ کر دینا جائز ہوگا اور اگر مسلم ہے تو اس قاعدہ سے اور جگہ بھی کام لینا چاہیے۔ جب زمان سابق میں جب تک کہ یہ عید میلاد ایجاد نہیں کی گئی تھی اس کے ترک پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عید میلاد ناجائز اور منع ہے۔ جیسا کہ عیدین کی نماز میں اذان اور تکبیر کا کہنا اسی دلیل سے ممنوع ہے اور بعد کے زمانہ میں اس عید

کو ایجاد کر کے اس اتفاق کو رفع نہیں کیا جاسکتا جو زمان سابق میں متحقق ہو چکا ہے ورنہ تو پھر آج اس زمانے میں کوئی شخص عیدین کی نماز میں اذان وتکبیر کا اضافہ کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس میں اختلاف ہو گیا اور اب زمان سابق کا وہ اتفاق رفع ہو گیا جو آج تک اس کے ترک پر چلا آرہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ذکر کی مجالس
(نعتوں اور بیانات کی صورت میں) قائم کرنا

آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر اور آپ ﷺ کے موئے مبارکہ لباس، نعلین شریفین اور آپ ﷺ کی نشست وبرخاست، خوردنوش، نوم ویقظہ وغیرہ کا حال بیان کرنا اور سننا مستحب اور نزولِ رحمت وبرکت کا موجب ہے! بلکہ آنحضرت ﷺ کی ذات وصفات کے ساتھ جس چیز کو بھی تھوڑی بہت مناسبت ہو، جیسے کہ آپ ﷺ کے نعلین شریفین کی خاک اور آپ ﷺ کا بول وبراز بلکہ آپ ﷺ کی سواری کے گدھے کے پیشاب وپسینہ کا ذکر بھی ثواب سے خالی نہیں، جب کہ احادیثِ صحیحہ اور روایات معتبرہ سے ثابت ہو، اور طریقہ ذکر بھی مطابقِ سنت ہو۔ ارشاد الطالبین میں محدث حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے حدیث نقل کی ہے: ''ان القول لا یقبل ما لم یعمل به و کلاهما لا یقبلان بدون النية والقول والعمل والنية لا تقبل ما لم توافق السنة'' سخن مقبول نیست بدوں عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدوں نیت وہر سہ مقبول نیستند کہ موافق سنت نباشد۔ (ص:۲۸)

یعنی۔ قول بلا عمل درست نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول وعمل) بلا صحیح نیت کے قبول نہ ہوں گے اور قول وعمل اور نیت مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہوں اور آیت کریمہ: ''لیبلوکم ایکم احسن عملاً'' کی تفسیر میں ہے:۔

"ذکروا فی تفسیر احسن عملا وجوها (احدها) أن یکون اخلص الاعمال واصوبها لان العمل اذا کان خالصا غیر صواب لم یقبل و کذلك اذا کان صوابا غیر خالص فالخالص ان یکون لوجه الله والصواب ان یکون علی السنة"۔

یعنی احسن عملاً سے مراد عمل مقبول ہے اور عمل مقبول وہ ہے جو خالص ہو۔ اور درست بھی ہو، اگر عمل خالص ہے مگر درست نہیں ہے، تو وہ مقبول نہیں ہے۔ عمل خالص وہ ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور درست وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔

(تفسیر کبیر، ج:۸، ص:۲۴۳/ العبودیہ، ص:۲۰۔۲۱)

اور حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

من عمل بلا اتباع سنة فباطل عمله۔ یعنی جو بھی عمل اتباعِ سنت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے۔ (الاعتصام، ج:۱،ص:۱۱۴)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے:

لا یستقیم قول وعمل ونية الا بموافقة السنة۔ یعنی کوئی قول اور عمل اور نیت درست نہیں، جب تک کہ رسول مقبول ﷺ کی سنت کے موافق نہ ہو۔ (تلبیس ابلیس، ص:۹)

اسی طرح غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: "لا یقبل قول بلا عمل ولا عمل بلا اخلاص واصابة السنة۔" (فتح ربانی، ج:۱،ص:۱۴) کوئی قول عمل کے بغیر قابلِ قبول نہیں اور کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور وہ سنت کے موافق نہ ہو۔

ولادت شریفہ کا ذکر بھی ایک عمل ہے اس کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے کہ بلا پابندی رواج، اور ماہ و تاریخ کی تعیین کے بغیر کسی ماہ میں کسی بھی تاریخ میں مجلس وعظ میں یا پڑھنے پڑھانے کے طور پر یا اپنی مجالس میں یا خود بخود آیات قرآنی اور روایات صحیحہ سمیت آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ کے صفات وکمالات اور معجزات وغیرہ کو بیان کیا جائے۔ اور واعظ ومقرر بھی باعمل اور متبع سنت اور سچا عاشقِ رسول اللہ ﷺ ہونا چاہئے۔

(آج کل رسمی مجالسِ میلاد میں لوگ جمع ہو کر جاہل شعراء کے قصائد اور مصنوعی اور من گھڑت روایات کو برعایت نغمہ وترنم پڑھتے ہیں اس میں بے نمازی وفاسق بھی ہوتے ہیں) اس مذکورہ طریقہ کو ضروری سمجھتے ہیں، یہ خلافِ سنت اور بدعت ہے، نہ صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ کرام میں سے کسی سے ثابت ہے۔ مجالس الابرار میں ہے: "ویستحب التکبیر فی طریق المصلی...... لکن لا علی هيئة الاجتماع والاتفاق فی الصوت ومراعات الانغام فان ذلك كله حرام "۔

عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر پڑھنا مستحب ہے لیکن نہ سب مل کر اور نہ بیک آواز نہ برعایت راگ راگنی، کیونکہ یہ سب حرام ہے۔ (م:۳۲،ص:۲۱۳)

دیکھئے تکبیر پڑھنا مستحب ہے، لیکن طریقۂ مذکورہ سے پڑھنا ثابت نہیں۔ اس لئے فقہاء ناجائز فرماتے ہیں۔ روایت ہے:

"عبدالله بن مسعود رضی الله عنه لما اخبر بالجماعة الذين كانوا يجلسون بعد المغرب وفيهم رجل يقول كبروا الله كذا وكذا وسبحوا الله كذا وكذا

وحمدوا اللہ کذا و کذا فیفعلون فحضرھم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ الذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم."

حضرت ابنِ مسعودؓ کو خبر پہنچی کہ چند لوگ بعد نمازِ مغرب مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ تکبیر، تسبیح اور تحمید اتنی اتنی مرتبہ پڑھو۔ سب مل کر پڑھنے لگتے ہیں تو آپؓ ان کے پاس پہنچے اور ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؓ نے بقسم انہیں فرمایا کہ تم لوگ ایک بہت تاریک بدعت میں پھنسے ہو یا یہ سمجھو کہ اصحاب محمد ﷺ سے بھی آگے بڑھ گئے۔ (کہ تم وہ کر رہے ہو جو صحابہ کو نہیں سوجھی) (الاعتصام، ج:۲،ص:۱۶۵۔ مجالس الابرار، م:۱۸،ص:۱۲۵)

تکبیرات پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، لیکن طریقہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے جلیل القدر صحابی نے بدعت ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ اسی طرح مروجہ مجالسِ میلاد کو سمجھنا چاہئے۔ حضرت علامہ ابن الحاجؒ فرماتے ہیں:۔

(الا تری) انھم لما خالفوا السنۃ المطھرۃ و فعلوا المولود لم یقتصروا علی فعلہ بل زادوا علیہ ما تقدم ذکرہ من الاباطیل المتعددۃ......الخ.

جب لوگوں نے (میلاد خوانوں نے) سنۃ مطہرہ کی مخالفت کی اور مولود مروّجہ کیا تو پھر ذکر میلاد پر بھی نہیں رُکے، بلکہ بہت سی ان باطل اور غلط باتوں کا اضافہ کرلیا جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ (المدخل، ج:۱،ص:۱۵۷)

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مذکور میلاد کے رواج کو بند کردینے کی تاکید فرمائی ہے۔ (مکتوب، ج:۲،۷۲،ص:۱۳۰)

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میلاد میں قیام

سوال: مجلسِ میلاد میں ذکرِ ولادت کے وقت قیام کیا جاتا ہے، اس کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب: یہ بھی بے اصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد و تابعین و تبع تابعین کے قول و فعل سے ثابت نہیں ہے تو اس کا التزام بھی بدعت ہے۔ سیرتِ شامی میں ہے کہ کچھ لوگوں کی

عادت ہوگئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذکرِ ولادت کے وقت آپ ﷺ کے لئے قیام کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مروّجہ مجلسِ میلاد کی طرح قیام بھی بے اصل ہے۔ اگر قیام کا مقصد ذکرِ ولادتِ شریفہ کی تعظیم ہے تو خطبوں اور وعظوں کی مجلس میں یا تفسیر قرآن واحادیث پڑھتے پڑھاتے گھنٹوں تک آپ ﷺ کی ولادت کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے اس وقت قیام کیوں نہیں کرتے؟

اگر قیام کرنے والوں کا اعتقاد ہو کہ مجلسِ میلاد میں آنحضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں یا تشریف آوری کا احتمال ہے اس لئے قیام کرتے ہیں، تو مذکورہ بالا مواقع مجلس میں آپ کیوں تشریف نہیں لاتے؟ اگر تشریف فرما ہوتے ہیں یا اس کا احتمال ہے تو پھر یہاں کیوں قیام نہیں کرتے۔ بہرحال ذکرِ میلاد کے وقت قیام کا التزام بدعت ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ترمذی شریف میں ہے: ''عن عبدالله بن مغفل قال سمعني ابي وانا في الصلوٰة اقول بسم الله الرحمن الرحيم فقال لي اي بني محدث اياك والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ابغض اليه الحدث في الاسلام يعني منه''۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بولے اے میرے پیارے بیٹے! یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہو۔ میں نے صحابہ کرام میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی چیز سے اس قدر عداوت رکھتے ہو جتنا بدعت سے رکھتے تھے۔ (ترمذی شریف، ج:۱، ص:۳۳، باب ما جاء في ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم)

ملاحظہ فرمایئے کہ بسم اللہ سراً (آہستہ) پڑھنے کے بجائے جہراً (زور سے) پڑھنے کو صحابی ناپسند فرماتے ہیں اور بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور استدلال فرماتے ہیں کہ:

وقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ومع ابي بكر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منهم يقولها فلا تقلها اذا انت صليت فقل الحمد لله رب العالمين.

یعنی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر، عثمان ہر ایک کے ساتھ نماز پڑھی ہے کہ کسی کو بسم اللہ بالجہر پڑھتے نہیں سنا۔ (ایضاً)

عن نافع ان رجلا عطس الى جنب ابن عمرؓ فقال الحمد لله وليس هكذا علمنا

رسول الله علمنا ان نقول الحمد لله علی کل حال.

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس پر اس نے کہا ’’الحمد لله والسلام علی رسول الله‘‘۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے والسلام علی رسول الله کے اضافہ کو ناپسند فرماتے ہوئے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس موقع پر صرف ’’الحمد لله علی کل حال‘‘ کہنے کی تعلیم فرمائی ہے اور بس۔ (ترمذی شریف، ص:۹۸، باب ما یقول العاطس اذا عطس)

جو صحابہؓ اس قدر زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتے کیا وہ قیام کے اضافہ کو گوارا کریں گے؟ ہر گز نہیں! خصوصاً ایسی حالت میں کہ ’’لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذلك‘‘۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر صحابہ بطورِ ادب کھڑے ہو جاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تکلف کو ناپسند فرمایا، لہٰذا صحابہ پھر کبھی کھڑے نہیں ہوئے۔ (شمائل ترمذی وغیرہ)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز در پے مصطفیٰ

نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ: آج کل عموماً مساجد میں نمازِ جمعہ کے بعد اور اس کے علاوہ اور اوقات میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج ہے۔ کیا اس کا ثبوت کتاب اللہ یا احادیثِ رسول ﷺ یا خیر القرون سے ہے؟ واضح رہے کہ صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنے والوں کو لعن طعن کیا جاتا ہے۔ فقط

الجواب باسمہ تعالیٰ

اس امتِ مرحومہ پر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے احسانات بے حد وبے حساب ہیں۔ آپ ﷺ نے کفر وشرک کی نجاست وغلاظت سے پاک کیا، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا صحیح راستہ امت کو بتلایا۔ انسان کی فلاح وکامیابی کا نسخہ کیمیا بغیر کمی بیشی کے اس تک پہنچایا، ہدایت وضلالت کا فرق واضح کیا، اور ایک ایسا ابدی نظامِ حیات عطاء فرمایا جس پر چل کر امت دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح وکامرانی حاصل کر سکتی ہے۔ وغیر ذلک

ایسے محسن کے احسانات کا بدلہ نہ دینا بہت بڑی ناشکری اور ناسپاسی تھی۔ لیکن امت کس

طرح بدلہ دے سکتی ہے؟ اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے؟ اس مقصد کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم فرمایا، درود شریف حقیقت میں نبی کریم ﷺ کے احسانات عظیمہ کا اقرار اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے تعلق کا اظہار اور آپ ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہ دے سکنے کا اعتراف ہے اسی لئے قرآن کریم میں اس کا حکم دیا گیا ہے، احادیث نبویہ (علی صاحبها الصلاة والسلام) میں اس کے فضائل وبرکات بیان کئے گئے (مشکوۃ المصابیح باب الصلوة علی النبی ﷺ، ج:۱، ص:۸۶ ونصہ:"من صلی علی واحدا صلی الله علیه عشرا") اور درود نہ بھیجنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ (حوالہ سابقہ۔ ونصہ:"رغم انف رجل ذکرت عنده فلم یصل علی) احادیث اس باب میں کثیر ہیں، فقہاءِ امت نے اس کے مستقل احکام بیان کئے ہیں۔

فقہاءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی زبان پر آئے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ (قال الطحاوی: تجب کلما ذکر، وجعل فی التحفة قول الطحاوی اصح، وهو المختار. صغیری شرح منیة المصلی لا براهیم بن محمد الحلبیؒ. صفة الصلوة، ص: ۱۷۶. ط: میر محمد)

(رد المحتار علی الدر المختار، ج:۱، ص:۵۱۷)

اس کے علاوہ عمر میں ایک مرتبہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا فرض ہے، نماز میں سنت ہے اور عام اوقات میں بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، مستحب ہے۔ (الدر المختار شرح تنویر الابصار لعلاء الدین محمد الحصکفیؒ (م ۱۰۸۸ھ)، ج:۱، ص:۵۱۸: وعبارته:" فتکون فرضاً فی العمر و واجباً کلما ذکر علی الصحیح.... وسنة فی الصلوة ومستحبة فی کل اوقات الامکان)

الغرض درود شریف پڑھنا بڑی نیکی کا کام اور بہت فضیلت وبرکت کی چیز ہے، البتہ اعمالِ حسنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی وقت قبول ہوں گے جب کہ ان کو اس طریقہ پر انجام دیا جائے جو طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اور ائمہ مجتہدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ثابت ہے، اگر اس طریقہ سے تجاوز کیا گیا اور خود ساختہ طریقے ایجاد کئے گئے، اسی طرح اعمال کے درجات کے طور پر مرتب کئے گئے تو بجائے اجر وثواب کے اعمال وگناہ کا اندیشہ ہے۔ دیکھئے نماز کس قدر اہم عبادت ہے جس کی فرضیت دین کا ایک رکن

ہے، لیکن اگر کوئی شخص نماز کو ان اوقات میں پڑھے جن کی ممانعت حدیث میں بیان کی گئی ہے یا بجائے پانچ نمازوں کے چھ نمازیں قرار دے لے، بتلایئے ایسے شخص کو کیا کہا جائے گا؟

''اتباعِ سنت''، اعمالِ حسنہ کی روح ہے اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتباعِ سنت سب سے زیادہ محبوب چیز تھی اور اس میں تھوڑی سی بھی تبدیلی کو یہ حضرات بہت بڑی مصیبت اور سنگین جرم شمار کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے۔ یعنی یہ امر ضروری نہ سمجھے کہ امام کے لئے سلام کے بعد داہنی طرف بیٹھنا ضروری ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو بائیں طرف بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ حدیث اس طرح ہے۔(عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال :لا یجعلن احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ یری حقاً.....الخ(مشکوۃ المصابیح .باب الدعاء فی التشھد .الفصل الاول، ج: ۱،ص: ۸۷)

اس کے ذیل میں علامہ طیبیؒ شارح مشکوۃ المصابیح لکھتے ہیں:وفیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ ومنکر؟(شرح الطیبی.باب الدعاء فی التشھد، ج:۲،ص: ۳۷٤ .ط ادراۃ القرآن کراتشی مرقاۃ المفاتیح، ج: ۲، ص: ۳۵۳. مکتبۃامدادیہ ملتان)

اس کا حاصل یہ کہ جو شخص کسی امرِ مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا(کہ شیطان نے اسے گمراہ کردیا) جب کسی امر مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ: اگر کوئی حکم سنت یا بدعت ہونے کے درمیان دائر ہو تو ترکِ سنت راجح ہوگا فعلِ بدعت کے مقابلے میں۔ چنانچہ درمختار میں ''باب مکروھات الصلاۃ'' میں لکھا ہے:وقلب الحصا للنھی الا لسجودھی التام فیرخص مرۃً وترکھا اولیٰ، قال الشامی قولہ وترکھا اولیٰ :لانہ اذا تردد الحکم بین سنۃٍ وبدعۃٍ کان ترک السنۃ راجحاً علیٰ فعل البدعۃ،(الدر الختار مع رد المحتار. کتاب الصلوٰۃ. مطلب اذا تردد الحکم بین سنہ وبدعۃ ......الخ. ۱/۶٤۲،)

فقہاءِ کرام نے اس بات پر بار بار تنبیہ کی ہے کہ عوام کسی غیر فرض کو فرض نہ بنالیں۔

قال فی الفتح: وقیده فی التحفة بکونه علیٰ وجه لا یعلم العوام ذلك کی لا یعتاد وا صومه فیظنه الجهال زیادة علیٰ رمضان. (رد المحتار علیٰ الدر المختار. کتاب الصوم. مبحث فی یوم الشك. ۲/۳۸۳،)

واضح رہے کہ کسی غیر فرض کو فرض سمجھنا اور اس کے نہ کرنے والے پر نکیر واعتراض کرنا بدعت ہے اور بدعت کا ارتکاب کرنا اسلام میں بدترین معصیت ہے۔ **اعاذنا الله منها۔**

جمعہ کی نماز کے بعد اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا جس کا آج کل بعض مساجد میں رواج ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ کرامؒ کسی سے ثابت نہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک جماعت کو مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپؓ نے ان کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں، حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی ﷺ جهراً وقال لهم ماأراکم الا مبتدعین (الدر المختار مع رد المحتار. کتاب الصلوة. باب مکروهات الصلوة .مطلب اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة .... الخ)واخرجه الدارمی فی مسنده(سنن الدارمی .للأمام عبد الله بن عبدالرحمن الدارمی (متوفی ۲۲۵ھ). باب فی کراهیة أخذ الرأئی: ج،۱ :ص،۶۸.ط: دار احیاء السنة النبویة)

بلند آواز سے درود پڑھنا

سوال: آج کل اکثر مسجدوں میں پیغمبروں کے نام پکار پکار کر سلام پڑھتے ہیں بعض حضور اکرم ﷺ کے نام سے سلام پکار کر پڑھتے ہیں یہ رواج کیسا ہے؟

جواب: اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا ثابت نہیں **(عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی جهرا وقال لهم ماارٰکم الا مبتدعین:**

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ سے نقل ہے کہ انہوں نے مسجد سے ایک جماعت کو نکالا جو بلند آواز سے **لا اله الا الله** پڑھ رہے تھے اور حضرت نبی ﷺ اکرم پر درود پڑھ رہے تھے اور فرمایا میں تم کو بدعتی ہی سمجھتا ہوں)(الشامی نعمانیہ، ج:۵،ص:۲۵۵) دور سے تو اس طرح پڑھا جائے جس طرح نماز میں درود شریف پڑھا جاتا ہے اور روضہ اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہو کر ہلکی درمیانی

آواز سے انتہائی ادب ومحبت کے ساتھ صیغہ مخاطب سے پڑھا جائے بلند آواز سے چلا کر وہاں بھی نہ پڑھا جائے۔(فتح القدیر،ص:۱۸،ج:۳)

جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین وترغیب

درور شریف سراً وجہراً دونوں طرح درست وثواب، درجات کی ترقی کا باعث اور موجب قرب ہے۔ جمعہ کے روز خصوصیت سے اس کی تاکید کی ہے، لیکن اجتماعی حیثیت سے جہراً پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ پانچوں وقت مسجد میں جمع ہوتے تھے، اوقاتِ نماز کے علاوہ بھی بکثرت حضر وسفر میں جمع ہونے کا موقع ملتا تھا، مگر کہیں ثابت نہیں کہ اجتماعاً جہراً پڑھنے کا معمول رہا ہو۔(الشامی نعمانیہ،ص:۲۵۵،ج:۵)

بعد نمازِ جمعہ مروجہ صلوٰۃ وسلام

حضرت نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہر مسلمان کی ذمہ واری ہے اور بڑی سعادت اورخوش نصیبی ہے(عن انس قال ،قال رسول الله ﷺ من صلی علیّ صلوٰۃً واحدۃً صلی الله علیہ عشر صلوٰات حطت عنه عشر خطیئات ورفعت له عشر درجات وفی روایة ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ اولیٰ الناس بی یوم القیامة اکثرھم علی صلوٰۃ) (مشکوٰۃ شریف ،ص:۸۶(مطبوعہ یاسر ندیم دیوبندی) باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

(ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! جو شخص میرے اوپر ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، دس خطائیں مٹاتے ہیں اوردس درجات بلند کرتے ہیں،اورایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے زیادہ قریب مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والے ہوں گے۔)

اور صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنا بڑی محرومی اور بدنصیبی ہے۔(ابنِ ماجہ،ص ۶۵)

سلف صالحین نے ہمیشہ صلوۃ وسلام کو اپنے معمولات میں رکھا ہے،اور رکھتے ہیں، مگر اس کیلئے کوئی ایسی صورت ازخود تجویز کرنا جس کا ثبوت شرعی دلائل سے نہ ہواوراس سے دوسروں کی نماز میں خلل بھی ہوتا ہو اور پھر اس کو ضروری سمجھ کر اس پر اصرار کرنا تو بدعت اور ممنوع ہے۔(السعایہ ص:۲/۲۶۵)

کسی نماز کے بعد حمد وصلوٰۃ حلقہ بنا کر پڑھنا

سوال: فجر میں دعا کے بعد کھڑے ہوکر حلقہ بنا کر یا نبی سلام علیک پڑھنا کیسا ہے؟ یا دعا

کے بعد فضائل بیان کرنا کیسا ہے؟ جبکہ فجر کا وقت ختم ہو گیا ہو؟

جواب: درود شریف کا یہ طریقہ قرآن کریم، حدیث شریف، صحابہ کرامؓ، محدثین عظامؒ اور دیگر سلف صالحین سے ثابت نہیں (الشامی نعمانیہ ص ۵/۲۵۵) ہر شخص یا جس کو توفیق ہو اپنی اپنی جگہ پر ''اللهمّ صلّ علیٰ سیّدنا و مولانا محمد وعلیٰ آله واصحابه وبارك وسلّم '' پڑھے تو بہت سعادت اور بہت خیر و برکت کی چیز ہے، یہ کھڑے ہو کر حلقہ بنا کر پڑھنا اس میں نمائش زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کو اخلاص پسند و قبول ہے۔ (صحیح بخاری شریف ص۹۶۲/ج۲) نمازِ فجر کے بعد جب سب لوگ فارغ ہو چکے تو دینی ضروریات فضائل و مسائل بیان کرنا اور تعلیم دینا بہت بہتر و مفید ہے۔

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ

سوال: بعض علماء صلوٰۃ یعنی (''صل الله علیك یا رسول الله'' یا ''حبیب الله'' الخ) کو پڑھانا نا جائز اور بدعت کہتے ہیں بجائے اس کے درودِ ابراہیمی کے پڑھنے ثواب اور زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں، اس لئے یہ بتائیں کہ صلوٰۃ مذکورہ درود کیسا ہے؟ اگر صلوٰۃ کا کسی حدیث کی کتاب میں ذکر ہے تو مہربانی کر کے اس کتاب کا حوالہ دیا جائے تا کہ ہم بھی اس گمراہی سے دور رہیں۔

جواب: درودِ ابراہیمی کا پڑھنا ہر جگہ سے درست اور موجب ثواب ہے۔ اور الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول الله کو مدینہ پاک میں حاضر ہو کر روضۂ اقدس ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے۔ (فتح القدیر ص۱۸۰، ۱۸۱/ج۳) دور سے اسی طرح پڑھنے سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اس طرح پڑھا جا رہا ہے، دل کا حال کسی کو معلوم نہیں، اس لئے احتیاط کرنا چاہئے۔ (الجنۃ لاھل السنۃ ص۳۰)

روضۂ اقدس کے فوٹو پر درود و سلام پڑھنا

سوال: میں نے عقیدت کی بناء پر حضرت رسول مقبول محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے روضۂ اقدس کے فوٹو کو فریم کر کے رکھ لیا ہے، جب کبھی اس پر نگاہ پڑتی ہے تو بے اختیار درود شریف پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہے، لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ معلوم نہیں میرا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

جواب: روضۂ اقدس کے نقشہ کو احترام کے ساتھ رکھنے اور اسکی زیارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور درود شریف تو بہت بڑی دولت و سعادت ہے، جس قدر پڑھا جائے، نور ہی نور

ہے، لیکن اس نقشے کو سامنے رکھ کر ایسا نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ اس نقشہ میں اصل قبر مبارک ذہن میں نہ بیٹھ جائے، اگر آپ اس سے محفوظ بھی رہے تو جن کو علم ہوگا کہ آپ اس نقشہ کو دیکھ کر درود وسلام پڑھا کرتے ہیں، ان کے مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، بت پرستی کی ابتداء اسی طرح ہوئی تھی۔(التفسیر المظہری ص ۸۶/ج ۱۰/ تحت سورۃ نوح) آپ اس طرح درود شریف پڑھیں کہ یہ تصور قائم ہو کہ ملائکہ ہمارے اس درود شریف کو حضور ﷺ کی بارگاہ عالی میں پیش کر دیتے ہیں یہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔(رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۸۷/ج ۱)

درود شریف کیلئے مجلس منعقد کرنا

سوال: ہفتہ واری یا ہفتہ میں دو یوم مجلس قائم کرنا کیسا ہے؟ اور اس میں خود شریک ہو کر درود خوانی کرنا کیسا ہے، صاف الفاظ میں جواب سے مطلع کیجئے؟

جواب: درود شریف اعلیٰ درجہ کی قربت اور بے شمار اجر وثواب کی چیز ہے۔ نیز امتی کے ذمہ حق لازم ہے۔ مگر اس کے لئے مستقلاً مجالس کا منعقد کرنا ثابت نہیں، اپنے اپنے طور پر شب وروز میں جس سے جس قدر ہو سکے درود شریف کا ہدیہ حضرت رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرے اور اس سعادت کو حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش میں لگا رہے، اس کے لئے مجلس منعقد کرنے کا ثبوت نہ حدیث شریف میں ہے، نہ آثارِ صحابہ میں ہے، نہ ائمہ اربعہ سے ثابت ہے۔ پس یہ کوئی شرعی چیز نہیں، جس طرح ایک سیاسی جلوس اور جھنڈے مختلف پارٹیاں نکالتی ہیں، اسی طرح یہ جلوس اور جھنڈا بھی شروع کر دیا گیا، کتب حدیث وفقہ میں یہ کہیں نہیں۔ اس کو ثواب اور قربت کی چیز سمجھنا غلط اور ممنوع ہے۔ لہٰذا کسی بھی غیر ثابت تاریخ، دن، ہفتہ، عدد وغیرہ کی تعیین اپنی طرف سے لازم کر دینا اور اس کو شرعی حکم قرار دینا اسی زد میں آجائے گا، درود شریف کی کثرت جمعہ کے دن اور شب جمعہ میں ثابت ہے۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۵،۶،۷/مطبوعہ بیروت، ابنِ ماجہ ص ۱۱۸/ کتاب الجنائز)

یا رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال: یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یا رسول اللہ کہنے میں بڑی تفصیل ہے بعض طریقے سے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے۔ بے شک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ قبر شریف کے پاس درود وسلام پڑھا جاتا ہے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ اور کسی دور دراز مقام سے صلوٰۃ وسلام بھیجا جائے تو فرشتے آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بالاسماء (بھیجنے والے کے نام کے ساتھ) پیش کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا

جواب دیتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے:من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی نائیا ابلغته ۔یعنی جوکوئی میری قبر کے پاس سے درود بھیجتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جوکوئی دور سے مجھ پر درود کار ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔(مشکوٰۃ شریف، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا، ص:۸۶)

دوسری حدیث میں ہے:۔ ان اللہ ملئکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (مشکوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا، ص:۸۷۔)

خدا تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کردی ہے جوزمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری اُمت کا صلوٰۃ وسلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نزدیک ہو یا دور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت یا رسول اللہ کہا جائے تو وہ جائز ہے۔مگر یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ دور سے پڑھے ہوئے درود وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں، خدا کی طرح بہ نفسِ نفیس سن لینے کا عقیدہ نہ رکھے۔

اسی طرح ''التحیات''میں ''السلام علیك ایھا النبی ''کہہ کر سلام پہنچایا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔نیز قرآن پاک پڑھتے وقت''یا ایھا المزمل ''عبادت کے طور پر پڑھا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔اس کو حاضر وناظر کی دلیل بنا لینا جہالت ہے۔نیز حاضر وناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوشِ محبت میں یا رسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے۔کبھی غایۂ محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر ناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لئے لفظ ندا بولتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔کبھی صرف تخیل کے طریقہ کے ساتھ شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں (شعراء تو دیواروں اور کھنڈرات کو مخاطب بناتے ہیں۔یہ ایک محاورہ ہے۔حاضر وناظر وغیرہ کا کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا۔البتہ بدوں صلوٰۃ وسلام حاضر ناظر جان کر حاجت روائی کے لئے اُٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ کہنا بے شک ناجائز اور ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد: (ادعونی استجب لکم)(سورۂ مؤمن)تم مجھے پکارو، میری عبادت کرو، میں تم سے غائب نہیں ہوں۔میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں اور تمہاری درخواست وعبادت قبول کرتا ہوں۔(تفسیرِ حقانی، ج:۶، ص:۱۹۱)

نیز حدیث شریف میں ہے:قال رجل یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو اللہ ندا وھو خلقك ۔یعنی ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا گناہ عند اللہ سب سے بڑا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو پکارنے

میں اوراس کی عبادت میں تو کسی کوشریک بنادے۔ یعنی خدا کی طرح اور کو پکارے حالانکہ تجھ کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حاجت روائی کے لئے یا رسول اللہ کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح دوسرے کو پکارے یہ بڑا گناہ ہے۔(مشکوٰۃ شریف۔ مظاہرِ حق ج:۱،ص:۴۱)

لہٰذا نشست و برخاست اور بوقتِ مصیبت یااللہ کہہ کر اپنے خالق و مالک اور رازق کو(جس کی شان 'علی کل شیء قدیرا'' اور ''بکل شیء علیم '' ہے)پکار کر مدد مانگنی چاہئے۔اور تمام حوائج اسی کی بارگاہ میں پیش کرنے چاہئیں۔ نہ یہ کہ یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث کہہ کر بالاستقلال حاجت روااور مشکل کشا سمجھ کران کو پکارے اوران کی خدمت میں حوائج کو پیش کرے۔ یہ تعلیمِ اسلام کے خلاف ہے حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

اے مخاطب! میں تجھ کومخلوق کے پاس دیکھ رہا ہوں نہ کہ خالق کے پاس! تو نفس اور مخلوق دونوں کا حق ادا کرتا ہےاورحق تعالیٰ کا حق ساقط کرتا ہے۔ یہ نعمتیں جن میں تو غرق ہے تجھ کوکس نے دی ہیں؟ کیا خدا کے سوا کسی دوسرے نے دی ہیں؟(الفتح الربانی،م:۴۳،ص:۲۸۵)

نیز وہ فرماتے ہیں:فلا تذهبن بهمتك الى احد من خلقه فى معافاتك فذالك اشراك منك به لا يملك معه فى ملكه احد شيئا. لا ضار ولا نافع ولا جالب ولا مسقم ولا مبلى ولا معافى ولا مبرى وغيره!

ترجمہ: بلا دفع کرنے کے لئے اپنی ہمت اوراپنی توجہ کسی مخلوق کے پاس مت لے جاؤ کہ یہ خداوند تعالیٰ کا شریک بنانا۔کوئی شخص اس کے ساتھ اس کی ملک میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، نہ نقصان کا اور نہ نفع پہنچانے والا ، نہ ہٹانے والا ، نہ بیمار اور نہ مبتلا کرنے والا ۔ نہ صحت اور نہ نجات دینے والا اس کے سوااور کوئی نہیں۔(فتوح الغیب مقالہ نمبر۵۹،ص:۱۵۰)

اورفرماتے ہیں: فليكن لك مسئول واحد ومعطى واحد وهمة واحدة وهو ربك عز وجل الذى نواصى الملوك بيده وقلوب الخلق بيده التى هى امراء الاجساد.

پس چاہئے کہ تمہارا مسؤل(جس سے تم مانگو)وہ واحد ہو۔عطا کرنے والا واحد ہو۔ہمت اور توجہ واحد ہو(پراگندہ نہ ہو)اور وہ تیرا رب ہے(عز وجل)جو کہ تمام بادشاہوں کے پیشانی کے بال اس کے دست قدرت میں ہیں تمام مخلوق کے دل جو جسموں کے حاکم ہوتے ہیں، اس کے قبضہ میں ہیں۔(فتوح الغیب مقالہ،ص:۵۸)

خلاصہ یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے چاہے نبی ہو یا ولی، حاظر وناظر اور حاجت روا

ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ حاضر و ناظر صرف خدا کی ذات ہے۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

حق سبحانہ وتعالیٰ بر احوال جزوی وکلی او مطلع ست وحاضر و ناظر! شرم باید کرد!

یعنی خداوند قدوس بندوں کے تمام جزوی وکلی اُمور پر خبردار اور مطلع اور حاضر و ناظر ہیں اس کے علاوہ کسی اور کے تصور سے ہمیں شرم کرنی چاہئے۔ (مکتوب نمبر ۸۷، ص: ۱۰۰)

''علی کل شیء قدیر'' اور ''بکل شیء محیط'' ''''حاضر و ناظر'' وغیرہ صرف اللہ پاک کے اوصاف ہیں ان میں کوئی شریک نہیں۔ حضرت شاہ ہدایت اللہ نقشبندی جیپوریؒ فرماتے ہیں، خدا تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یکتا ہے کوئی اس کی ذات وصفات اور اس کے افعال میں کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا۔ (معیار السلوک، ص: ۷)

اسی لئے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے اُستاذ سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ''توشیح'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اشخاص وہ ہیں جو اپنے حوائج اور مصیبت کے وقت اولیاء وانبیاء کو پکارتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی ارواح موجود ہیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری ضروریات کو خوب جانتی ہیں یہ بڑا شرک اور کھلی جہالت ہے۔ اور ملا حسین خباح ''مفتاح القلوب'' میں فرماتے ہیں:

واز کلمات کفر ست نداء کردن اموات غائبانہ بکمان آں کہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ ویا عبدالقادر ومانند آں!

یعنی جو بزرگ وفات پا چکے ہیں ان کو ہر جگہ حاضر و ناظر گمان کر کے غائبانہ نداء کرنا جیسے یا رسول اللہ، یا عبدالقادر وغیرہ، یہ کلمات کفریہ ہیں۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: من قال ارواح المشائخ حاضرۃ یکفر۔ یعنی جو کوئی کہے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے۔ (ج: ۳، ص: ۳۲۶، مع فتاویٰ عالمگیری)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ عقائدِ باطلہ کے بارے میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

انبیاء مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس وہر جا قدرت بر جمع مقدورات ثابت کنند۔

انبیاء اور رسول کے لئے لوازمِ اوہیت جیسے کہ عالم الغیب ہونا اور ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا الخ (یہ عقیدہ باطل ہے) (تفسیر فتح العزیز سورۂ بقرہ، ص: ۵۲)

بریلوی خیالات کے ایک بڑے عالم بھی مذکورہ بالا عقیدہ کے بارے میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سب جا (ہر جگہ) حاضر و ناظر بجز خدائے عز اسمہ کے کوئی نہیں۔ (انوار البھیہ فی الاستعانۃ من خیر البریہ ص:۱۲۴)

غرض یہ کہ یا رسول اللہ، یا غوث، وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا بیماری یا ہر کام اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں، جائز نہیں ہے! اگر اپنا یہ عقیدہ نہ ہو لیکن اوروں کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہو تب بھی جائز نہیں ہے کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وعلمہ اتم واحکم!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سنتے وقت انگوٹھا چومنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک سن کر یا لیکر درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور تاکید احادیثِ صحیحہ میں آئی ہے مشکوٰۃ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: البخيل الذى من ذكرت عنده فلم يصل علي۔ حقیقت میں بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (۸۷) اور فرمایا: رغم انف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي۔ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(ص ۸۶، باب الصلوٰۃ على النبى صلى الله عليه وسلم وفضلها)

نوٹ:۔ ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا یا سنا جائے تو اس کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر بعدہ مستحب ہے۔ (شامی مطلب فى وجوب الصلوٰۃ عليه كلما ذكر عليه الصلوٰۃ والسلام، ج:۱، ص:۵۱۶)۔ مگر تقبیلِ ابہام کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد۔ جو کوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق ہمارا فرمان نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔

(مسلم شریف، ج:۲، ص:۷۷، باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور)

عن نافع ان رجلا عطس الى جنب ابن عمر فقال الحمد لله والسلام على رسول الله فقال ابن عمرو انا اقول الحمد لله والسلام على رسول الله وليس هكذا علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا ان نقول الحمد لله على

کل حال. (ترمذی شریف، ج:۲،ص:۹۸، باب مایقول العاطس اذا عطس)

حضرت ابنِ عمرؓ کے سامنے ایک آدمی نے چھینک کر الحمدللہ کے ساتھ والسلام علی رسول اللّٰہ کی زیادتی کی تو ابنِ عمرؓ نے اس زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسی تعلیم نہیں دی، ہم کو تو چھینک کر صرف ''الحمد للہ علی کل حال'' کہنا سکھلایا۔ (ج:۲،ص:۹۸)

صرف اذان کے وقت جب مؤذن ''اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' کہے تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن کو آنکھ پر رکھنے کے متعلق بعض عالموں نے لکھا ہے مگر اول تو ایسی روایتوں کے حوالے لکھا ہے جو ضعیف ہیں جن سے استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ بطورِ عبادت نہیں، بلکہ اس کو آنکھ کے مرض کا علاج بتایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم کے طور پر نہیں !! (مقاصدِ حسنہ)

اب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم اور دین اور سنتِ مقصودہ سمجھ کر کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی سے طعن کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی مکروہ و منع ہے۔ اعتصام میں ہے: ثم اقتحمت الصحابة ترك سنة حذرا من اصله معروفا الا انه يتبدل الاعتقاد فيه مع طول العهد بالذكرى ۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض عمل فی نفسہٖ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں، مگر اس کی حیثیت بدل جانے یا بدل جانے کے اندیشہ کی وجہ سے وہ قابلِ ترک ہوتا ہے۔ (ج:۲،ص:۹۲)

دیکھئے! اُمورِ خیر کو جانب یمین سے شروع کرنا مستحب ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانے میں اس کا کافی اہتمام دیکھ کر واجب سمجھ لینے کے ڈر سے مکروہ ہونے کا حکم لگایا۔

قال ابن المنير فيه ان المندوبات قد تنقلب مكروهات اذا رفعت عن رتبتها لان التيامن مستحب فى كل شىء اى من اُمور العبادة لكن لما خشى ابن مسعود رضى الله عنه اى يعتقدوا وجوبه اشار الى كراهة. والله اعلم. (فتح البارى، شرح البخارى، ج:۲،ص: ۲۸۱)

وكل مباح ادى الى هذا فهو مكروه حتى افتى بعض الفقهاء حين شاع صوم ايام البيض فى زمانه بكراهته لئلا يؤدى الى اعتقاد الواجب مع ان صوم ايام البيض مستحب ۔ اور جو امر مباح اس حد تک پہنچ جائے کہ لوگ اس کو ضروری اور واجب کے درجہ میں سمجھنے لگیں اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنے لگیں، وہ مکروہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

بعض فقہاء نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا زیادہ اہتمام ہونے لگا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا، تاکہ واجب اعتقاد کر لینے تک نوبت نہ پہنچ جائے، باوجود یہ کہ ایامِ بیض کے روزے مستحب ہیں۔ (مجالس الابرار، م:۵۰، ص:۲۹۹)

فقہ کا متفقہ اور مسلمہ قانون ہے کہ مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ **واستنبط منه ان المندوب ينقلب مكروها اذا خيف ان يرفع عن رتبته.**

(مجمع البحار، ج:۲، ص:٤٤٢)

اگر کسی کی نیت واعتقاد غلط نہ ہو پھر بھی دوسروں کے عقیدہ کے فساد کے خوف سے اور اہلِ بدعت کی مشابہت کی وجہ سے منع کیا جائے گا، کیونکہ یہ تو بدعتیوں کا ایک شعار بن گیا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

مهما صارت السنة شعارا لاهل البدعة قلنا يتركها خوفا عن التشبه بهم.

جب کوئی سنت بدعتیوں کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کے ترک کرنے کا حکم دیں گے۔ (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۲۷۰)

آپ نے جو احادیث لکھی ہیں ان کے متعلق میں کچھ ذکر کروں بجائے اس کے مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تحقیق اور خلاصہ پیش کر دینا بہتر ہے وہ آپ اور آپ کے دوست احباب کے لئے زیادہ اطمینان بخش ہوگا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ

مسئلہ: (سوال) اکثر مخلوقِ خدا کا یہ طریق ہے کہ وقتِ اذان اور وقتِ فاتحہ خوانی یعنی پنجایت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اذان میں وقتِ استماعِ نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں۔ پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون ومؤکد جانے یا نفسِ ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیثِ ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے۔

اخرجه الديلمي في مسند الفردوس واورده الامام السخاوي في المقاصد الحسنة والعلامة خير الدين الرملي في حواشي البحر الرائق وذكره العلامة الجراحي

فـاطـال وبـعـد اللتيا و التي قال لم يصح في المرفوع من هذا شيء كما اثره المحقق الشامي في رد المختار۔

اور بعض کتبِ فقہ میں مثل جامع الرموز شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وشامی حاشیہ در مختار کے۔ اکثر ان میں مستندات علماء، طائفہ اسماعیلیہ سے ہیں۔ وضعِ ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ فاضل قہستانی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں:۔

واعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولىٰ من الشهادة الثانية صلى الله عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية منها قرة عيني بك يا رسول الله ثم قال اللهم بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين فانه صلى الله عليه وسلم يكون قائدا له الى الجنة كما في كنز العباد. انتهىٰ ۱۲.

رد المحتار حاشیہ در مختار میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں: ''ونحوه في الفتاوىٰ الصوفية'' پس حق اس میں اس قدر کہ وہ کوئی بامید زیادت روشنی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیتِ فعل وصحتِ حدیث وشناعتِ ترک اسے عمل میں لائے اس پر نظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے! خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں۔ (ابر المقال في استحسان قبلة الاجلال، ص: ۱۲.۱۰)

مذکورہ فتویٰ کا خلاصہ

مولوی احمد رضا خان صاحب کے نزدیک اذان کے علاوہ فاتحہ خوانی وغیرہ مواقع پر تقبیلِ ابہامین کا کسی کتاب سے ثبوت نہیں ہے، لہٰذا وہ مانتے ہیں کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اذان کے وقت بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مانتے اور چومنے کو مسنون اور حدیث کو صحیح کہنے والے کو اور سمجھنے والے کو نیز نہ چومنے والے کو برا ماننے والے کو غلطی پر سمجھتے اور مانتے ہیں۔ اذان کے وقت چومنے کی احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں اور شرائطِ ذیل سے چومنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(۱) مسنون کا عقیدہ نہ رکھے۔

(۲) اس کے متعلق جو حدیث وارد ہے اس کو صحیح نہ سمجھے۔

(۳) نہ چومنے کو برا نہ جانے۔

یہ ہے مسئلہ کی سچی حقیقت۔ جس کو سنی وہابی بلکہ اسلام وکفر کی علامت بنالی گئی ہے۔ افسوس صد افسوس۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

حیلۂ اسقاط کا شرعی حکم

سوال: ہمارے ملک میں مردہ پر سے نماز روزہ کے اسقاط کا یہ رواج ہے کہ دو سیر گندم اس پر ایک روپیہ اور قرآن مجید، یہ تینوں چیزوں کو ملا کر، دو تین آدمی جو کہ ان میں کوئی مسکین نہیں ہوتا ،آپس میں ملک وتملیک کرتے ہیں، یہ فقہ میں بھی مروجہ طریقہ ہے یا نہیں، اور جو شخص اس مروجہ طریقہ کا قائل نہ ہو اس کو ملامت کرنا اور اس پر دھبہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ طریقہ بدعت و بے اصل ہے صوم وصلوۃ وغیرہ میت کے ذمہ سے کچھ ساقط نہیں ہوتا ہے، اس سے اجتناب واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۴۷ رج ۴ر)

مصافحہ بعد الفجر والعصر

مصافحہ کی ترغیب وفضیلت احادیث میں موجود ہے، اس لحاظ سے یہ اسلامی کام ہے، اس کو اسلام ہی کی ہدایت کے مطابق انجام دینا چاہئے۔ شریعت نے اس کا وقت ابتداءِ ملاقات کے وقت تجویز کیا ہے، کسی نماز کے بعد کا وقت اس کے لئے تجویز نہیں کیا، پس نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرلینا خواہ اعتقاداً ہو یا عملاً ہی ہو یا اس وقت مصافحہ کے لئے کوئی مخصوص فضیلت تصور کرنا بلا دلیل ہے، اور ایک مطلق کو مقید کرنا ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں، جیسے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نماز کے بعد جب منہ پھیرتے تو داہنی یا بائی کسی جانب کو لازم نہ فرماتے۔

پس اگر کوئی شخص داہنی جانب کو لازم کرنے لگے تو بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ جس طرح کسی غیر ثابت خاص صورت کو اپنی طرف سے ایجاد کرنا یا لازم کرنا ممنوع ہے، علامہ ابنِ حجرؒ نے سلام کے بعد مصافحہ کو بدعت مکروہ قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ جو شخص ایسا کرے، اس کو پہلے منع کیا جائے، اور اگر نہ مانے تو سزا دی جائے۔ علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے بھی لکھا ہے کہ شریعت نے مصافحہ کے لئے نمازوں کے بعد کا وقت تجویز نہیں کیا، جو شخص ایسا کرے، اسکو منع کر دیا جائے، اور ڈانٹ دیا جائے۔ حنفیہ کی معتبر کتاب ''ملتقط'' سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ

ہے، چونکہ صحابہ کرامؓ نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا، اور یہ تو روافض کا طریقہ ہے، نیز سلف سے کہیں منقول نہیں۔ علامہ شامی حنفیؒ نے ان روایتوں کو ردالمحتار، ص ۲۴۴ رج ۵ رمیں لکھا ہے۔

علامہ ابنِ حجرؒ نے فتویٰ کبریٰ فقہیہ، ص ۲۵ ۴ ر ۴ رج ۴ رمیں لکھا ہے کہ یہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا بے اصل ہے، بدعت ہے، مکروہ ہے، جو شخص ایسا کرے اسکو پہلے منع کیا جائے، اگر نہ مانے تو تعزیر کی جائے یعنی سزا دی جائے، مالکیہ بھی اسکو تسلیم نہیں کر رہے ہیں جیسا کہ المدخل، ص ۲۸۸ رج ۲ رمیں ہے، حنفیہ بھی اس کو ممنوع لکھتے ہیں جیسا کہ مجالس الابرار، مجلس ۱/۸ شعۃ اللمعات، ص ۲۰ رج ۴ رعزیز الفتاویٰ، ص ۲۰۳ رج ا رمیں ہے۔

گیارھویں منانے کا حکم

سوال: گیارھویں ربیع الآخر کو چراغاں کیا جاتا ہے، مساجد میں روشنی کی جاتی ہے۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: مذکورہ شب میں چراغ اور مٹی کے دیئے جلانا اور دیوار کے طاقچہ میں دیہ رکھنے کی جو رسم ہے وہ بالکل ناجائز اور بدعت ہے اور دیوالی کی پوری نقل ہے۔ مساجد میں بھی نمازیوں کی ضرورت سے زیادہ رسماً رواجاً روشنی کرنا اسراف وحرام ہے اگر متولی مسجد کے مال میں سے کرے گا تو اس کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ شب براءت وغیرہ راتوں کا یہی حکم ہے۔

ان سراج السرج الكثيرة ليلة البراءة فى السكك والاسواق بدعة وكذا فى المساجد ويضمن القيم بل لو ذكره الواقف وشرطه لا يعتبر ذلك الشرط شرعا وان لم يكن من مال الوقف بل تبرع به يكون ذلك تبذيراً واضاعة المال والتبذير حرام بنص القرآن۔

یعنی شبِ براءت کو کوچوں اور بازاروں میں چراغ جلانا بدعت ہے اور ایسے ہی مسجدوں میں بھی اور متولی تاوان دے گا۔ بلکہ اگر وقف کرنے والا اس کا ذکر کر دے۔ اور شرط لگا دے تو اس شرط کا اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر یہ چراغاں وقف کے مال سے نہ ہو، بلکہ متولی اپنی طرف سے کرے تو یہ اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف از روئے نصِ قرآنی حرام ہے۔

(مجالس الابرار، م: ۲۴، ص: ۱۶۵)

سویم، چہلم، برسی وغیرہ کی شرعی حیثیت

کیا یہ روایت صحیح ہے؟

سوال: ایک روایت یہ لکھی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی روح کو ایصالِ ثواب کے لئے ان کی شہادت کے تیسرے روز، پھر دسویں روز، پھر چالیسویں روز اور پھر چھ ماہ بعد اور سال ختم ہونے پر ایسے افعال کئے تھے اور صحابہ بھی اس طرح ایصالِ ثواب کرتے تھے۔ (مجمع الروایات) کیا مذکورہ افعال واعمال حدیث صحیح سے ثابت ہیں؟

الجواب: مذکورہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، موضوع اور بے اصل ہے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر صریح بہتان ہے اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایصالِ ثواب کے لئے مذکورہ تاریخیں اور ایام مقرر کرنا سنت قرار پاتا اور ان ایام کو اس لئے فضیلت نصیب ہوتی حالانکہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ ''یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع'' (یعنی) اہلِ میت کے گھر خاص کر پہلے روز اور تیسرے روز اور ہفتہ بعد کھانا بنانے کی رسم مکروہ ہے۔ (ج:۱،ص:۸۱، باب الخامس والعشرون فی الجنائز)

اور امام نوویؒ کی شرح منہاج میں ہے: واطعام الطعام فی الایام المخصوصات کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة

(ترجمہ) مخصوص ایام میں کھانا کھلانے کا رواج مثلاً تیسرے روز، پانچویں روز اور دسویں روز بیسویں روز، چالیسویں روز یا چھ مہینے بعد اور برسی پر یہ سب بدعت ہے۔''

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفر السعادۃ اور مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام'' (ص:۳۷۳) (ج:۱،ص:۱۲۱)

(ترجمہ) مگر تیسرے روز (بطورِ زیارت) ''یہ خاص اجتماع کرنا اور دوسرے تکلفات کرنا اور یتامیٰ کے حق میں سے میت کی وصیت کے بغیر خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔'' (ایام کی تخصیص اور تکلفات کو بدعت فرمایا ہے اور یتامیٰ کی حق تلفی کو حرام ٹھہرایا ہے)

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ''وصیت نامہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وبعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسی ہیچ نکنند۔ (مالا بد منہ، ص:۱۶۰)

(ترجمہ) میری وفات کے بعد رُسوم دنیوی جیسے کہ دسواں، بیسواں، چالیسواں اور ششماہی اور برسی کچھ بھی نہ کریں۔

ہاں! تاریخ اور دن کی تخصیص اور تیسرے، دسویں، بیسویں، چالیسویں کی پابندی کے بغیر

کسی بھی تاریخ اور دن کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ممنوع نہیں ہے۔جب ایصالِ ثواب مقصود ہے تو دوسرے تیسرے دن تک کیوں ٹالا جائے۔موت (قضاء) کے پہلے روز سے ہی ایصالِ ثواب کے کام شروع کردیئے جائیں، خصوصاً میت کے روزے یا نمازیں قضاء ہوئی ہیں تو بلا کسی تاخیر کے ان کا فدیہ ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔حدیث شریف میں ہے کہ:

قبر میں میت کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے پانی میں ڈوبنے والے کی۔ثواب کا انتظار کرتا ہے کہ والدین، بھائی اور احباب کی طرف سے اسے کچھ پہنچے، جب ثواب پہنچتا ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔" (مشکوٰۃ،ص:۲۰۶)

لہٰذا جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد لوجہ اللہ اور طریقہ مسنونہ کے مطابق عبادات مالیہ و بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچائے، تیسرے، دسویں، بیسویں، چالیسویں، ششماہی اور برسی کا انتظار نہ کرے، اس میں میت کا صریح نقصان ہے اور مخالف سنت اُمور میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے کھانے کی شرعی حیثیت

ایک مسلم کی موت سے اس کے ولی ایک تاریخ معین کر کے اپنے عزیز و اقرباء اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ کھلانے کے لئے پکایا گیا ہے! اس میں امیر و غریب تمام کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا دونوں کے لئے الگ الگ پکانا ہوگا؟ تاریخ معین کرنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ دور دراز سے عزیز و اقربا باری باری آتے ہیں۔صاحبِ خانہ ملازم (نوکری کرنے والا) اور محنت پر گزارہ کرنے والا ہے۔ایسا کرنے میں اس غریب کا بہت خرچ ہوتا ہے۔لہٰذا بغیر کسی رواج کے محض بطورِ مہمان برائے تعزیت دعوت دے دیتے ہیں تاکہ ہمیشہ کے لئے اطمینان کے ساتھ سروس کر سکے۔اسی لئے یہ کیا جاتا ہے اگر کسی جگہ خبر موت نہیں لکھتے تو قطع رشتہ ہو جاتا ہے اس مجبوری سے یہ کرنا پڑتا ہے۔ایسا لکھنے میں شرعاً کوئی حرج ہے؟

الجواب: اہلِ میت خاص عزیز و اقرباء دوست و احباب وغیرہ کو خبر میت دے کر دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست کرے اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر یا خیرات کر کے ایصالِ ثواب کریں اور دعائے مغفرت کریں۔نیز مکتوب سے یا از خود آکر اہلِ میت کی تعزیت کر لے تو یہ جائز و مستحب ہے، منع نہیں ہے۔مگر قریہ قریہ دعوت دے کر برائے تعزیت (فاتحہ خوانی) ایک تاریخ کو جمع کرنا اور طعامِ میت کا دن منانا یہ رواج جائز نہیں ہے منع ہے۔مذکور رواج دوسرے مذہب کے لوگوں کے یہاں جو بارہویں ہوتی ہے اس کی نقل ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ"

کنا نری الاجتماع الی اہل المیت و صنع الطعام من النیاھہ ۔ (فتاوٰی شامی، ج:۲، ص:۲۴۰) ۔یعنی ہم (صحابہ) اہلِ میت کے ہاں جمع ہونے اور کھانے کے انتظام واہتمام کو نوحہ کے سلسلہ کی رسم سمجھتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ نوحہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔اسی لئے فقہائے کرام دعوتِ غمی کو ناجائز فرماتے ہیں۔

چند تصریحات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) فقیہ حافظ الدین ابن شہاب کرندیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں: ویکرہ اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبہ لانہا ایام غم فلا یلیق فیہا ما یختص باظہار السرور. (فتاویٰ بزازیہ ج:۳،ص:۳۷۹،مع فتاویٰ ہندیہ باب الخامس والعشرون فی الجنائز)

ایامِ مصیبت میں دعوت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ غم کے دن ہیں۔ جو کام اظہارِ خوشی کے لئے مخصوص ہوں وہ ان ایام کے لائق نہیں ہیں۔اسی طرح امام طاہر بخاریؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) نے خلاصہ الفتاویٰ میں اور امام کبیر سلطان الشریعہ فخر الدین اوزجندیل (المتوفی ۲۹۲ھ) نے فتاویٰ قاضی خان میں اور فقیہ سراج الدینؒ نے فتاویٰ سراجیہ ص:۷۵، میں اور علامہ ابن نجیم مصری (المتوفی ۹۶۹ھ) نے البحر الرائق ج:۲،ص:۱۹۲، میں اور فتاویٰ عالمگیری ج:۵،ص:۳۴۴، میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع (ج:۱ص:۱۸۱ایضا) یعنی اہلِ میت کے ہاں خاص اول دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنے کا رواج مکروہ ہے اس طرح ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے (مرقات المفاتیح ج:۵،ص:۴۹۲ میں اور فقیہ سید احمد (المتوفی ۱۲۴۳ھ) نے طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۶۰ میں نیز علامہ سید ابن عابدین (المتوفی ۱۲۵۲ء) شامی ج۱،ص:۸۴۲) میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۳) اور فقیہ علامہ شرنبلالی (المتوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ وتکرہ زیارة من اہل المیت لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور وھی بدعة مستقبحة (مراقی الفلاح ص:۱۲۰)

(۴) اور امام نوویؒ ''شرح منہاج'' میں تحریر فرماتے ہیں: واطعام الطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والعاشر والعشرین والاربعین وشہر السادس والسنة بدعة ۔یعنی خاص ایام میں کھانا کھلانے کا رواج جیسے کہ تیجہ کے دن اور پانچویں، نویں، دسویں، چالیسواں اور نیز ششماہی اور برسی پر یہ سب بدعت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) شرح سفر السعادة ص:۲۷۳ میں رواج مذکور کو

بے اصل بتلاتے ہیں۔

اور رضا خانی مولوی ابوالعلی امجد علی ''بہار شریعت'' میں لکھتے ہیں: میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز و بدعت قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے۔ نہ کہ غمی کے وقت اور اگر فقراء کو کھلائیں تو بہتر ہے۔ (بہار شریعت ج:۴، ص:۱۵۹)

خیرات کے سچے حق دار غرباء مساکین ہیں، مالدار کو ایصالِ ثواب میں شریک کرنا غرباء کی حق تلفی اور رواج جاہلیت کو عروج دینا ہے۔ بغیر پابندی رواج اور تاریخ و دن کو ضروری سمجھے بغیر کسی بھی تاریخ اور دن میں غربا محتاجوں کو کھلا کر یا امداد کر کے ایصال ثواب کر سکتے ہیں منع نہیں ہے۔ موت کے اول دن ہی حسب حیثیت خیرات کر دے (میت کے ترکہ سے کرے تو صغیر ورثاء کے حق میں سے نہ کرے۔ نیز بالغ حاضر ہو یا غیر حاضر اس کے حصہ میں سے اس کی اجازت کے بغیر خیرات کرنا جائز نہیں ہے) ایصالِ ثواب کے علاوہ نہایت ضروری یہ ہے کہ میت کے نماز روزے قضا ہوئے ہوں تو ان کا فدیہ دینے کی کوشش کریں۔

حدیث شریف میں ہے: ''ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقته کان احب الیه من الدنیا و ما فیها وان الله تعالیٰ لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وان هدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم''۔ یعنی مردہ قبر میں ڈوبنے والے غوطہ کھانے والے مدد کے خواہش مند کی طرح دعاء اور ثواب کا منتظر رہتا ہے۔ جو اس کو باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچے (وہ ایصالِ ثواب کی شکل ہو یا تلاوتِ قرآن اور درود پڑھ کر ثواب بخشنے کی شکل میں) جب دعا پہنچتی ہے وہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اہلِ دنیا کی دعا کے سبب اہلِ قبور پر پہاڑوں کے برابر اجر پہنچاتا ہے اور زندوں کا تحفہ مردوں کے لئے ان کا دعائے مغفرت مانگنا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار والتوبۃ)

لہٰذا جب تک ہو سکے تاکید سے لوجہِ اللہ اور طریقہ سنت کے مطابق ایصالِ ثواب کرے جس کام کو ریا و نمود و ناموری یا لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے یا آباء و اجداد کے رواج کو باقی رکھنے کے لئے کیا جائے اس کا نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ میت کو کچھ پہنچتا ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ (۱) خالص لوجہِ اللہ ہو۔ (۲) صواب (مطابقِ سنت) ہو۔

ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو عمل مقبول نہیں ہوتا۔ آیتِ کریمہ ''لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً'' کی تفسیر میں ہے: العمل اذا کان خالصا غیر صواب لمقبل وکذلك اذا کان صوابا غیر خالص فالخالص ان یکون لوجه الله والصواب ان یکون علی السنة ''۔ (تفسیر کبری ج:۸، ص:۲۴۳) یعنی جو عمل خالص ہو مگر صواب نہ ہو تو وہ مقبول نہیں اور جو عمل صواب ہو مگر خالص نہ ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور صواب ہو خالص وہ ہے جو لوجہ اللہ کیا جائے اور صواب وہ ہے جو مطابقِ سنت ہو۔ ارشاد الطالبین میں محدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل فرمائی ہے۔ ان القول لا یقبل مالم یعمل به وهما لا تقبلان بدون النية والقول والعمل والنية لم تقبل ما لم توافق السنة۔

سخن مقبول نیست بدون عمل کردن و ہر دو مقبول نیستند کہ موافق نباشد۔ یعنی قول بلا عمل مقبول نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول وعمل) بلا نیت کے مقبول نہ ہوں گے اور قول وعمل اور نیت کے ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہوں۔ (ص ۲۸)

تعیین تاریخ کی جو مصلحتیں بیان کی ہیں وہ شرعی حکم کے مقابلہ میں قابلِ توجہ نہیں ہیں نیز یہ مصالح اور ضرورتیں تیمارداری کے وقت بھی پیش ہوتی ہیں تو تیمارداری کے لئے بھی تعزیت کی طرح ایک دن متعین کر کے عزیز واقارب اور دوست واحباب کو دعوت دے کر بلا لینا چاہئے بار بار کی مصیبت اور تکالیف سے نجات مل جائے۔ ملازمت وسروس میں بھی نقصان نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مصائب اور پریشانیاں درپیش ہوتی ہیں وہ صرف منگھڑت رواج کی پابندی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ احکامِ شریعت اور سنتِ نبوی کی تابعداری میں راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق بخشے کہ دینوی واہیات رواجوں کو ترک کریں اور طریقۂ سنت کے تابعدار بنیں۔ آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عرس وبرسی کی شرعی حیثیت

سوال: بزرگانِ دین کے مزار اور خانقاہوں پر سال بھر میں ایک معین تاریخ یا یومِ وفات میں بنام عرس، برسی یا میلاد منایا جاتا ہے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا اجراً جزیلا۔

الجواب: زیارتِ قبور مسنون ہے، مزارات پر عبرت حاصل کرنے، دعائے مغفرت کرنے، فاتحہ خوانی وتلاوت قرآن وغیرہ کے لئے جانا اور بخشنا اور خیرات کرنا یہ سب جائز ہے منع

نہیں ہے۔ لیکن رسمی عرس جو یومِ وفات متعین کر کے اور اس کو شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے یہ ناجائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ اہلِ کتاب کا رواج ہے۔ اگر اسلامی رواج ہوتا تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مناتے۔ پھر دیگر انبیاء اور خلفاء راشدین کا ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لا تجعلوا قبری عیدا'' میری قبر کو عید (تہوار) مت بنائیو۔ (مشکوٰۃ، ص:۸۶، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا)

یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ کو جمع ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں اس طرح میری قبر پر جمع ہونا۔ عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص کر ہوتی ہیں:

(۱) تاریخ کو متعین کرنا۔ (۲) اجتماع۔ (۳) خوشیاں منانا۔ لہٰذا از روئے حدیث مزاروں پر ایک متعین تاریخ کو اجتماع کرنے کی اور رواجی خوشیاں منانے کی ممانعت ثابت ہوئی۔ اس لئے حدیث مذکور کی تشریح میں علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں:

لا تجتمعوا الزیارۃ اجتماعکم للعید فانہ یوم لھو وسرور وحال الزیارۃ بخلافہ وکان داب اھل الکتاب فاورثھم القسوۃ. (مجمع البحار، ج:۲، ص:۴۴۵)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لئے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے کیونکہ یومِ عید تو کھیل اور خوشی کا ہے اور زیارتِ قبر کی شان تو اس سے علیحدہ ہے۔ قبر پر عرس منانے کا رواج اہلِ کتاب کا ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے۔ (زیارتِ قبور کا مقصد عبرت حاصل کرنا تھا وہ فوت ہو گیا۔)

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کا دن یا تاریخ متعین نہیں ہے، سال کے درمیان کتنے ہی مشتاق کسی بھی تاریخ کو آتے رہتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر عرس واجتماع نہیں ہوتا تو دیگر بزرگانِ دین کے مزاروں پر کیونکر جائز ہوتا ہے؟ اسی لئے بزرگانِ دین، محدثین، فقہائے کرام نے صریح الفاظ میں رواجی عرس کو ناجائز بتلایا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مرزا مظہر جانجاںؒ کے خاص خلیفہ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

لا یجوز ما یفعلہ الجھال بقبر الاولیاء والشھداء من السجود والطواف حولھا

واتخاذ السروج الیها ومن اجتماع بعدالحول کالعباد ویسمونه عرسا.

یعنی جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں پر سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں پر جمع ہو جانا جس کو عرس کا نام دیتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مقرر ساختن روز عرس جائز نیست، یعنی عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں۔ (مسائل اربعین، ص:۴۲)

اور مجالس الابرار میں ہے

"ونهی عن اتخاذها عیدا وهم یخالفون هو یتخذونها عیدا او یجتمعون لها کما یجتمعون للعید او اکثر"۔ اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا اور حال یہ ہے کہ وہ مخالفت کرتے اور میلہ مانتے ہیں اور اس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (م:۱۷، ص:۱۸)

ان تمام کتابوں کو بریلوی علماء قابلِ اعتماد اور ان کے مصنفین کو مذہبی امام مانتے ہیں، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ اعتقادی خرابی کے علاوہ رواجی عرس کی عملی خرابی بھی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بریلوی علماء بھی عرس میں نہ جانے کا فتویٰ دینے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ دیکھئے مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب عرس کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"مگر بہتر یہ ہے کہ زیارتِ پیران کلیر واجمیر وغیرہ کو میلوں کی طرح جانا چاہئے کہ میلوں میں بدعات وامور نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے کا قابو نہیں رکھتے اور اولیاء کرام کے دربار میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت ہے۔

(مجمع المسائل، ج:۱ ص:۱۱۰) واللہ اعلم بالصواب۔

طبلہ، ڈھول اور قوالی کی شرعی حیثیت

سوال: شادی کی مجالس میں، خاص کر بزرگانِ دین کے مزارات پر طبلہ باجہ سمیت قوالی ہوتی ہے اور لوگ اس کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قوالی، طبلہ، باجا وغیرہ قطعی حرام ہے۔ مسند ابن ابی الدینار میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخیر زمانہ میں اس امت میں سے ایک قوم بندر اور خنزیر بن جائے گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: پھر اس سزا کی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: وہ بجانے اور گانے کا پیشہ اختیار کریں گے۔ مزید فرمایا: استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ فیها کفر۔

ترجمہ: باجے کی آواز سننا گناہ ہے، وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ (نصاب الاحتساب، ج: ۵۲، ص: ۱۰۳. درمختار مع الشامی ج: ۵، ص: ۳۰۶، کتاب الحظر والاباحة)

ابنِ ماجہ میں ایک حدیث ہے:

ترجمہ:

صفوان ابنِ امیہؓ نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ: ''عمرو بن قرہ'' آئے اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میری قسمت میں بدنصیبی لکھ دی گئی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری روزی اسی میں ہے کہ اپنی ہتھیلی سے دف بجاؤں اب آپ اس کی بھی اجازت دے دیجئے کہ میں ایسے گانے گایا کروں جن میں فحش باتیں نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا نہ میری نظر میں تمہاری عزت ہے نہ تم سے مل کر مجھے خوشی ہوسکتی ہے۔ دشمنِ خدا تو جھوٹ کہتا ہے خدا نے تجھ کو رزق حلال دیا لیکن تو نے حلال چھوڑ کر حرام رزق اختیار کیا اگر اس سے پہلے میں نے منع کر دیا ہوتا تو میں اس وقت تجھے ضرور سزا دیتا اُٹھ میرے پاس سے، دور ہوجا، توبہ کر اللہ سے اور سن لے، جب میں تنبیہ کر چکا ہوں اس کے بعد اگر تو نے یہ کام کیا تو میں تجھے بہت سخت مار ماروں گا اور تیری صورت بگاڑنے کے لئے تیرا سر منڈوا دوں گا۔ اور تجھے تیرے گھر والوں کے پاس سے نکلوا دوں گا اور مدینہ کے نوجوان کو اجازت دوں گا کہ تیرا سامان لوٹ لیں۔ (یہ سن کر) عمرو بن قرہ اٹھا اور خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں کتنی بدی ہوگی اور کتنی رسوائی اور شرمندگی وہ محسوس کر رہا ہوگا۔ جب وہ چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ نافرمان ہیں۔ اللہ کے حکم سے اعراض کرنے والے ہیں ان میں سے جو شخص بلا توبہ مرجائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اسی حال میں اٹھائے گا جس حال میں دنیا میں تھا۔ کہ مخنث ہوگا۔ اس کا بدن ننگا ہوگا۔ کپڑے کا پھندنا (معمولی سا ٹکڑا) بھی اسکے ستر کے لئے نہ ہوگا جو اس کو لوگوں کی نظروں سے چھپا سکے۔ جب جب وہ کھڑا ہوگا پچھاڑ کھا کر گر جائے گا۔ (ص: ۱۹۱، باقی ہے)

بغیر آلۂ سرود (طبلہ باجہ وغیرہ) صرف ذوقاً شوقاً قوالی کا ہونا بھی (جائز نہیں ہے) اس کے ساتھ عورتوں کی حاضری وغیرہ جس طرح بڑھتی جائیگی اسی طرح گناہ لعنت، پھٹکار اور قہر وغضب بڑھتا

جائے گا۔ (معاذ اللہ) مسند ابنِ ابی الدینار اور طبرانی وغیرہ میں حضرت امامہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے مجھے دینِ حق دے کر بھیجا، جوکوئی اپنی آواز گانے کے لئے بلند کرتا ہے۔ خداپاک اس پر دوشیطان مقرر فرمادیتے ہیں وہ اس کے کندھے پر بیٹھ کر اس کے خاموش ہونے تک اس کے سینہ میں لاتیں مارتے رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ:

''الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع''۔ (ترجمہ) گانادل میں نفاق اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔ (مشکوٰۃ، ص:۴۱۱)

حضرت فضیل ابنِ عیاض فرماتے ہیں: ''الغناء رقیۃ الزنا''۔ (ترجمہ) راگ زنا کا رقیہ (منتر) ہے۔ (تلبیسِ ابلیس ابن جوزی، ص: ۳۳۸)

فاقبل سلیمان فقال هدر الجمل فضبعت الناقة وهب التیس فسکرت الشاة هدر الحمام فرافقت الحمامة وغنی الرجل فطربت المرأة ثم امر به فخصی.

(ترجمہ) سلیمان ابنِ عبدالملک آئے انہوں نے فرمایا: ''اُونٹ بڑبڑاتا ہے تو اونٹنی وجد میں آتی ہے۔ بکرا جوشِ شہوت میں آکر آواز نکالتا ہے تو بکری درپے رقص وسرود ہوتی ہے۔ کبوتر اپنی مخصوص آواز نکالتا ہے تو کبوتری پرخوشی طاری ہوجاتی ہے اور جب مرد گنگناتا ہے تو عورت پرنشہ ونشاط سا چھا جاتا ہے۔ یہ فرمایا پھر آپ نے حکم دیا جس کی تعمیل میں مغنی کوخصی کردیا گیا۔'' (تلبیس ابلیس ص:۳۴۴)

ایک بزرگ کا قول ہے: ایاك والغنی فانه یزید الشهوة ویدهم المروة ۔ گانے بجانے سے بچو کہ یہ شہوت کو بڑھاتا ہے اور مروت کا جنازہ نکالتا ہے۔

غوث الاعظم حضرت عبدالقادر فرماتے ہیں: فکیف بالشعر والغزل والامور المهیجة لطباع الناس من ذکر صفات العشاق والمعشوقین ودقائق صفات المحبة والمیل والصفات والمشتهیات التی تشوق النفس الی سماعها فتهیج دواعی السماع وتثیر طبعه الی المحارم فلا یجوز لاحد: لسماع ذلك وان قال قائل انی اسمعها علی معان اسلم فیها عند الله تعالیٰ کذبناه لان الشرع لم یفرق بین ذلك ولو جاز لاحد جاز للأنبیاء علهیم السلام.

ترجمہ: نغمہ وراگ سے شعر وغزل پڑھنا اور وہ چیزیں جو طبیعت کو اُبھارتی ہیں یا عاشق ومعشوق کی صفت بیان کرنا اور دوستی ومحبت اور اشتیاق کا اظہار اور اس کو خوش الحانی سے گانے سے اور اسی طرح سننے سے قلب انسانی میں شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ شوق حرام کی طرف رغبت دلاتا

ہے۔اس بناء پر کسی کے لئے اس قسم کا گانا اور آواز سننا جائز نہیں۔کوئی کہے کہ گانا سن کر میں یادِ الٰہی میں جذب وکشش پا کر مشغول رہتا ہوں تو یہ صریح جھوٹ ہے کہ شریعت نے ممنوع کام میں کوئی راز نہیں رکھا۔ اگر کسی کے لئے یہ سننا جائز ہوتا تو پیغمبر اس کے زیادہ حق دار تھے۔ (غنیۃ الطالبین، ج:۱،ص:۲٦)

واما مذهب ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ فعن ابی الطیب الطبری قال کان ابو حنیفة یکره الغناء مع اباحة الشرب النبیذ و یجعل سماع الغناء من الذنوب.

حضرت امام اعظمؒ نے غناء سننے کو حرام قرار دیا ہے۔(تلبیس ابلیس،ص:۳۳۷)

واما مذهب الشافعیؒ فحدثنا الحسن بن عبدالعزیز الجروی قال سمعت محمد بن ادریس الشافعی یقول خلفت بالعراق شیئا احدثته الزنادقة یسمونه التغیر یشتغلون به الناس من القرآن.

ترجمہ: حسن ابنِ عبدالعزیز جروی نے حضرت امام شافعیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں عراق میں ایک چیز چھوڑ کر آیا ہوں جو زنادقہ کی ایجاد ہے۔جس کو تغیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن سے باز رکھتے ہیں۔ (ایضاً)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ فاسقوں کا کام ہے۔

سماع کا مقصد صرف لذت کا کام ودہن ہو تو سن لو وہ حرام ہے۔علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ مشائخ صوفیہ میں سے جن حضرات نے جائز فرمایا وہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے پاک ہوں اور تقویٰ سے آراستہ ہوں اور اپنی خاص کیفیات کے باعث غناء کے ایسے محتاج ہوں جیسے مریض دوا کا! کہ خطرناک حالت میں جب کوئی چارہ نہ ہو اور طبیب ماہر ضروری قرار دے تو مریض کے لئے محرکات کا استعمال بھی جائز ہو جاتا ہے۔مگر اس جواز کے لئے بھی چند شرطیں ہیں: (۱) اس مجلس میں امرد (بے ریش لڑکا) نہ ہو۔(۲) حاضرین میں سب انہیں کے ہم جنس صوفی باصفا متقی اور پرہیز گار ہوں ان میں نہ فاسق وبدکار ہوں نہ دنیا پرست نہ کوئی عورت ہو۔(۳) قوال بھی ایسا ہی ہو۔اس کی نیت میں اخلاص ہو۔اُجرت لینے کی یا خوردونوش کی نیت نہ ہو۔(۴) یہ اجتماع بھی کھانے پینے یا فتوحات اور نذرانے وصول کرنے کے لئے نہ ہو۔(۵) حالتِ سماع میں اگر کھڑے ہو جائیں تو اسی حالت میں کہ وہ مغلوب ہو (بناوٹ سے نہیں بلکہ جذبہ میں کھڑے ہو گئے ہوں) (٦) وجد میں بھی تکلف اور تصنع نہ ہو وہ ایک حقیقی جذبہ اور سچی کیفیت ہو۔بعض مشائخ کا ارشاد ہے کہ وجد میں کذب (جھوٹا وجد) غیبت سے بہت زیادہ سخت ہے۔حاصل کلام

یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں سماع کی مطلق اجازت نہیں ہے، کیونکہ حضرت جنید رحمہ اللہ نے اپنے مبارک دور میں سماع سے توبہ کرلی تھی۔ (فتاویٰ خیریہ، ج:۲،ص:۱۷۹۔ شامی، ج:۵،ص:۳۰۶)

''شرح ملتقی'' میں ہے:۔وما یفعلہ متصوفۃ زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیہ ومن قبلھم لم یفعلہ کذلك وما نقل انہ علیہ السلام سمع الشعر لم یدل علی اباحۃ الغناء ویجوز حملہ علی الشعر المشتمل علی الحکمۃ والوعظ.

یعنی اپنے زمانے میں تقلیدی صوفیاء جو کچھ کررہے ہیں وہ حرام ہے۔ وہاں کا قصد اور جاکر بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ اسلاف ایسا نہیں کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننا غناء اور راگ کی سماعت کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اشعار حکمت ودانش اور پند ونصیحت سے متعلق تھے۔ (الدر المنتقی شرح الملتقی، ج:۲،ص:۵۵۱)

از روئے شریعت مجذوب اور مست حال صوفیاء کے اعمال سے استدلال غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تنبیہاً فرماتے ہیں کہ تم لوگ مست حال عشاق کی باتیں اختیار کرتے ہو۔ حالانکہ یہ باتیں لپیٹ کر طاق میں رکھ دینے کے قابل تھیں۔ تشہیر اور بیان کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ وتمسکتم بکلام المغلوبین من العشاق وکلام العشاق یطوی ولا یروی. (تفھیمات الھیہ، ج:۱،ص:۲۱۵)

جہاں فقہاء اور صوفیاء میں اختلاف ہو وہاں فقہاء کا فیصلہ تسلیم کرنا ضروری ہے حضرت سید احمد کبیر رفاعی کا فیصلہ سینہ پر لکھنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بزرگو! تم یہ کیا کررہے ہو؟ کہ حارث نے یوں فرمایا، بایزبسطامی نے یوں فرمایا، منصور حلاج نے اس طریقے سے فرمایا۔ ایسا کہنے سے پہلے یوں کہو، شافعیؒ نے یوں کہا، امام مالکؒ نے ایسا کہا، امام احمدؒ نے یوں کہا، امام اعظمؒ نے یوں فرمایا ہے۔ حارث اور بایزید بسطامی کی بات نہ تم کو گھٹا سکتی ہے نہ بڑھا سکتی ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے فرامین راہِ نجات اور کامیاب قانون ہے۔ (البنیان المشید، ص:۸۸)

رضا خانہ برادران کے اطمینان خاطر کے لئے قوالی کے سلسلہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ عرض ہے۔

سوال:۔ آج میں جس وقت آپ سے رُخصت ہوا اور مغرب کی نماز کیلئے مسجد میں گیا اور نمازِ مغرب کے بعد میرے ایک دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے۔ میں وہاں چلا گیا وہاں

جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طرح سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں، کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے؟ اور یہ حاضرینِ جلسہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی؟

الجواب: ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ عرس کے کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو! نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ.......الخ۔ (احکامِ شریعت، ج:۱،ص ۳۳)

مولوی احمد رضا خان صاحب کا دوسرا فتویٰ۔ عرض۔ کیا روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ قبر شریف میں ننگے سر کھڑے ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے؟

ارشاد:۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی آج کل تو لوگوں نے بہت اختراع کر لیا ہے۔ ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے۔ حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمہ اللہ جو ہمارے پیروں کے سلسلہ میں سے ہیں باہر مجلس سماع کے تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب صالحین سے آپ کے پاس آئے اور گذارش کی۔ مجلس میں تشریف لے چلئے حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمہ اللہ نے فرمایا تم جاننے والے ہو مواجہ اقدس میں حاضر ہو، اگر حضرت راضی ہوں میں ابھی چلتا ہوں، انہوں نے مزار اقدس پر مراقبہ کیا۔ دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں: ''این بد بختان وقت ما را پریشان کردہ اند'' وہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں، فرمایا: آپ نے دیکھا؟

(ملفوظات، ج:۱،ص:۹۰)

فاتحہ خوانی کا شرعی حکم

سوال: جنازہ اُٹھاتے وقت فاتحہ خوانی (دعا مانگنا) گھر سے نکلتے وقت اور قبرستان میں نماز

جنازہ کے بعد دفنانے کے بعد قبرستان کے باہر اور میت کے مکان واپس لوٹ کر فاتحہ خوانی صحیح ہے یا نہیں؟ براہِ کرم میت کے لئے فاتحہ کا شرعی طریقہ واضح فرمائیں۔

الجواب: جنازہ اُٹھاتے وقت اور نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور اس وقت فاتحہ خوانی کا دستور مکروہ اور قابلِ ترک ہے۔ کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰة ویدعوا للمیت ویرفع صوته. (فتاویٰ عالمگیری، ص:۳۱۹، ج:۵، کتاب لکراهیة الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح والقراء ة...الخ)

اس طرح بعد نماز جنازہ متصلاً بالاجتماع فاتحہ خوانی کا دستور بھی غلط ہے اور مکروہ ہے۔ نمازِ جنازہ دعا ہی تو ہے۔ اس کے بعد فوراً دعا کرنا پہلی دعا کو ناکافی قرار دینا ہے۔ اس لئے گیارہ سو سال پہلے سے (یعنی جب سے اس طرح کی باتیں شروع ہوئیں، فقہائے کرام اس کو ممنوع اور مکروہ فرماتے آئے ہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامدؒ فرماتے ہیں: ان الدعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروه (فتاویٰ برجندی، ج: ۱، ص: ۱۸۰)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد دعاء کرنا مکروہ ہے۔

اور امام طاہر ابن احمد بخاری سرخسی (المتوفی ۵۴۲ھ) فرماتے ہیں: لا یقوم بالدعاء فی قراء ة القرآن لاجل المیت بعد صلوٰة الجنازة وقبلها. (خلاصة الفتاویٰ، ج:۱، ص:۲۲۵)

اسی طرح قبرستان کے باہر اور مکان پر جا کر فاتحہ خوانی کا دستور خلافِ سنت ہے۔ ویکره الاجتماع عند صاحب المیت ویکره له الجلوس فی بیته حتی یاتی الیه من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا والیشتغل الناس بامورهم وصاحب المیت بامره.
(کتاب الجنائز مع رد المحتار، ج:۱، ص:۸۴۱. ۸۴۲. ملط فی کراهة الضیافة من اهل المیت)

البتہ میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کچھ دیر تک دعا کرنا اور پڑھ کر بخشنا ثابت ہے۔ اور مسنون ہے۔ وعن عمرو بن العاصؓ قال لابنه هو فی سیاق الموت اذا انامت فلا تصحبنی نائحة ولا نارا فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شیئا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی. رواه مسلم.

(مشکوٰة شریف باب دفن المیت، ص:۱۴۹، و کتاب الاذکار امام نوویؒ ص:۲۱۱)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص پر موت کے آثار طاری تھے۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی۔ جب میں مر جاؤں تو نہ کوئی نوحہ کرنے والی میرے ساتھ ہو اور نہ آگ۔ پھر جب تم مجھ کو دفن کر چکو، تو میرے اُوپر مٹی بہادو (یعنی آہستہ آہستہ مٹی ڈال کر قبر کو پاٹ دو) پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرے رہو۔ جتنی دیر میں اُونٹ کو ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (تقریباً ایک گھنٹہ) تاکہ مجھے تم لوگوں کے ذریعہ انسیت رہے اور میں جان جاؤں کہ میں اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا

سوال: جب جنازے کو لے کر چلتے ہیں تو آگے آگے چند آدمی بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور دوسرے دعائیہ الفاظ مثلاً اغفر لی، یا غفور پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ قبرستان تک رہتا ہے، اس طرح بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح جنازہ کی نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا اور دفن کے بعد اور پھر چند قدم چل کر اور میت کے گھر واپس آکر فاتحہ پڑھنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جنازے کے ساتھ ذکر خفی کی اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ ہے لہٰذا جنازے کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے پڑھنے کا طریقہ خلافِ سنت اور مکروہِ تحریمی ہے۔ عن قیس بن عباد: قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون الصوت عن ثلاث. الجنائز والقتال والذكر.

(البحر الرائق، ج:۵ص:۷۶، کتاب السیر)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: وفی منزل المیت رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وقولهم کل حی لا یموت ونحو ذلك خلف الجنازة بدعة. (فتاویٰ سراجیہ ص:۲۳) (ھكذا فی مراقی الفلاح ص:۱۱۸) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۳۵۳)

اذان علی القبر بدعت ہے

سوال: رضا خانی جماعت کے لوگ تدفین کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے، مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ قبر پر اذان دینا بے اصل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے جانشین خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں۔ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مبارک طریقہ کے موافق نہیں، بدعت مخترعہ اور واجب الترک ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے دور میں ہزاروں اور سینکڑوں کی تعداد میں صحابہ اور تابعین کی وفات ہوئی وہ حضرات اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے مردوں کو دفناتے تھے، عذابِ قبر اور شیطانی شرارتوں سے واقف تھے مگر کسی کی قبر پر اذان دی گئی ہو اس کا ثبوت نہیں کیا وہ حضرات اپنے مردوں کے خیر خواہ نہ تھے؟ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر پر اذان نہیں دی تو اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قبر پر اذان دے اور اس کو شرعی حکم بتلائے اس نئے طریقوں کو جاری کرنا تو یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک طریقہ کو ناقص سمجھنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان ہے: ''من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد''۔ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ (صحیح بخاری شریف باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود، ج: ۱، ص: ۳۷۱، صحیح مسلم شریف باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، ج: ۲، ص: ۷۷)

مسلم شریف میں ایک اور حدیث ہے: من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد۔ جو شخص ایسا کام کرے، جس کے لئے ہمارا حکم نہیں ہے وہ رد اور باطل ہے۔ (مسلم شریف، ج: ۲، ص: ۷۷ ایضا)

ابوداؤد شریف میں ہے: من صنع امرا علی غیر امرنا فهو رد۔ جس نے ہمارے عمل کے خلاف کوئی کام کیا وہ مردود ہے۔ (ابوداؤد شریف، ج: ۲، ص: ۲۸۷، باب لزوم السنۃ)۔

دوسری ایک حدیث میں ہے: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة.

ترجمہ: تم میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کا طریقہ اختیار کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو اور دانتوں سے مضبوط دبائے رکھو اور نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے

گریز کرو اس لئے کہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ابوداؤد شریف باب لزوم السنۃ، ج: ۲، ص: ۲۸۷، ترمذی شریف باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ. ج: ۲، ص: ۹۲، ابن ماجہ، ص: ۵)

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔ تم ہمارے نقشِ قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع ہی کافی ہے۔ (کتاب الاعتصام، ج: ۱، ص: ۵۴)

مشہور و معروف صحابی حضرت حذیفہؓ کا فرمان ہے: کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا۔ (ترجمہ) ہر وہ عبادت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نہیں کی وہ تم بھی نہ کرو۔ (کتاب الاعتصام، ج: ۳، ص: ۳۱۰)

اسی بنا پر حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واما اھل السنۃ والجماعۃ فیقولون کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابۃ فھو بدعۃ وانہ لو کان خیرا لسبقونا الیہ لانھم لم یترکوا خصلۃ من خصال الخیر الا وقد بادروا الیھا۔ یعنی اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ جو قول اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے، کیونکہ اگر اس کام میں خیر ہوتی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کارِ خیر کو ہم سے پہلے ضرور کرتے، اس لئے کہ انہوں نے کسی عمدہ خصلت کو تشنۂ عمل نہیں چھوڑا، بلکہ وہ ہر کام میں سبقت لے گئے ہیں۔ (بحاوالہ المنہاج الواضح، ص: ۲۶)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اس کو نیک کام سمجھا تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خائن اور کوتاہی کرنے والا ٹھہرایا چونکہ ارشادِ خداوندی ہے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، لہٰذا جو کام آپ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہوسکتا۔ (الاعتصام، ج: ۱، ص: ۴۵)

اسی لئے عید کی نماز اور خطبہ کے وقت اذان اور جماعت کے وقت اقامت نہیں کہی جاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اذانِ عید و اقامت دین کے اندر نہیں تھی اسی طرح قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعاً بدعت ہے۔ کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔ اور کسی

ایک صحابی کی قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعا بدعت ہے۔ کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔ اور کسی ایک صحابی کی قبر پر اذان دی گئی ہو اس کا ثبوت نہیں۔

میت کی مغفرت کے لئے نمازِ جنازہ ہے اور اس کو قبر میں رکھتے وقت ''بسم الله وعلى ملة رسول الله'' کہنا ہے اور جو لوگ میت کی تدفین میں حاضر ہیں ان کے واسطے تین لپیں (مٹھی) مٹی ڈالنا مستحب ہے، پہلی بار (منها خلقناكم) اور دوسری بار (وفيها نعيدكم) اور تیسری بار (ومنها نخرجكم تارة اخرى) کہنا ہے، اور تدفین کے بعد اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (الم سے مفلحون تک) اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے آخر تک) پڑھنا ہے اور میت کے لئے مغفرت، ثابت قدمی اور منکر نکیر کے سوال کے جواب کی آسانی اور عذابِ قبر سے نجات کے لئے دعا کرنا ہے اور جو میت کے قریبی رشتے دار اور تعلق والے ہیں ان کے واسطے مستحب یہ ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد مزید قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہریں جتنا وقت ایک اُونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتا ہے کہ ان کے رہنے سے میت کو انس ہوگا اور منکر نکیر کے جواب دینے میں وحشت (گھبراہٹ) نہیں ہوگی، اور وہاں ٹھہر کر قرآن پڑھتے رہیں اور میت کے لئے دعا اور استغفار کرتے رہیں، یہ سب باتیں تو احادیث سے ثابت ہیں اور مامور بہ ہیں (مگر اذان علی القبر کا کہیں ذکر اور ثبوت نہیں)

ملاحظہ ہو کتاب الاذکار میں ہے: باب ما يقول بعد الدفن. السنة لمن كان على القبران يحثى ثلاث حثيات بيديه جميعا من قبل رأسه قال جماعة اصحابنا يستحب ان يقول فى الحثية الاولىٰ منها خلقناكم وفى الثانية وفيها نعيدكم وفى الثالثة ومنها نخرجكم تارة اُخرى۔ (تدفین کے بعد کیا کہے...... جو شخص بوقتِ تدفین موجود ہو تو اس کے لئے سنت یہی ہے کہ وہ مردہ کے سر کی طرف سے تین لپیں مٹی ڈالے، ہمارے فقہاء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ پہلی لپ ڈالتے وقت منها خلقناكم اور دوسری لپ ڈالتے وقت وفيها نعيدكم اور تیسرے لپ ڈالتے وقت ومنها نخرجكم تارة اخرى کہے۔ (کتاب الاذکار ص: ۹۲، امام نوویؒ)

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن عبدالله بن عمر قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول اذا مات احدكم فلاتحسبوه واسرعوا به الى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة۔ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے مت روکے رکھو اور اس کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرو اور اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور اس کے پائینتی سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھی جائیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص:۱۴۹، باب دفن المیت)

تدفین کے بعد انفرادی واجتماعی طور پر میت کے لئے دعاءِ مغفرت کرنے اور منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدمی کے لئے دعا کرنے کی ترغیب ہے ابوداؤد شریف میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تدفین سے فراغت کے بعد قبر کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے: استغفروا لاخیکم واسئالوا لہ التثبیبی۔ تم اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور خدا تعالیٰ سے اس کے لئے (سوال وجواب میں توحید پر) ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۔ (ابوداؤد شریف، ج:۲، ص:۲۰۳)

اسی طرح تدفین کے بعد دیر تک ٹھہرنے اور قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں میت کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا ثبوت اور ترغیب ہے، کتبِ احادیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ جب میری وفات ہو جائے تو جنازہ میں نوحہ کرنے والی عورت اور آگ نہ ہو۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا) اور جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر مٹی ڈالنا اور پھر میری قبر کے اردگرد (ذکر ودعا میں مشغول رہتے ہوئے) اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر اُونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے کہ مجھے تمہاری وجہ سے ہمت اور انس رہے اور اپنے پروردگار کے فرشتوں کو بلا وحشت جواب دے سکوں (حضرت عمر ابن العاصؓ نے یہ وصیت نہیں فرمائی کہ میری قبر پر (اذان دینا)

ملاحظہ کیجئے مندرجہ بالا حوالہ جات میں قبل از تدفین اور بعد از تدفین جو جو باتیں مسنون ہیں ان کو مفصل بیان کیا گیا ہے مگر کسی جگہ اذان کا تذکرہ تک نہیں ہے اگر اس وقت اذان دینا مسنون ہوتا یا اس کی ضرورت ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور حکم فرماتے اور آپ کے جان نثار صحابہؓ اس پر ضرور عمل پیرا ہوتے اور اپنی وفات کے بعد قبر پر اذان دینے کی ہدایت اور وصیت فرماتے مگر کہیں اس کا ثبوت نہیں، لہٰذا قبر پر اذان دینا اور اس کو مسنون و مستحب سمجھنا دین میں اضافہ کرنا ہے۔ اور یہ فعل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقہ کو ناقص اور قابلِ اصلاح قرار دینے کے مرادف ہے (معاذ اللہ) اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے کوئی عمل خیر (جس میں فلاح ہے) نہیں چھوڑا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما

هو المعتاد الآن ورد شرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة...... ومن ظن انه سنة قياسا على ندبهما للمولود الحافا لخاتمة الامر بابتدائه فلم يصب الخ- یعنی میت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے، اور علامہ ابنِ حجر نے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور جو شخص نومولد بچے کے کان میں اذان دینے کے مندوب ہونے پر قیاس کرے اور خاتمہ کو ابتدا سے ملحق کرتے ہوئے اذان علی القبر کو سنت کہے تو اس نے غلطی کی (اور اس کا یہ قیاس صحیح نہ ہوگا) (شامی، ج: ۱، ص: ۸۳۷، باب الاذان مطلب فی الموضع التی یندب لها الاذان فی غیر الصلاة)

لہٰذا اذان علی القبر کو مسنون سمجھنا اور اس کو رائج کرنا صحیح نہیں، ہماری نجات اور کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقوں پر چلیں، خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی ہے کہ تمہاری نجات اور کامیابی میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر عمل کرنے میں ہے، صاف ارشاد فرمایا: ما انا علیه واصحابی۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

عند اللہ کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ اخلاص کے ساتھ ہو اور دوسرا یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے: ومن احسن دينا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن ۔یعنی اس شخص سے بہتر کسی کا طریقہ نہیں ہوسکتا جس میں دو باتیں پائی جائیں ایک ''اسلم وجهه'' اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کرے، ریا کاری یا دنیا سازی کے لئے بلکہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمل کرے۔ دوسرے ''وهو محسن'' یعنی وہ عمل بھی درست طریقہ پر کرے۔

امام ابنِ کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ درست طریقہ پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہیکہ اس عمل کا محض خود ساختہ طرز نہ ہو، بلکہ شریعتِ مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہو۔ (بحوالہ معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، ج:۲، ص: ۵۵۵، سورۂ نساء)

یعنی ''احسن عملا'' سے مراد عملِ مقبول ہے اور عملِ مقبول وہ ہے جو خالص ہو اور صواب بھی ہو، اگر عمل خالص ہے مگر صواب نہیں ہے تو وہ مقبول نہیں ہے عمل خالص وہ ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور صواب وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔ (تفسیر کبیر،

ج:۸، ص:۲۴۳، سورۃ ملک) رسالہ العبودیہ لابن تیمیہ، ص: ۲۰، ۲۱)

ربیع الثانی

ماہِ ربیع الثانی بھی نہایت افضل ترین مہینہ ہے اور اس ماہ میں بھی زیادہ درود پاک پڑھنا چاہیے۔

جمادی الاول

ماہِ جمادی الاول نہایت بزرگ اور فضیلت کا مہینہ ہے اور اس کی عبادت کا بہت ثواب ہے۔

جمادی الثانی

ماہ جمادی الثانی بڑی خیر و برکت کا مہینہ ہے اور اس ماہ کی عبادات بہت افضل ترین ہے۔
یہ مہینہ استقبالِ ماہِ رجب ہے اور اس کی عبادت کا مقصد ماہِ رجب کی حرمت ہے۔

رجب المرجب

رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ ماہِ رجب کی بے شمار فضیلت ہے اس ماہِ مبارک کی عبادت بہت افضل ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب ماہِ رجب کا چاند دیکھو تو پہلے ایک مرتبہ یہ دعا پڑھو۔

اللھم بارك لنا فی رجب و شعبان و بلغنا الی شھر رمضان

وظائف

ماہِ رجب میں پہلی تاریخ سے ہر نماز کے بعد تین مرتبہ اس دعا کو پڑھنے کی بہت فضیلت ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم ط الیہ توبت عبد ظالم لا یملك نفسہ ضرا و لا نفعا و لا موتا و لا حیوۃ و لا نشورا ط

ماہِ رجب المرجب کی پندرہ تاریخ کسی نماز کے بعد ایک مرتبہ یہ استغفار پڑھنا بہت افضل ہے۔ اس دعا کے پڑھنے والے کی تمام برائیاں مٹا کر اللہ پاک اسے نیکیوں سے بدل دے گا۔

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھوا لحی القیوم غفار الذنوب و ستار العیوب و اتوب الیہ

ماہِ رجب کی کسی تاریخ کو نمازِ ظہر یا مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد سورہ کہف ایک بار، سورہ یسین ایک بار، سورہ حم السجدہ ایک بار، سورہ دخان ایک بار، سورہ معارج ایک بار پڑھے۔ پھر سورہ

اخلاص ایک ہزار مرتبہ پڑھے۔ اللہ پاک ان سورتوں کے پڑھنے والے پر خاص رحمت و برکت عطا فرمائے گا۔

نفل روزہ

۲۷ رجب کے روزے سے متعلق کوئی صحیح حدیث کتب حدیث میں مذکور نہیں۔ اور نہ فقہاء نے اس دن روزہ کی فضلیت بیان کی ہے لہذا اگر کوئی شخص اس کی فضلیت اور سنیت کا اعتقاد رکھے بغیر روزہ رکھے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاوی دار العلوم) (فتاوی محمودیہ: ج،۲:ص،۲۰۲)

شعبان المعظم

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ماہِ شعبان المعظم بہت ہی برگزیدہ مہینہ ہے اور اس ماہ مبارک کی عبادت کا بے حد ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

شبِ برات

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ شعبان کی پندھویں شب کی عبادت بہت افضل ہے۔ فرمایا اس شب کو اللہ پاک اپنے بندوں کے لیے بے شمار دروازے اپنی رحمت کے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو آج کی رات مجھ سے بخشش طلب کرے اور اس کو عذابِ دوزخ سے نجات دے کر اسکی مغفرت کردوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شب کی عبادت کرنے والے پر دوزخ کی آگ اللہ پاک حرام کردیتا ہے۔

وظائف

دعائے نصف شعبان المعظم

اللهم يا ذا المن ولا يمن عليه يا ذا الجلال والاكرام يا ذاالطول والانعام ط لا اله الا انت ظرف اللاجين ط و جار المستجيرين و امان الفائفين اللهم ان كنت كتبتنى عندك فى ام الكتب شقيا او محروما اومطرودا او مقترا على فى الرزق فامح ط اللهم بفضلك شقاوتى و حرمانى و طردى وقتتار رزقى و اثبتنى عندك فى ام الكتب سعيدا مرزوقا موفقا للخيرات ط فانك قلت و قولك الحق فى كتابك المنزل ط على لسان نبيك المردل يمحوا الله ما يشاء ويثبت و عنده ام الكتاب ٥ الهى بالتجلى الاعظم فى ليلته النصف من شهر

شعبان المکرم ط التی یفرق فیھا کل امر حکیم و یوم ان تکشف عنا من البلاء والبلواء مانعلم وما لا نعلم و انت بہ اعلم انك انت الاعز الاکرم و صلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد و علی الہ و صحبہ وسلم ط والحمد للہ رب العلمین ○

صلوٰۃ تسبیح کی فضیلت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو یہ نماز پڑھتا ہے اس کے اگلے پچھلے، ظاہر، پوشیدہ، پرانے، نئے، عمدا، سہوا چھوٹے بڑے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں۔ یہ نماز بعد زوال قبل نمازِ ظہر ادا کرنی چاہئے یا دوسرے وقت میں خواہ روزانہ یا ہر آٹھویں روز یا سال میں ایک مرتبہ، ورنہ کم از کم تمام عمر میں ایک مرتبہ پڑھے۔

طریقہ ادائیگی

چار رکعت نفل صلوۃ التسبیح کی نیت باندھیں اور سبحانك اللھم پورا پڑھے۔ پھر پندرہ مرتبہ سبحان اللہ والحمد اللہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھیں اگر اس کے ساتھ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھیں تو زیادہ ثواب ہے۔ پھر سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۂ پڑھیں۔ پھر دس بار پڑھیں۔ پھر دس بار رکوع میں، دس بار پھر قومہ میں، دس بار پھر اول سجدہ میں، دس بار پھر جلسہ میں، دس بار پھر دوسرے سجدہ میں پڑھیں۔ اسی طرح چار رکعتیں پڑھیں۔ یہ یاد رہے کہ شروع میں قرات سے پہلے پندرہ بار پڑھنی ہے پھر دس دس بار پڑھنی ہے۔ (مشکوٰۃ عالمگیری، شامی) نیز پہلی رکعت میں سورہ التکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں سورہ الکٰفرون اور چوتھی میں سورہ اخلاص پڑھیں (غنیۃ الاد طار) اگر کسی کو یہ سورتیں یاد نہ ہوں تو کوئی اور سورتیں پڑھیں

ماہِ شعبان میں روزانہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا واسطے مغفرتِ گناہ بہت افضل ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھوا لحی القیوم الیہ توبتہ عبد ظالم لا یملك نفسہ ضر او لا نفعا و لا موتا و لا حیوۃ ولا نشورا ط

پندرھویں شب کو سورۂ بقرہ کا آخری رکوع امن الرسول سے کفرین تک اکیس مرتبہ پڑھنا واسطے امن، حفاظتِ جان و مال افضل ہے شب پندرھویں سورۂ یسین تین دفعہ پڑھنے سے حسب ذیل فائدے ہیں۔

ترقی رزق، درازی عمر، ناگہانی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

شعبان کی پندرھویں شب سورۂ دخان سات مرتبہ پڑھنی بہت افضل ہے۔ انشاءاللہ پروردگارِ عالم ستر حاجات دنیا کی اور ستر حاجات عقبیٰ کی قبول فرمائے گا۔

نفل روزہ

ماہِ شعبان کی پندرہ تاریخ کے روزے کی بڑی فضیلت ہے جو کوئی یہ روزہ رکھے گا باری تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرمائے گا۔

اہم مضامین برائے شعبان المعظم

شبِ برات کی حقیقت

اسلامی مہینوں میں ایک مہینہ شعبان کا ہے اور اس ماہ میں ایک مبارک رات آتی ہے، جس کا نام "شبِ برات" ہے۔ چونکہ اس رات کے بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ اور اس رات میں جاگنا اور اس رات میں عبادت کو خصوصی طور پر باعثِ اجر وثواب سمجھنا بے بنیاد ہے، بلکہ بعض حضرات نے اس رات میں عبادت کو بدعت سے بھی تعبیر کیا ہے، اس لئے لوگوں کے ذہنوں میں اس رات کے بارے میں مختلف سوالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کے بارے میں کچھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دین اتباع کا نام ہے

اس سلسلے میں مختصراً یہ ہے کہ جس چیز کا ثبوت قرآن میں یا سنت میں یا صحابہ کرام کے آثار میں، تابعین بزرگانِ دین کے عمل میں نہ ہو، اس کو دین کا حصہ سمجھنا بدعت ہے۔ اور میں اپنی طرف سے ایک راستہ گھڑ کر اس پر چلنے کا نام دین نہیں ہے۔ بلکہ دین اتباع کا نام ہے۔ کس کی اتباع؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، آپ کے صحابہ کرام کی اتباع، تابعین اور بزرگان دین کی اتباع۔ اب اگر واقعۃً یہ بات درست ہو کہ اس رات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں تو بے شک اس رات کو کوئی خصوصی اہمیت دینا بدعت ہوگا، جیسا کہ شبِ معراج کے بارے میں ہے کہ شبِ معراج میں کسی عبادت کا ذکر قرآن وسنت میں موجود نہیں۔

اس رات کی فضیلت بے بنیاد نہیں

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شبِ برات کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت

حدیث سے ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی، ان میں سے بعض احادیث سند کے اعتبار سے بے شک کچھ کمزور ہیں، اور ان احادیث کے کمزور ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ اس رات کی فضیلت بے اصل ہے، لیکن حضراتِ محدثین اور فقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو، لیکن اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہو جائے تو اس کی فضیلت میں روایات موجود ہیں۔ لہٰذا جس رات کی فضیلت میں دس صحابہ کرام سے روایات مروی ہوں اس کو بے بنیاد اور بے اصل کہنا بالکل غلط ہے۔

شبِ برات اور خیر القرون

امتِ مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں، یعنی صحابہ کرام کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا، یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگنا، اس میں عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

کوئی خاص عبادت مقرر نہیں

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقہ سے عبادت کی جائے۔ جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ایک طریقہ گھڑ کر یہ کہہ دیا کہ شبِ برات میں اس خاص طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، مثلاً پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے۔ دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے، بلکہ نفلی عبادات جس قدر ہو سکے وہ اس رات میں انجام دی جائے نفلی نماز پڑھنی چاہئے قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہئے۔ ذکر کرنا چاہئے۔ تسبیح پڑھنی چاہئے۔ دعائیں کرنی چاہئے یہ ساری عبادتیں اس رات میں کی جا سکتی ہیں، لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

اس رات میں قبرستان جانا

اس رات میں ایک اور عمل ہے، جو ایک روایت سے ثابت ہے، وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے، اب چونکہ حضور اس رات میں جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے مسلمان اس بات کا اہتمام کرنے لگے کہ شبِ برات میں قبرستان جائیں۔ لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک بڑی کام کی بات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے، فرماتے تھے کہ جو چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس درجے میں ثابت ہو، اسی درجہ میں اسے رکھنا چاہئے۔ اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، لہٰذا ساری حیاتِ طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ جنت البقیع جانا مروی ہے کہ آپ ﷺ شبِ برات میں جنت البقیع تشریف لے گئے۔ چونکہ ایک مرتبہ جانا مروی ہے، اس لئے تم بھی اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہر شبِ برات میں جانے کا اہتمام کرنا، التزام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا، اور اس کو شبِ برات کے ارکان میں داخل کرنا اور اس کو شبِ برات کا لازمی حصہ سمجھنا، اور اس کے بغیر یہ سمجھنا کہ شبِ برات نہیں ہوئی، یہ اس کو اس کے درجے سے آگے بڑھانے والی بات ہے۔ لہٰذا اگر کبھی کوئی شخص اس نقطہ نظر سے قبرستان چلا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے، میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں جا رہا ہوں۔ تو انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کرنا چاہئے کہ کبھی نہ بھی جایا جائے، لہٰذا اہتمام اور التزام نہ کرنا چاہئے، پابندی نہیں کرنی چاہئے، یہ درحقیقت دین کی سمجھ کی بات ہے کہ جو چیز جس درجہ میں ثابت ہو اس کو اسی درجہ میں رکھنا چاہئے، اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے اور اس کے علاوہ دوسری نفل عبادت ادا کرلینی چاہئے۔

نوافل گھر پہ ادا کریں

یہ بات سنی جاتی ہے کہ بعض لوگ اس رات میں اور شبِ قدر میں نفلوں کی جماعت کرتے ہیں، پہلے صرف شبینہ با جماعت ہوتا تھا، اب سنا جاتا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی بھی جماعت ہونے لگی، یہ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کسی طرح بھی ثابت نہیں، ناجائز ہے۔ اس کے بارے میں ایک اصول مدِ نظر رکھنا چاہئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ فرض نماز کے علاوہ اور ان نمازوں کے علاوہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے با جماعت ادا کرنا ثابت ہیں، مثلاً تراویح، کسوف اور استسقاء کی نماز، ان کے علاوہ ہر نماز کے بارے میں افضل یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے، صرف فرض نماز کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر صرف افضل نہیں، بلکہ سنتِ موکدہ قریب بواجب ہے کہ اس کو مسجد میں جا کر جماعت سے ادا کرے، لیکن جب فقہاء نے یہ دیکھا کہ لوگ گھر

جا کر بعض اوقات سنتوں کو ترک کر دیتے ہیں، اس لئے انہوں نے یہ بھی فرما دیا کہ اگر سنتیں چھوٹنے کا خوف ہو تو مسجد ہی میں پڑھ لی جائیں، تا کہ چھوٹ نہ جائیں، ورنہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ گھر میں جا کر ادا کی جائیں اور نفل کے بارے میں تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ نفل نماز میں افضل یہ ہے کہ اپنے گھر میں ادا کرنی چاہئے اور نفلوں کی جماعت حنفیہ کے نزدیک مکروہِ تحریمی اور ناجائز ہے، یعنی اگر جماعت سے نفل پڑھ لئے تو ثواب تو کیا ملے گا، الٹا گناہ ملے گا۔

فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی ضروری ہے

بات دراصل یہ ہے کہ فرائض دین کی علامت ہیں لہٰذا ان کو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے، کوئی آدمی یہ سوچے کہ اگر میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھوں گا تو اس میں ریا کاری کا اندیشہ ہے، اس لئے میں گھر ہی میں نماز پڑھ لوں، اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اس کو حکم یہ ہے کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھے، اس لئے کہ اس کے ذریعہ دینِ اسلام کی ایک شوکت کا مظاہرہ مقصود ہے، اس لئے اس کو مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے۔

نوافل میں تنہائی مقصود ہے

لیکن نفل ایک ایسی عبادت ہے، جس کا تعلق بس بندہ اور اس کے پروردگار سے ہے، بس بندہ ہو اور اللہ ہو، جیسا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تلاوت اتنی آہستہ سے کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: ’’اسمعت من ناجیت‘‘ (ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الصوت، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

یعنی جس ذات سے یہ مناجات کر رہا ہوں، اس کو سنا دیا، اب دوسروں کو سنانے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا نفلی عبادات کا تو حاصل یہ ہے کہ وہ ہو اور اس کا پروردگار ہو، کوئی تیسرا شخص درمیان میں حائل نہ ہو، اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ براہ راست مجھ سے تعلق قائم کرے، اس لئے نفلی عبادتوں میں جماعت اور اجتماع کو مکروہ قرار دے دیا، اور یہ حکم دے دیا کہ اکیلے آؤ، اور تنہائی میں آؤ اور ہم سے براہِ راست رابطہ قائم کرو، یہ خلوت اور تنہائی کتنا بڑا انعام ہے، ذرا غور تو کرو۔ بندہ کو کتنے بڑے انعام سے نوازا جا رہا ہے کہ خلوت اور تنہائی میں ہمارے پاس آؤ۔

تنہائی میں ہمارے پاس آؤ

بادشاہ کا ایک عام دربار ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کی نماز اللہ تعالیٰ کا عام دربار ہے، دوسرا خاص دربار ہوتا ہے۔ جو خلوت اور تنہائی کا ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب تم ہمارے عام دربار میں حاضری دیتے ہو تو اب ہم تمہیں خلوت اور تنہائی کا بھی موقع دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس تنہائی کے موقع کو مجمع میں تبدیل کر دے اور جماعت بنا دے تو ایسا شخص اس خاص دربار کی نعمت کی ناقدری کر رہا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ اے بندو! تم تنہائی میں آؤ، ہم سے مناجات کرو، ہم تنہائی میں تمہیں نوازیں گے۔ لیکن تم ایک جم غفیر اکٹھا کر کے لے جا رہے ہو۔

انسان نے اس نعمت کی ناقدری کی

مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہے، آدمی اس سے ملاقات کے لئے دربار میں گیا، وہ بادشاہ آدمی سے یہ کہے کہ آج رات کو ۹ بجے تنہائی میں میرے پاس آجانا، تم سے کچھ پرائیویٹ بات کرنی ہے، جب رات کے نو بجے تو آدمی نے اپنے دوستوں کا ایک جم غفیر اکٹھا کر لیا اور سب دوستوں کو لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گئے، تو اب اس آدمی نے اس بادشاہ کی قدر کی یا ناقدری کی؟ اس نے تو آدمی کو یہ موقع دیا تھا کہ وہ تنہائی میں میرے پاس آئے اس سے تنہائی میں باتیں کرنی تھیں، اسکو خلوت میں خاص ملاقات کا موقع دینا تھا اور اپنے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم کرنا تھا اور وہ آدمی پوری ایک جماعت بنا کر اس کے پاس لے گیا، تو یہ اس نے اس کی ناقدری کی۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی عبادت کی اس طرح ناقدری نہ کرو، نفلی عبادت کی قدر یہ ہے کہ تم ہو اور تمہارا اللہ ہو، تیسرا کوئی نہ ہو۔ لہٰذا نفلی عبادات جتنی بھی ہیں، ان سب کے اندر اصول یہ بیان فرما دیا کہ تنہائی میں اکیلے عبادت کرو، اس کے اندر جماعت مکروہِ تحریمی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو یہ ندا دی جا رہی ہے کہ:

"الاھل من مستغفر فاغفر لہ"

کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں؟ یہاں لفظ "مستغفر" مفرد کا صیغہ استعمال کیا، یعنی کوئی تنہائی میں مغفرت طلب کرنے والا ہے، تنہائی میں مجھ سے رحمت

طلب کرنے والا ہے، اب اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ تنہائی میں میرے پاس آکر مجھ سے مانگو، لیکن ہم نے یہ کیا کہ شبینہ کا انتظام کیا، چراغاں کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی کہ میرے پاس آکر میری اس تنہائی میں شریک ہو جائیں، حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناقدری ہے، لہٰذا شبینہ ہو، یا صلوٰۃ التسبیح کی جماعت ہو یا کوئی اور نفلی جماعت ہو، یہ سب ناجائز ہے۔

گوشہ تنہائی کے لمحات

یہ فضیلت والی راتیں شور وشغب کی راتیں نہیں ہیں، میلے ٹھیلے کی راتیں نہیں۔ یہ اجتماع کی راتیں نہیں، بلکہ یہ راتیں اس لیے ہیں کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات قائم کرلیں، اور بندوں اور اللہ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اگر تنہائی میں عبادت کرنے بیٹھتے ہیں تو نیند آجاتی ہے، مسجد میں شبینہ اور روشنی ہوتی ہے اور ایک جمِ غفیر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیند پر قابو پانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس بات پر یقین کرنا چاہئے کہ اگر کسی کو چند لمحات گوشہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے میسر آگئے تو وہ چند لمحات اس ساری رات سے بدرجہا بہتر ہیں جو اس نے میلے میں گزاری۔ اس لئے کہ تنہائی میں جو وقت گزارا وہ سنت کے مطابق گزارا اور میلے میں جو وقت گزارا، وہ خلافِ سنت گزارا، وہ رات اتنی قیمتی نہیں، جتنے وہ چند لمحات قیمتی ہیں جو اس نے اخلاص کے ساتھ ریا کے بغیر گوشہ تنہائی میں گزار لئے۔

وہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اپنی عقل کے مطابق کام کرنے کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ ان کے کہنے پر عمل کرنے کا نام دین ہے، ان کی پیروی اور اتباع کا نام دین ہے۔ یہ بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کسی کو گھنٹے شمار کرتے ہیں کہ اس نے مسجد میں کتنے گھنٹے گزارے؟ وہاں گھنٹے شمار نہیں کئے جاتے، وہاں تو اخلاص دیکھا جاتا ہے۔ اگر چند لمحات بھی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں میسر آگئے، تو وہ چند لمحات ہی انشاء اللہ بیڑا پار کردیں گے، لیکن اگر کسی نے عبادت میں کئی گھنٹے گزار دیئے، مگر سنت کے خلاف گزارے تو اس کا کچھ بھی حاصل نہیں۔

اخلاص مطلوب ہے

حضرت شیخ ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے کیف کے عالم میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تم لوگ سجدے میں جاتے ہو تو سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" کئی مرتبہ کہتے ہو، لیکن مشین کی طرح زبان پر یہ تسبیح جاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر کسی دن یہ کلمہ "سبحان ربی الاعلی" ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ دل سے نکل گیا تو یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ایک مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" کی بدولت بیڑا پار کر دیں گے۔

لہٰذا یہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر تنہا گھر میں رہ کر عبادت کریں گے تو نیند آجائے گی۔ اس لئے کہ اگر نیند آجائے تو سوجائے، لیکن چند لمحات جو عبادت میں گزارے، وہ سنت کے مطابق گزارے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن شریف پڑھتے پڑھتے نیند آجائے تو سوجاؤ، اور سو کر تھوڑی سی نیند پوری کرلو اور پھر اٹھ جاؤ، اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی حالت میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے تمہارے منہ سے کوئی لفظ غلط نکل جائے۔ لہٰذا ایک آدمی ساری رات سنت کے خلاف جاگ رہا ہے، اور دوسرا آدمی صرف ایک گھنٹے جاگا لیکن سنت کے مطابق جاگا، اور اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق جاگا، تو یہ دوسرا شخص پہلے شخص سے کئی درجہ بہتر ہے۔

ہر عبادت کو حد پر رکھنا چاہئے

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کی گنتی نہیں ہے، بلکہ اعمال کا وزن ہے، وہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے عمل میں کتنا وزن ہے؟ لہٰذا اگر کسی نے گنتی کے اعتبار سے اعمال تو بہت کر لئے، لیکن ان میں وزن پیدا نہیں کیا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ نیند آجائے تو پڑھ کر سوجائے اور پھر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اٹھ کر پھر عبادت میں لگ جائے، لیکن سنت کے خلاف کام نہ کرے، لہٰذا جو عبادت جماعت کے ساتھ جس حد تک ثابت ہو اسی حد تک کرو، مثلاً فرض کی جماعت ثابت ہے، رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت ثابت ہے، رمضان میں وتر کی جماعت ثابت ہے۔ اسی طرح نمازِ جنازہ کی جماعت واجب علی الکفایہ ہے، عیدین کی نماز باجماعت ثابت ہے، نمازِ استسقاء اور نمازِ کسوف اگرچہ سنت ہے، لیکن ان دونوں میں چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثابت ہے، اور علاماتِ اسلام میں سے ہیں۔ لہٰذا ان کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہے، ان کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں ان میں جماعت نہیں ہے، ان میں تو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرے، اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں ملاقات کا

جو اعزاز بخشا ہے، یہ معمولی اعزاز نہیں ہے، اس اعزاز کی قدر کرنی چاہئے۔

عورتوں کی جماعت

ایک مسئلہ عورتوں کی جماعت کا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت پسندیدہ نہیں ہے، چاہے وہ فرض نماز کی جماعت ہو یا سنت کی ہو، یا نفل کی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ حکم فرمادیا کہ اگر تمہیں عبادت کرنی ہے تو تنہائی میں کرو۔ جماعت عورتوں کے لئے پسندیدہ نہیں، جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا کہ دین اصل میں شریعت کے اتباع کا نام ہے، اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ہمارا تو اس طرح عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے، اس دل کے چاہنے کو چھوڑ دو، اس لئے کہ دل تو بہت ساری چیزوں کو چاہتا ہے، اور صرف دل چاہنے کی وجہ سے کوئی چیز دین میں داخل نہیں ہو جاتی، جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں کیا، اس کو محض دل چاہنے کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے۔

شب برات اور حلوہ

بہر حال! یہ شب برات الحمد للہ فضیلت کی رات ہے۔ اور اس رات میں جتنی عبادت کی توفیق ہو، اتنی عبادت کرنی چاہئے باقی جو اور فضولیات اس رات میں حلوہ وغیرہ پکانے کی شروع کر لی گئی ہیں، ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ شب برات کا حلوے سے کوئی تعلق نہیں، اصل بات یہ ہے کہ شیطان ہر جگہ اپنا حصہ لگا لیتا ہے، اس نے سوچا کہ اس شب برات میں مسلمانوں کے گناہوں کی مغفرت کی جائے گی، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں۔

شیطان نے سوچا کہ اگر اتنے سارے آدمیوں کی مغفرت ہوگئی تو پھر میں لٹ گیا، اس لئے اپنا حصہ لگادیا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو یہ سکھادیا کہ شب براءت آئے تو حلوہ پکایا کرو، ویسے تو سارے سال کے کسی دن بھی حلوہ پکانا جائز اور حلال ہے، جس شخص کا جب دل چاہے، پکا کر کھالے، لیکن شب برات سے اس کا کیا تعلق؟ نہ قرآن میں اس کا ثبوت ہے، نہ حدیث میں اس کے بارے میں کوئی روایت، نہ صحابہ کے آثار میں۔ نہ تابعین کے عمل میں اور بزرگانِ دین کے عمل میں کہیں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، لیکن شیطان نے لوگوں کو حلوہ پکانے میں لگادیا، چنانچہ سب لوگ پکانے اور کھانے میں لگ گئے۔ اب یہ حال ہے کہ عبادت کا اتنا اہتمام نہیں، جتنا اہتمام حلوہ پکانے کا ہے۔

بدعات کی خاصیت

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا

کرتے تھے کہ بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی بدعات کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے، تو اس کے بعد اصل سنت کے کاموں کی توفیق کم ہوجاتی ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں وہ لوگ پانچ وقت کی فرض جماعتوں میں کم نظر آئیں گے اور جو لوگ بدعات کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مثلاً حلوہ مانڈا کرنے اور کونڈے میں لگے ہوئے ہیں، وہ فرائض سے غافل ہوتے ہیں، نمازیں قضا ہورہی ہیں، جماعتیں چھوٹ رہی ہیں۔ اس کی تو کوئی فکر نہیں لیکن یہ سب کچھ ہورہا ہے۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب سے زیادہ تاکید اس کی فرمائی تھی کہ جب کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کی میراث شریعت کے مطابق جلدی تقسیم کرو، لیکن اب یہ ہورہا ہے کہ میراث تقسیم کرنے کی طرف تو دھیان نہیں ہے، مگر تیجہ ہورہا ہے۔ دسواں ہورہا ہے، چالیسواں ہورہا ہے، برسی ہورہی ہے۔ لہٰذا بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب انسان اس کے اندر مبتلا ہوتا ہے تو سنت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، اور سنت والے اعمال کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔ بہر حال ان فضولیات اور بدعات سے تو بچنا چاہئے، باقی یہ رات فضیلت کی رات ہے اور اس رات کے بارے میں بعض لوگوں نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ اس رات میں کوئی فضیلت ثابت نہیں، یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

پندرہ شعبان کا روزہ

ایک مسئلہ شبِ برات کے بعد والے دن یعنی پندرہ شعبان کے روزے کا ہے، اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ سارے ذخیرہ حدیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت میں ہے کہ شبِ برات کے بعد والے دن روزہ رکھو۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے لہٰذا اس روایت کی وجہ سے خاص اس پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے یعنی یکم شعبان سے ستائیس شعبان تک روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے لیکن ۲۸ اور ۲۹ شعبان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ مت رکھو تا کہ رمضان کے روزوں کے لئے انسان چستی کے ساتھ تیار رہے، لیکن یکم شعبان سے ۲۷ شعبان تک ہر دن روزہ رکھنے میں فضیلت ہے، دوسرے یہ کہ پندرہ تاریخ ایامِ بیض میں سے بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہر ماہ کے ایامِ بیض میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے، یعنی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵ تاریخ کو لہٰذا اگر کوئی شخص ان دو وجہ سے ۱۵/ تاریخ کا

روزہ رکھے ایک اس وجہ سے کہ یہ شعبان کا دن ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ ۱۵/ تاریخ ایامِ بیض میں داخل ہے اگر اس نیت سے روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ موجب اجر ہوگا، لیکن خاص پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے لحاظ سے اس روزے کو سنت قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ اسی وجہ سے اکثر فقہاءِ کرام نے جہاں مستحب روزوں کا ذکر کیا ہے، وہاں محرم کی دس تاریخ کے روزے کا علیحدہ ذکر کیا ہے، یومِ عرفہ کے روزے کا ذکر کیا ہے، لیکن پندرہ شعبان کے روزے کا علیحدہ سے ذکر نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ شعبان کے کسی بھی دن بھی روزہ رکھنا افضل ہے۔ بہر حال اگر اس نقطہ نظر سے کوئی شخص روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ اس پر ثواب ہوگا، باقی کسی دن کی کوئی خصوصیت نہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہر معاملے کو اس کی حد کے اندر رکھنا ضروری ہے، ہر چیز کو اس کے درجہ کے مطابق رکھنا ضروری ہے، دین اصل میں حدود کی حفاظت ہی کا نام ہے۔ اپنی طرف سے عقل لڑا کر آگے پیچھے کرنے کا نام دین نہیں، لہٰذا اگر ان حدود کی رعایت کرتے ہوئے کوئی شخص روزہ رکھے تو بہت اچھی بات ہے، انشاء اللہ اس پر اجر وثواب ملے گا، لیکن اس روزے کو باقاعدہ سنت قرار دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بحث ومباحثہ سے پرہیز کرنا چاہئے

یہ شبِ برات اور اس کے روزے کے احکام کا خلاصہ ہے، بس ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا جائے، باقی اس بارے میں بہت زیادہ بحث ومباحثے میں نہیں پڑنا چاہئے، آج کل یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ اگر کسی نے کوئی بات کہہ دی تو اس پر بحث ومباحثہ شروع ہو گیا، حالانکہ یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی ایسے شخص سے کوئی بات سنی ہے جس پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ ہے، تو بس! اسی پر عمل کر لینا چاہئے، کوئی دوسرا شخص دوسری بات کہتا ہے تو پھر بحث میں نہیں پڑھنا چاہئے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث میں پڑنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"المراء یطفئ نور العلم"

یعنی اس قسم کے معاملات میں آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا بحث ومباحثہ کرنا علم کے نور کو زائل کر دیتا ہے، ہمارے ایک شاعر اکبر الہ آبادی مرحوم گزرے ہیں۔ اس بارے میں ان کا ایک شعر بڑا اچھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ؎

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

یہ مذہبی بحث جس میں فضول وقت ضائع ہو، اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اور جن لوگوں کے پاس فالتو عقل ہوتی ہے۔ وہ اس قسم کی بحث ومباحثے میں پڑتے ہیں، اس لئے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جس عالم پر بھروسہ ہو، اس کے کہنے پر عمل کر لینا چاہئے، انشاء اللہ نجات ہو جائے گی، اگر کوئی دوسرا عالم دوسری بات کہہ رہا ہے، تو پھر اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ بس! سیدھا راستہ یہی ہے۔

رمضان کے لئے پاک صاف ہو جانا چاہئے

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کو بے اصل کہنا غلط ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شبِ برات رمضان المبارک سے دو ہفتے پہلے رکھی ہے۔ یہ در حقیقت رمضان المبارک کا استقبال ہے۔ رمضان کی تیاری کرائی جارہی ہے کہ تیار ہو جاؤ، اب وہ مقدس مہینہ آنے والا ہے، جس میں ہماری رحمتوں کی بارش برسنے والی ہے، جس میں ہم مغفرت کے دروازے کھولنے والے ہیں، اس کے لئے ذرا تیار ہو جاؤ۔

جب آدمی کسی بڑے دربار میں جاتا ہے، تو جانے سے پہلے اپنے آپ کو پاک صاف کرتا ہے، نہاتا دھوتا ہے، کپڑے وغیرہ بدلتا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کا عظیم دربار رمضان کی صورت میں کھلنے والا ہے تو اس دربار میں حاضری سے پہلے ایک رات دے دی۔ اور یہ فرمایا کہ آؤ، ہم تمہیں اس رات کے اندر نہلا دھلا کر پاک صاف کر دیں۔ گناہوں سے پاک صاف کریں، تاکہ ہمارے ساتھ تمہارا تعلق صحیح معنی میں قائم ہو جائے اور جب یہ تعلق قائم ہوگا، اور تمہارے گناہ دھلیں گے تو اس کے بعد تم رمضان المبارک کی رحمتوں سے صحیح معنی میں فیض یاب ہو جاؤ گے، اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ رات عطا فرمائی، اس کی قدر پہچانی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک رات کی قدر کرنے اور اس رات میں عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان المبارک

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے۔ یہ صبر وشکر اور عبادت کا مہینہ ہے اور اس ماہ مبارک کی عبادت کا ثواب ستر درجہ عطا ہوتا ہے جو کوئی اپنے پروردگار کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے گا۔ اس کی بہت بڑی جزا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

وظائف

ماہِ رمضان کی پہلی شب بعد نمازِ عشاء ایک مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا بہت افضل ہے۔

ماہ رمضان کی پہلی شب بعد نماز تہجد آسمان کی طرف منہ کر کے بارہ مرتبہ یہ دعا پڑھنی بہت افضل ہے۔

لا اله الا الله القيوم القائم على كل نفس بما كسبت

ماہ رمضان المبارک میں روزانہ ہر نماز کے بعد اس دعائے مغفرت کو تین مرتبہ پڑھنا بہت افضل ہے۔

استغفر الله العظيم الذى لا اله الا هوا لحى القيوم اليه توبته عبد ظالم لا يملك نفسه ضر او لا نفعا و لا موتا و لا حيوة ولا نشورا ط

رمضان المبارک سے متعلق اہم مسائل

روزہ کسے کہتے ہیں

شریعت میں جب سے فجر کی نماز کا وقت آتا ہے اس وقت سے سورج ڈوبنے تک روزے کی نیت سے سب کھانا، پینا اور جائز خواہش پورا کرنا چھوڑ دینے کا نام روزہ ہے۔ (فتاوی ھندیہ صفحہ ۱۲۵، جلد۱)

نوٹ: سحری وافطاری کے اوقات کی دائمی جنتری کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

آجکل جو مختلف کمپنیاں وغیرہ اپنی مشہوری کیلئے سحری وافطاری کے اوقات کے کارڈ چھاپتی ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا چاہئے وہ اکثر غلط ہوتے ہیں اسی طرح اعلانات اور اذان پر بھی اعتماد کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ علمائے کرام سے مصدقہ جنتری سے مدد حاصل کی جائے۔

روزے کی نیت کا مطلب

نیت کا زبان سے کہنا تو بہتر ہے مگر ضروری نہیں دل میں ارادہ ہو تو کافی ہے اور سحری کھانا وغیرہ نیت ہی کہلاتا ہے (فتاوی ھندیہ صفحہ ۱۲۶، جلد۱)۔

رات سے نیت کرنے کا مسئلہ

نیت اگر صبح صادق سے پہلے نہ کی اور صبح ہوگئی مگر کچھ کھایا پیا نہیں تو بھی شرعی دن کا آدھا حصہ گزرنے سے پہلے نیت کر لینے سے روزہ درست ہو جائے گا اور وہ اس طرح پتہ چلے گا کہ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ صبح صادق کتنے بجے ہوئی ہے اور غروب کتنے بجے ہوتا ہے ان کے درمیان کے گھنٹوں کو شمار کر کے اس کا آدھا لے لیا جائے وہ شرعی آدھا دن ہے (جو زوال سے سوا یا ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہوتا ہے) اس سے پہلے پہلے نیت کر سکتے ہیں۔ (ردالمحتار صفحہ ۱۳۵، جلد۲)۔

روزے کی روح اور حقیقت

روزے کی روح اور حقیقت یہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان اور پورے جسم کو حرام باتوں اور کاموں سے محفوظ رکھا جائے اپنے آپ کو حلال سے بچائے اور حرام سے نہ بچائے تو یہ کیسا روزہ ہوا اور اسی کو قرآن کریم میں ''لعلکم تتقون'' سے تعبیر فرمایا کہ تم گناہوں کو چھوڑو۔

روزہ کی فضیلت اور اسکی تاکید کا بیان

رمضان شریف کے روزوں کی فضیلت احادیث میں بہت آئی ہے ایک حدیث میں ہے کہ جس نے رمضان کے روزے محض اللہ کے واسطے اور ثواب سمجھ کر رکھے تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائینگے۔ (مشکوۃ صفحہ ۱۷۳)

دوسری حدیث میں فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ (مشکوۃ ۱۷۳)

درِ منثور کی جلد اول میں حدیث ہے کہ روزہ داروں کے لئے قیامت کے دن عرش کے سائے میں دستر خوان بچھایا جائے گا وہ لوگ اس پر بیٹھ کر کھانا کھائینگے اور سب لوگ ابھی حساب میں پھنسے ہوئے ہونگے یہ دیکھ کر وہ لوگ پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں کہ کھا پی رہے ہیں اور ہم حساب کتاب میں پھنسے ہوئے ہیں ارشاد ہوگا کہ یہ لوگ روزہ رکھا کرتے تھے اور تم لوگ نہ رکھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رمضان شریف کے ایک دن کا روزہ چھوڑے بغیر سفر اور مرضِ شدید کے تو اگر وہ ساری زندگی بھی روزہ رکھ لے تو وہ اس کے برابر فضیلت میں نہیں ہوسکتا۔ (بخاری، ترمذی ابوداؤد)

روزہ رکھنے کی حکمتیں

روزہ رکھنے میں بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً جسم کی تندرستی، نفس کا مغلوب ہونا، شیطان کی ناراضگی، دل کی صفائی، گناہوں کا معاف ہونا، آخرت میں ثواب و مرتبۂ اعلیٰ حاصل ہونا، فرشتوں کی صفت حاصل ہونا، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا وغیرہ۔

روزہ کی خوبیاں وفوائد

روزہ کی بہت سی خوبیاں اور فائدے ہیں مثلاً

- اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر معلوم ہو کر اُن کا شکر ادا کرے گا۔

۲۔ روزہ کی برکت سے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریگا اور تقویٰ اختیار کریگا۔

۳۔ خواہشاتِ نفسانی کی اصلاح ہو جائیگی اور جذبات میں اعتدال پیدا ہو جائیگا۔

۴۔ فقراء و مساکین پر رحم اور ان کی خدمت کرے گا۔

۵۔ فرشتوں کی صفت سے متصف ہوگا جو کہ کھانے پینے اور ہر قسم کی لذتوں سے پاک ہیں اور ہر وقت عباداتِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

۶۔ صبر کی صفت اور برداشت کی عادت پیدا ہوگی اور مصائب جھیلنے کی مشق ہوگی۔

۷۔ دل میں صفائی آجائیگی جس سے شریعت کی پابندی اور اوامر و نواہی پر عمل آسان ہو جائیگا اور رذائل خبیثہ کی بیخ کنی کر کے اخلاق فاضلہ پیدا کرے گا۔

۸۔ روزہ رکھنا دنیا میں روزہ دار کو گمراہی سے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچائے گا۔

۹۔ روزہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

۱۰۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔

۱۱۔ روزہ دار کو دنیا اور آخرت میں فرحت حاصل ہوگی، دنیا میں جبکہ وہ روزہ افطار کرتا ہے اور آخرت میں جبکہ روزہ دار کو ثواب اور جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا۔

۱۲۔ روزہ فرشتوں کے سامنے روزہ دار کے ذکر کو بلند کرتا ہے۔

۱۳۔ روزہ دار کا جسم بیماریوں سے تندرست رہتا ہے، روزہ بلغمی امراض اور رطوباتِ ردّیہ کو جسم سے زائل کرتا ہے۔

۱۴۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور گناہوں کی آگ بجھتی ہے۔

۱۵۔ یہ ایک خفیہ عبادت ہے اس لئے اس میں ریا کاری داخل نہیں ہوتی وغیرہ۔ (زبدۃ الفقہ مع قلیل اضافہ)

۱۶۔ بھوک، پیاس برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ مباحات کو ترک کرنے کی مشق کر کے حرام و ناجائز چیزیں ترک کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، حکمِ ربانی کی اطاعت پر ہمت بندھتی ہے۔ بھوک، پیاس کا عملی تجربہ کر کے غریبوں اور بے کسوں کی امداد اور اعانت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ غم خواری اور خیر خواہی پر قلوب آمادہ ہوتے ہیں۔ شہوات و خواہشات کی بھٹی

ٹھنڈی پڑ جاتی ہے نفسانی قوتوں میں انکسار و اضمحلال پیدا ہو کر نفس پر کنٹرول کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ پرہیزگاری اور عفت و پاکدامنی کے آثار نمایا ہونے لگے ہیں ۸ اور اس کے علاوہ بے شمار دینی و دنیوی فوائد و مصالح کا ذریعہ ہے۔

روزے کی قسمیں

۱۔ فرضِ معین روزے:

جن فرض روزوں کا وقت معین ہے وہ ہر سال میں ایک مہینہ یعنی رمضان المبارک کے ادائی روزے ہیں۔ انکی فرضیت قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ (بدائع ج:۲، ص:۷۵)

۲۔ فرضِ غیر معین روزے

جن فرض روزوں کا کسی خاص وقت میں رکھنا متعین نہ ہو وہ رمضان المبارک کے قضا کے روزے ہیں خواہ وہ کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے ہوں یا بلا عذر قضا ہو گئے ہوں۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۱۹۶)

۳۔ واجب معین روزے

۱۔ نذرِ معین کے روزے یعنی نذر کے وہ روزے جن میں کسی خاص دن یا تاریخ یا مہینے کا تعین ہو، مثلاً کسی نے جمعرات کے روزے کی نذر مانی ہو۔ (سورۃ حج، آیت:۲۹)

۲۔ قسم معین کے روزے۔

۳۔ اگر کسی اکیلے شخص نے رمضان یا شوال کا چاند خود دیکھا ہو اور اس کی شہادت شرعاً قبول نہ کی گئی ہو تو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا واجب ہے۔

۴۔ واجب غیر معین روزے

۱۔ نذرِ غیر معین مثلاً کسی نے ایک غیر معین دن کے روزہ کی نذر کی۔ (سورۃ حج، آیت:۲۹)

۲۔ نفل روزہ شروع کرنے کے بعد توڑ دیا ہو تو اس کی قضا واجب ہے خواہ قصداً توڑا ہو یا بلا قصد اور یہ واجب غیر معین ہے جب چاہے اس کی قضا کرے۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۲۰۸)

مسنون روزے

(یعنی جن کا ثواب زیادہ ہے اس لئے کہ حدیث میں ان کی فضیلت آئی ہے)

محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ

۱۔ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا مسنون ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو یہ روزہ

رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف ہو جائینگے مگر نویں یا گیارھویں تاریخ کا روزہ ملا لے اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو دسویں تاریخ کا روزہ نویں تاریخ کے ساتھ رکھوں گا۔ (مراقی صفحہ ۳۵۰)۔

۲۔نویں ذی الحجہ کا روزہ

۹ ذی الحجہ کے روزہ کی فضیلت یہ ہے کہ ایک سال کے اگلے اور ایک سال کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بلکہ پہلی ذی الحجہ سے روزہ ۹ ذی الحجہ تک لگاتار رکھنا مستحب ہے۔

(فتاوی ہندیہ صفحہ ۱۳۰، جلد ۱)

۳۔ایامِ بیض کے روزے

ہر مہینہ کی تیرہویں، چودھویں، پندرھویں تاریخ کے روزے رکھ لے تو سال بھر روزہ رکھنے کا اجر ملتا ہے ابوداؤد شریف کی حدیث ہے صحابہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ بیض یعنی ہر مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے کہ یہ ایسا ہے کہ گویا سال بھر روزے رکھے۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۲۰۱) 3×12 =36 چھتیس روزے ہوئے پھر ہر ایک کا ثواب دس گناہ بڑھ جاتا ہے تو 360 ہو گئے۔ (سورہ انعام، آیت:۱۶۱)

مستحب روزے

۱۔شوال کے چھ روزے

عیدالفطر کے دن کے بعد شوال کے مہینے کے اندر چھ روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ (مراقی صفحہ ۳۵۰)

۲۔پیر اور جمعرات کا روزہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔

نوٹ۔آج چودہ سو سال کے بعد سائنس کی تحقیق یہاں تک پہنچی ہے کہ جتنے روزے حدیث سے ثابت ہیں ان کا اہتمام کر لینے سے معدہ درست رہتا ہے ورنہ معدہ استعمال ہو ہو کر گھس جاتا ہے اور ہاضمے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے عرض کرنے کی غرض یہ ہے کہ سنت میں دین کے تو فوائد ہیں ہی اور یہی ایک مومن کا مقصد ہونا چاہئے لیکن دنیوی فوائد بھی ہیں اللہ رب العزت تمام امتِ مسلمہ کو ان نفلی روزوں کی بھی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

مکروہ تحریمی یا حرام روزے:

(۱) عید الفطر کے دن کا روزہ۔

(۲) عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

(۳) عید الاضحیٰ کے بعد کے تین دن یعنی ۱۱، ۱۲، اور ۱۳، ذی الحجہ یعنی ایامِ تشریق کے روزے (ان پانچ دنوں کے روزے حرام ہیں۔(ان پانچ دنوں کے روزے مکروہِ تحریمی ہے اور مکروہِ تحریمی حرام کے قریب ہوتا ہے یا حرام ہیں جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حجاز نے کہا ہے) اور حیض ونفاس کے زمانے میں بھی عورت کے لئے روزہ ر
کھنا حرام اور قضا رکھنا فرض ہے۔(ابن ماجہ، ص:۱۲۳)

مکروہِ تنزیہی روزے

(جن کے رکھنے پر گناہ تو نہیں البتہ بہتر نہیں ہے)

(۱) عمر بھر کے مسلسل روزے۔(۲) صرف سنیچر، ہولی، دیوالی، نوروز وغیرہ اور ایام وغیرہ کے ورزے جنمیں اہل کتاب یا یہود وغیرہ برکت کے لئے رکھتے ہیں۔(۳) شک کے دن میں یعنی شعبان کی ۳۰ تاریخ کو روزہ رکھنا مکروہ ہے نصف النہار شرعی تک انتظار کرنا مستحب ہے، مگر کوئی خبر نہ آوے تو روزہ کھول دیں اور اگر شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے تو نیت کرلیں۔البتہ اگر کوئی شخص جمعہ، جمعرات، دوشنبہ وغیرہ کے روزے رکھنے کا عادی ہو یا قضا و کفارہ کے روزے رکھ رہا ہو یا خالص نفل کی نیت کر سکتا ہو تو وہ شک کے دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔اور بعد میں رمضان ثابت ہونے پر اس کی قضا نہ آئے گی۔

جن روزوں میں رات سے (یعنی صبح صادق سے پہلے پہلے) نیت ضروری نہیں ہے

۱۔ رمضان کے ادائی روزے۔

۲۔ نذر کے وہ ادائی روزے جن کا زمانہ معین کیا گیا ہو۔

۳۔ نفل کا ادائی روزہ، اس سے مراد فرض و واجب کے علاوہ باقی روزے ہیں خواہ سنت ہوں یا مستحب یا مکروہ۔ (شامی، ج:۲، ص:۳۷۷)

جن روزوں میں رات سے (یعنی صبح صادق سے پہلے پہلے) نیت ضروری ہے:

(۱) رمضان کے قضائی روزے اور نذرِ مطلق کے روزے۔

(۲) نذرِ معین کے قضائی روزے۔

(۳) نفل روزوں کی قضا جن کو شروع کرنے کے بعد توڑ دیا ہو۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۷۷)

رمضان کا روزہ کس پر فرض ہے؟

روزہ ہر مسلمان، عاقل، بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے بچہ اور مجنون پر فرض نہیں ہے جن پر روز فرض ہے وہ روزہ چھوڑ نہیں سکتے جب تک کوئی شرعی عذر نہ ہو اور وہ سفر شرعی اور بیماری ہے جس میں روزے کی وجہ سے مرض پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے یا جان چلی جانے کا خوف ہو اور دیندار ڈاکٹر روزہ رکھنے سے منع کر دے۔ اس طرح اگر ایسی پیاس لگی کہ اگر روزہ نہ توڑا جائے گا تو ہلاکت کا ڈر ہے تو بھی روزہ توڑنا درست ہے۔

(شرح وقایہ صفحہ ۳۰۴، جلد ا، ردالمحتار صفحہ ۱۲۹، جلد ۲ اور فتاوی ھندیہ صفحہ ۱۳۳، جلد ا)

نوٹ: مزید عذروں کا بیان آگے آرہا ہے۔

وہ اعذار جن سے رمضان المبارک کے روزے نہ رکھنا یا توڑنا جائز ہے

جن اعذار کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا جائز ہو جاتا ہے تیرہ ہیں:

(۱) مرضِ شدید

ایسا مرض کے جس سے جان کے ضائع ہونے یا کسی عضو کے بیکار ہو جانے یا بگڑ جانے کا یا کسی نئے مرض کے پیدا ہو جانے کا یا موجودہ مرض کے بڑھ جانے یا دیر میں صحت ہونے کا خوف ہو یا آنکھ کے درد کا یا کسی زخم کا یا سر کے درد کا خوف ہو تو اس کو روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا جائز ہے مثلاً کسی کے پیٹ میں اچانک ایسا درد اٹھا کہ بے چین ہو گیا اور اس کو دوا پینا ضروری ہے تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے، اگر ان سب صورتوں میں روزہ رکھنا برداشت کر سکے تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے لیکن اگر ہلاکت کے خوف کا ظنِ غالب ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہے۔ (شامی، ج:۲،ص:۱۳۰)

(۲) سفرِ شرعی

سفر شرعی جس کی مقدار ۴۸ میل یا اس سے زیادہ ہو۔

مسافر کو اختیار ہے کہ سفر والے دنوں میں روزہ رکھے یا نہ رکھے لیکن اگر روزہ رکھنا ضرر نہ کرتا ہو تو روزہ رکھنا مستحب و افضل ہے اور نہ رکھنا بھی جائز ہے بعد میں قضا کرے لیکن وہ شخص رمضان شریف میں روزہ رکھنے کی فضیلت سے محروم رہے گا اور اگر روزہ رکھنے سے ہلاکت کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہے۔

(۳) جبر و اکراہ:

اگر کسی مریض یا مسافر کو مجبور کیا گیا کہ وہ رمضان کا روزہ توڑ دے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اس پر روزہ توڑ دینا واجب ہے اور شرعاً اس کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے حتی کہ اگر اس

نے روزہ نہ توڑا اور وہ قتل کر دیا گیا تو گنہگار ہوگا بخلاف اس کے اگر تندرست و مقیم شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ روزہ توڑ دے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائیگا تو اس کو روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے اور روزہ رکھنا (روزہ نہ توڑنا) افضل ہے پس اگر اس نے روزہ توڑنے سے انکار کیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کو اس پر ثواب ملے گا۔

(۴) حمل (۵) ارضاع (دودھ پلانا):

اگر کوئی حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت خواہ اس بچہ کی ماں ہو، یا دایہ، اپنی یا اپنے بچے کی جان پر ہلاکت یا نقصان کا خوف کرے تو اس کو روزہ نہ رکھنا اور رکھا ہوا ہو تو روزہ توڑ دینا جائز ہے اور اس پر صرف قضا واجب ہوگی۔

(۶) بھوک (۷) پیاس:

ایسی شدید بھوک و پیاس ہو جس سے ہلاکت کا خوف ہو تو مطلق طور پر روزہ افطار کر دینا جائز ہے، اگر کسی روزہ دار کو مشقت کا کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اور وہ بھوک یا پیاس کی شدت کے باعث روزہ توڑنے پر مجبور ہو جائے یا وہ ابتداء ہی سے روزہ نہ رکھے تو جائز ہے اور اس پر صرف قضا واجب ہوگی لیکن اگر اپنی مرضی سے اس قدر مشقت کا کام کیا تو اس پر روزہ رکھنے کے بعد توڑ دینے کی صورت میں کفارہ بھی واجب ہوگا۔

(۸) جہاد (دشمن سے جنگ):

(۱) اگر کسی غازی (فوجی) کو یقیناً یا غالب گمان ہو کہ رمضان میں اس کو کسی دشمن دین سے لڑنا پڑیگا اور روزہ رکھنے کی صورت میں اس کو کمزوری اور لڑنے میں کمی آنے کا خوف ہو تو اس کو لڑائی شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھنے کے بعد توڑ دینا جائز ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم ہو۔

(۹) بڑھاپا و ضعف:

شیخِ فانی خواہ مرد ہو یا عورت اگر وہ روزہ پر قادر نہ ہو تو اس کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور اس پر ہر روزہ کے بدلہ فدیہ دے دینا فرض ہے۔

(۱۰) حیض (۱۱) نفاس:

(۱) اگر کسی عورت کو حیض یا نفاس جاری ہو تو وہ روزے نہ رکھے اور ان روزوں کو رمضان المبارک کے بعد قضا کرے۔

(۲) اگر کسی عورت، نے حیض کی حالت میں رات کے وقت یعنی طلوع فجر سے پہلے روزے کی نیت کی پھر فجر طلوع ہونے سے پہلے پاک ہوگئی تو اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۳) اگر حیض یا نفاس والی عورت طلوعِ فجر کے بعد نصف النہار سے پہلے پاک ہوئی تو اس کو اس دن نہ فرض روزہ رکھنا صحیح ہے نہ نفلی روزہ، اور اس پر حیض ونفاس کے دوسرے دنوں کے ساتھ اس دن کے روزہ کی بھی قضا واجب ہوگی۔

(۱۲) بیہوشی:

(۱) ایامِ بیہوشی کے تمام روزوں کی قضا ہے اگر چہ تمام ماہِ رمضان بیہوش رہا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ سب روزے معاف ہوگئے۔

(۲) جس شخص کو ماہِ رمضان میں بیہوشی ہوگئی اور وہ ایک دن سے زیادہ بیہوش رہا تو جس دن اس کو بیہوشی شروع ہوئی ہے اس دن کے روزہ کی قضا واجب نہیں ہے خواہ بیہوشی رات میں طاری ہوئی ہو یا دن میں، اس کے بعد کے دنوں کی قضا ہے، لیکن اگر وہ شخص ایسا مریض یا مسافر ہو جو روزے نہ رکھتا ہو یا ایسا بیباک شخص ہو جس کو تمام رمضان میں روزے رکھنے کی عادت ہی نہ ہو یا اس دن اس کے حلق میں دوا ڈالی گئی ہو تو اس پر بیہوشی والے دن کے روزہ کی قضا بھی واجب ہوگی، یہ حکم اسوقت ہے جبکہ اس کو اس روز کے روزہ کی نیت کرنا یا نہ کرنا یاد نہ ہو لیکن اگر وہ جانتا ہے کہ اس نے روزہ کی نیت کی ہے تو بلا شک وشبہ اس کا اس دن کا روزہ صحیح ہے اور اگر وہ جانتا ہے کہ اس نے روزہ کی نیت نہیں کی ہے تو اس دن کا روزہ نہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

(۱۳) جنون:

ماہِ رمضان میں پورا مہینہ دن رات جنون کے رہنے سے روزں کا فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے پس اگر کسی شخص پر رمضان کا پورا مہینہ جنون طاری رہا ہو تو اس پر ماہِ رمضان کے روزوں کی قضا بالاتفاق واجب نہیں ہے۔

(۲) اگر ماہِ رمضان کی پہلی رات کو افاقہ تھا پھر وہ صبح کو مجنون ہوگیا اور پورا مہینہ جنون طاری رہا تو اس پر کسی روزے کی قضا واجب نہیں ہے لیکن اگر ماہِ رمضان میں کسی وقت ایک ساعت بھی اس کو افاقہ ہوگیا تو اس پر گذشتہ دنوں کے روزوں کی قضا واجب ہوگی۔ (زبدۃ الفقہ)

روزے کی سنتیں اور مستحبات

(۱) سحری کھانا سنت ہے، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے نبی کریم

ﷺ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ، اور ہمارے روزوں میں صرف سحری کا فرق ہے یعنی وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم سحری کھاتے ہیں (مسلم، ج:۱،ص۳۵۰، ترمذی، ج:۱،ص:۱۵۰) ایک دو لقمے کھالینے یا ایک دو گھونٹ پانی پی لینے سے سحری کی سنت ادا ہو جاتی ہے پس اگر کسی شخص کو کھانے پینے کی حاجت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ کم از کم ایک دو لقمے یا ایک دو کھجور یا چھوہارے، ہی کھالے یا ایک دو گھونٹ پانی ہی پی لے تا کہ اس کی سحری کی سنت ادا ہو جائے، (الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۲۶۲) مستحب یہ ہے کہ سحری میں میٹھی چیز کھجور وغیرہ بھی شامل ہو (ابو داؤد) اور سحری کھانے میں ضرورت سے زیادہ کثرت نہ کرے۔

(۲) سحری دیر سے کھانا مستحب ہے اور بعض کے نزدیک سنت ہے (اگر چہ آخر وقت میں ایک گھونٹ پانی ہی پی لے) تاخیر کرنا اس وقت تک مستحب ہے جبکہ یقین یا گمان غالب ہو کہ ابھی رات باقی ہے یعنی صبح صادق سے پہلے یقینی طور پر یا گمان غالب کے مطابق سحری سے فارغ ہو جانا چاہئے جب وقت میں شک واقع ہو جائے تو اب سحری کھانا مکروہ ہے۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۰)

(۳) جن روزوں کیلئے دن میں روزہ رکھنے کی نیت کرنا جائز ہے ان سب صورتوں میں رات کو یعنی صبح صادق سے پہلے روزہ کی نیت کرنا مستحب و افضل ہے۔

(۴) روزہ کی نیت زبان سے بھی کہنا سنت ہے، زبان سے نیت کیلئے مثلاً یوں کہے

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (عالمگیری، ج:۱، ص:۱۹۵)

(۵) سورج غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا افضل ہے، مستحب یہ ہے کہ نمازِ مغرب سے پہلے افطار کرے، (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۰) ابر وغبا والے دن زیادہ جلدی نہ کرے بلکہ پوری طرح اطمینان کرلے، (بدائع، ج:۲،ص:۱۰۶) جو شخص بلند جگہ مینار وغیرہ پر ہو تو جب تک اس کے نزدیک سورج غروب نہ ہو جائے اس وقت تک روزہ افطار نہ کرے اگر چہ نیچے والوں کے نزدیک غروب ہو چکا ہو اور وہ افطار کر چکے ہوں کیونکہ بلندی والوں کے لئے ان کے اپنے مطلع کا اعتبار ضروری ہے اور نیچے والوں کے لئے ان کے اپنے مطلع کا اعتبار ضروری ہے۔

(۶) چھوہارے یا کھجور سے افطار کرنا سنت ہے اور ان کا طاق عدد ہونا الگ سنت ہے، اگر یہ نہ ہوں تو پھر کسی اور میٹھی چیز سے افطار کرنا سنت ہے، اگر کوئی بھی میٹھی چیز نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا سنت ہے، (ترمذی، ج:۱،ص:۱۵۰) بعض لوگ نمک کی کنکری سے روزہ کھولنا سنت سمجھتے

ہیں اور اس میں بڑا ثواب سمجھتے ہیں یہ غلط عقیدہ ہے۔

(۷) افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ وَصَوْمَ الْغَدِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَوَيْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ، یا صرف یہ کہے، اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ". (عالمگیری، ج: ۱، ص: ۲۰۰)

روزہ دار کے لئے مستحب ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت دنیا و آخرت کے لئے جو دعا چاہے مانگے اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے

"ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ انشاء اللّٰهُ تعالیٰ"

(۸) اگر کسی مؤمن کو روزہ افطار کرائے تو افطار کرانے والے کو بھی اسی کے مثل اجر حاصل ہوگا، اگر چہ ایک گھونٹ لسی یا ایک کھجور، یا ایک گھونٹ پانی کے ساتھ افطار کرائے۔ (مشکوٰۃ، ج:۱،ص:۱۷۳)

(۹) روزہ دار کے لئے اپنے اعضا یعنی کان، آنکھ، زبان ہاتھ پاؤں وغیرہ کو مکروہات مثلاً بری باتوں جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم، شہوت کی نظر، فحش گوئی، ظلم، دشمنی، ریا کاری وغیرہ سے بچانا مستحب ہے یعنی اس سے روزے کا پورا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اگر چہ تمام گناہوں سے بچنا ہر وقت فرض ہے لیکن روزہ دار کیلئے اس کی اور زیادہ تاکید ہے۔

روزہ کے تین درجے ہیں

اول: عام لوگوں کا روزہ، اور وہ یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے رکا رہے، یہ روزہ کا ادنیٰ درجہ ہے۔

دوم: خواص یعنی صالحین کا روزہ، اور وہ یہ ہے کہ عوام کی طرح کھانے پینے اور جماع سے بھی رُکا رہے اور اپنے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ پاؤں اور تمام اعضائے بدن کو گناہوں سے بچاتا رہے اور مباح امور میں مصروف رہنے سے بھی حتی الامکان بچتا رہے۔

سوم: اخص الخواص کا روزہ، اور وہ یہ ہے کہ اس میں عوام و خواص کے روزہ کی صفات بھی پائی جائیں اور ساتھ ہی وہ اپنی قلب کو ادنیٰ خواہشات اور دنیاوی افکار سے باز رکھے اور اپنے دل کو غیر اللہ سے پوری طرح ہٹا کر ہر وقت مشاہدہ حق میں مستغرق رہے البتہ جو دنیاوی کام دین کے معاون ہیں وہ آخرت کا سرمایہ ہیں ان میں مشغول ہونے سے اخص الخواص کے روزہ میں

کوئی حرج نہیں ہوتا لیکن حتی الامکان ان امور سے بھی بچتا رہے اور یہ درجہ انبیاء علیہم السلام و صدیقین اور مقربین اولیاء اللہ کے روزے کا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ کا روزہ ہے۔

(۱۰) روزہ کی حالت میں جس وقت چاہے مسواک کرسکتا ہے ہر وقت مستحب ہے، اور جس وقت منھ کی بو متغیر ہوجائے اور سوکر اٹھنے کے بعد اور ہر عبادت کے وقت یعنی وضو کرتے وقت، نماز پڑھتے وقت، قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت اور درس وتدریس وغیرہ کے وقت اس کی زیادہ تاکید ہے۔(عالمگیری، ج:۱،ص:۱۹۹)

(۱۱) رمضان المبارک میں اور دنوں کی نسبت عبادات اور خیرات کی کثرت کرنا خصوصاً رمضان کے اخیر عشرہ میں راتوں کو جاگنا مستحب ہے اور مسجد میں اعتکاف کرنا سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے جیسا کہ اعتکاف کے بیان میں مذکور ہے۔

رمضان کی ابتداء ایک ملک میں اور آخر میں دوسرے ملک میں ہونے کا مسئلہ

ایک شخص نے ایک ملک میں روزے رکھنے شروع کئے پھر دوسرے ملک میں چلا گیا مثلاً پاکستان میں روزے رکھنے شروع کئے اور پھر مکہ چلا گیا تو وہیں کے حساب سے روزے بھی رکھنے پڑیں گے اور عید بھی کرنی پڑے گی۔اب اگر اس شخص نے مکہ میں عید کرلی اور یہ شخص پاکستان میں ہوتا تو اس کے ۳۰ روزے ہوتے لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ بعد میں ایک روزہ رکھ لے اور اگر مکہ سے پاکستان آیا ہے اور ۳۰ روزے پورے کرکے آیا ہے اور یہاں ۲۹ واں روزہ ہے تو اس پر ۳۱ روزے رکھنا لازم نہیں، اختیار ہے چاہے رکھے چاہے نہ رکھے البتہ روزہ رکھنا افضل ہے اگرچہ وہ نفل ہوجائینگے، البتہ روزہ نہ رکھنے کی صورت میں روزہ داروں کے سامنے کھانا پینا جائز نہ ہوگا۔(کتاب الآثار،ص:۱۱۷)

وہ صورتیں جن میں روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

☆ کسی قسم کا انجیکشن یا ٹیکہ لگوانا (شامی، ج:۲،ص:۳۹۵)۔

☆ کسی عذر سے رگ کے ذریعہ گلوکوز چڑھوانا (بدائع، ج:۲،ص:۹۳)۔

☆ سخت ضرورت کے وقت خون چڑھوانا۔(البحر الرائق، ج:۲،ص:۲۷۶)

☆ طاقت کا انجیکشن لگوانا (شامی، ج:۲،۳۹۵)

☆ ایسی آکسیجن دینا جو خالص ہو اور اس میں ادویات کے اجزاء شامل نہ ہوں (ر)۔

☆ کلی کرنے کے بعد منہ کی تری نگلنا۔(شامی، ج:۲،ص:۳۹۶)

☆ اپنا لعابِ دہن جو اپنے منہ میں ہو نگل لینا، البتہ اسے منہ میں جمع کرکے نگلنا

نہیں چاہئے کہ یہ مکروہ ہے۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۱۹۹)

☆ ضرورت کے وقت کوئی چیز چکھ کر تھوک دینا۔ (تاتارخانیہ، ج:۲،ص:۳۸۰)

☆ ناک کو اس قدر زور سے سڑک لینا کہ حلق کے اندر چلی جائے۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۰۰)

☆ دانت اس طرح نکلوانا کہ روزہ بے خطر ادا ہو جائے اور خون حلق میں نہ جائے۔ (ب)۔

☆ دانتوں سے نکلنے والا خون نگل لینا بشرطیکہ وہ لعاب دہن سے کم ہو اور منہ میں خون کا ذائقہ معلوم نہ ہو۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۹۶)

☆ نکسیر پھوٹنا جسکا خون پیٹ میں نہ جائے۔ (البحر الرائق، ج:۲،ص:۲۷۳)

☆ چوٹ وغیرہ کے سبب جسم سے خون نکلنا۔ (بدائع، ج:۲،ص:۹۲)

☆ کسی زہریلی چیز کا ڈسنا۔ (ب)۔

☆ مرگی کا دورہ پڑنا۔ (ب)۔

☆ بواسیر کے مسّوں کو (جن کا محل عموماً پاخانہ کی جگہ کا کنارہ ہوتا ہے) طہارت کے بعد اندر دبا دینا۔ (ب)۔

☆ حلق میں بلا اختیار دھواں، گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۹۵)

☆ بھول کر کھانا، پینا یا بھول کر بیوی سے صحبت کرنا۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۲)

☆ اگر جماع کا اندیشہ نہ ہو تو بیوی سے بوس و کنار کرنا۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۷۶)

☆ سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہو جانا۔ (البحر الرائق، ج:۲،ص:۲۷۲)

☆ کان میں پانی ڈالنا، یا بے اختیار پانی کا چلے جانا۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۹۶)

☆ خود بخود قے آنا۔ (شامی، ج:۲،ص:۱۰۳)

☆ آنکھوں میں دوا یا سرمہ لگانا۔ (در مع الرد، ج:۲،ص:۳۹۵)

☆ مسواک کرنا۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۲)

☆ سر اور بدن میں تیل لگانا۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۹۵)

☆ عطر یا پھولوں کی خوشبو سونگھنا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۱۷)

☆ دھونی دینے کے بعد اگر بتی اور لوبان کی خوشبو سونگھنا جب کہ ان کا دھواں باقی نہ رہے۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۱۷)

☆ رومال بھگو کر سر پر ڈالنا اور کثرت سے نہانا۔ (فتاویٰ دار العلوم، ج:۶، ص:۲۵۹)

☆ بچہ کو دودھ پلانا۔ (البحر الرائق، ج:۲، ص:۲۷۸)

☆ پان کی سرخی اور دوا کا ذائقہ منہ سے ختم نہ ہونا۔ (عالمگیری، ج:۲، ص:۳۹۶)

وہ صورتیں جن میں روزہ مکروہ ہو جاتا ہے

وہ صورتیں جن میں روزہ نہیں ٹوٹتا مگر مکروہ ہو جاتا ہے۔

☆ ٹوتھ پیسٹ، منجن، مسی، دنداسہ اور کوئلہ وغیرہ سے دانت صاف کرنا جب کہ ان کا کوئی جزو حلق میں نہ جانے پائے۔ (شامی، ج:۲، ص:۲۱۶)

☆ نفس کے بے اختیار ہو کر صحبت ہو جانے یا انزال ہو جانے کا خطرہ ہو تو بیوی سے بوس و کنار کرنا، معانقہ کرنا اور ساتھ لیٹنا۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۲۷۶)

☆ بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا یا چکھ کر تھوکنا۔ (تاتارخانیہ، ج:۲، ص:۳۸۰)

☆ غیبت کرنا۔ (شامی، ج:۲، ص:۴۰۰)

☆ لڑنا، جھگڑنا اور گالی گلوچ کرنا، خواہ کسی انسان کو گالی دے یا بے جان چیز کو۔ (ا۔ر)۔

☆ خون دینا، پچھنے لگانا، جس سے ضعف کا خوف ہو۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۲۰۰)

☆ اپنے منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۱۹۹)

☆ بلا عذر رگ کے ذریعہ گلوکوز چڑھوانا۔ (ب)

وہ صورتیں جن میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے یہ ہیں۔

☆ ڈاڑھ نکلوائی اور خون حلق میں چلا گیا۔ (شامی، ج:۲، ص:۳۹۶)

☆ کسی مرض کی وجہ سے اتنا خون یا پیپ دانتوں سے نکل کر حلق میں چلا جائے جو لعابِ دہن کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تھوک میں ان کا رنگ نظر آئے اور منہ میں ذائقہ محسوس ہو۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۲۰۳)

☆ ناک اور کان میں تر دوا ڈالنا اور ایسی ناس لینا یا خشک سفوف ڈالنا جس کا جوفِ دماغ میں پہنچنا یقینی ہو۔ (شامی، ج:۲، ص:۴۰۲)

☆ مشت زنی کرنا (یعنی اپنے ہاتھ سے منی نکالنا)۔ (البحر الرائق، ج:، ص:۲۷۲)

☆ بیوی کا بوس و کنار کرنے کی وجہ سے انزال ہونا۔ (عالمگیری، ج:۱، ص:۲۰۴)

☆ ایسی چیز کا نگل جانا جسے عادتاً کھایا نہیں جاتا جیسے کنکر اور لکڑی کا ٹکڑا وغیرہ۔
(بدائع، ج:۲،ص:۹۹)

☆ یہ سمجھ کر کہ احتلام سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، روزہ افطار کر لینا۔
(شامی، ج:۲،ص:۴۰۶)

☆ بیماری یا کسی مجبوری میں روزہ افطار کر لینا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۱۳)

☆ سحری کا وقت خیال کر کے صبح صادق ہو جانے کے بعد سحری کھالینا۔
(الجوہرۃ النیر ۃ، ج:۱،ص:۱۷۴)

☆ یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے افطار کر لینا۔ (ہدایۃ، ج:۱،ص:۲۰۷)

☆ روزہ یاد ہو مگر وضو کرتے ہوئے یا نہاتے ہوئے بلا اختیار حلق میں پانی چلا جانا۔
(عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۲)

☆ غروب آفتاب سے پہلے چاند صاف نظر آیا کسی عالم نے وثوق سے افطار کر لینے کا فتویٰ دیا، جب کہ خود کو اس بارے میں مسئلہ معلوم نہ تھا اس لئے افطار کر لیا اس صورت میں قضاء بھی کرے اور استغفار بھی البتہ اس عالم پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۴۲)

☆ قصداً منہ بھر کرتے کر لینا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۱۴)

☆ لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا۔ (شامی، ج:۲،ص:۳۹۵)

☆ منہ میں آنسو یا پسینے کے قطرے چلے جائیں اور منہ میں ان کا ذائقہ محسوس ہو اور روزہ دار ان قطروں کو نگل لے۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۳)

قضا روزے کا بیان

(۱) رمضان شریف کے جو روزے کسی وجہ سے قضا ہو گئے ہوں جہاں تک ہو سکے جلدی ان کی قضا رکھ لے دیر نہ کرے، قضا رکھنے میں بلا وجہ دیر لگانا گناہ ہے۔ (بدائع، ج:۲،ص:۲۶۵)

(۲) قضا روزوں میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے اگر صبح طلوع ہو جانے کے بعد نیت کی تو قضا صحیح نہیں ہوتی بلکہ وہ روزہ نفل ہوگا قضا کا روزہ پھر سے رکھے (جیسا کہ نیت کے بیان میں مذکور ہے)۔ (السراج الوہاج، ج:۱،ص:۱۹۶)

(۳) رمضان شریف کے جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں خواہ سب کو ایک ساتھ متواتر رکھ

لے یا تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے دونوں طرح درست ہے۔ (بدائع، ج:۲،ص:۲۶۵)

(۴) اگر رمضان کے قضا روزے ابھی نہیں رکھے اور دوسرا رمضان آ گیا تو اب رمضان کے ادا روزے رکھے اور عید الفطر گذر جانے کے بعد قضا روزے رکھے لیکن بلا وجہ اتنی دیر کرنا بُری بات اور گناہ ہے۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۸)

(۵) جس شخص کے رمضان کے روزے فوت ہو گئے اور وہ ماہِ رمضان انتیس دن کا تھا تو وہ دنوں کی تعداد کے مطابق روزے قضا کرے یعنی انتیس روزے قضا کے رکھے اور اگر وہ مہینہ تیس دن کا تھا یا اس کو معلوم نہیں ہے کہ وہ مہینہ انتیس دن کا تھا یا تیس دن کا تھا تو وہ پورے تیس روزے رکھے۔ (بدائع، ج:۲،ص:۹۷)

وہ صورتیں جن میں قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

وہ صورتیں جن میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں یہ ہیں۔ قضا یہ ہے کہ ایک روزہ کی قضا میں ایک روزہ رکھا جائے۔ اور کفارہ کا بیان آگے آرہا ہے۔

☆ جان بوجھ کر کچھ کھا پی لینا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۰۲)

☆ کسی بزرگ کا تھوک تبرکاً چاٹ لینا، یا بیوی یا اپنے بچے کا لعاب نگل لینا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۰۶)

☆ مسئلہ معلوم ہو یا نہ ہو اپنی بیوی سے صحبت کرنا جب کہ روزہ یاد ہو۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۰۶)

☆ جان بوجھ کر کچا گوشت یا چاول کھالینا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۰۶)

☆ جان بوجھ کر سگار، حقہ، بیڑی اور سگریٹ وغیرہ پینا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۰۶)

☆ اگر کسی نے تھوڑی سی نسوار روزہ کی حالت میں منہ کے اندر رکھ کر فوراً نکال دی اور اس کا پورا یقین ہو کہ نسوار کا کوئی جز وحلق میں نہیں گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ بالاتفاق مکروہ ہے مگر چونکہ عادتاً ایسا ہونا (مشکل) ہے کہ نسوار کا جز وحلق میں نہ جائے خصوصاً جب کہ استعمال کرنے والے کافی دیر تک منہ میں رکھے رہتے ہیں اور ذرا دیر رکھنے سے مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا اور اس کے رہنے سے لعاب بھی زیادہ پیدا ہوتا ہے لہذا مروجہ طور پر نسوار استعمال کرنا مفسدِ صوم ہی قرار دیا گیا ہے اور اس سے قضاء کفارہ دونوں واجب ہونگے۔ (ر)۔

نوٹ: ان مسائل کے آخر میں ''الف'' سے مراد ''احکام رمضان المبارک'' مفتی محمد شفیع

صاحبؒ اور ''ب'' سے مراد ''مہنامہ البلاغ'' اور ''را'' سے مراد ''مسائلِ روزہ'' مولف مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب ہیں۔

کفارہ کا بیان

واضح رہے کہ کفارہ صرف ادائے رمضان میں ہے بشرطیکہ نیت صبح صادق سے پہلے کر لی ہو اور دن میں ایسا عذر نہ آیا ہو جس سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

کفارہ کے مسائل

(۱) رمضان کا ادائی روزہ توڑ دینے کے کفارہ میں پہلے غلام آزاد کرنا واجب ہے اگر غلام نہ ملے تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے اس طور پر کہ ان میں رمضان المبارک شامل نہ ہو اور پانچ دن جن میں روزہ رکھنا منع ہے یعنی عید الفطر و عید الاضحیٰ اور تین ایامِ تشریق درمیان میں نہ آئیں، اگر کفارہ کے روزوں کی مدت میں ایک روزہ بھی چھوڑ دیا یا توڑ دیا خواہ عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایسا کیا، ہو یا بلا عذر کیا ہو وہ سب روزے کفارہ میں شمار نہیں ہوں گے بلکہ اب پھر نئے سرے سے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے (شامی، ج:۲،ص:۴۱۲) لیکن عورت کے لئے حیض کے ایام میں روزہ نہ رکھنے سے ان روزوں کا پے در پے ہونا منقطع نہیں ہوتا اس لئے اس کو نئے سرے سے رکھنے کا حکم نہیں ہے مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جب حیض سے پاک ہو جائے تو متصل ہی پھر روزے شروع کر دے تا کہ پہلے روزوں کے ساتھ اتصال ہو جائے اگر پاک ہونے کے بعد ایک دن بھی ناغہ کر دیا تو اس کو بھی نئے سرے سے دو ماہ کے روزے پے در پے رکھنے لازم ہوں گے۔ (البحر الرائق، ج:۲،ص:۲۷۷)

نفاس والی عورت کا حکم حیض والی عورت کی طرح نہیں ہے بلکہ نفاس پے در پے ہونے کو منقطع کر دیتا ہے اور اس کو نفاس سے پاک ہونے کے بعد نئے سرے سے دو ماہ کے روزے پے در پے رکھنا واجب ہے۔ (البحر الرائق، ج:۴،ص:۱۰۵)

مسئلہ: اگر کفارہ کے روزے چاند دیکھ کر قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کر دیئے تو چاند کے حساب سے پورے دو مہینے کے روزے رکھے خواہ وہ دونوں مہینے کامل یعنی تیس تیس کے ہوں یا دونوں ناقص یعنی انتیس انتیس دن کے ہوں یا ایک کامل اور ایک ناقص ہو، اور اگر چاند کی پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور دن سے روزے شروع کئے تو ساٹھ روزے پورے کرے اگر اس صورت

میں انسٹھ روزے پورے کر کے روزہ چھوڑ دیا تو اس پر نئے سرے سے دو مہینے کے روزے رکھنے واجب ہوں گے۔ (زبدۃ الفقہ)

(۲) اگر کوئی شخص کفارہ کے دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں یا فقیروں کو صبح و شام دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے خواہ ان کا پیٹ تھوڑے میں بھر جائے۔ اور اگر کھانا دینا چاہے تو ہر مسکین یا فقیر کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر اناج یا اسکی رقم دے دیں۔ (ہندیہ، ج:۱،ص:۵۱۴)

مسئلہ: اگر ایک ہی مسکین کو ایک ہی دن میں کفارہ کا سارا کھانا ایک دفعہ میں یا تھوڑا تھوڑا کر کے دے دیا تو صرف ایک دن کا ادا ہوگا۔ اس لئے ایک کم ساٹھ مسکینوں کو اور دینا چاہئے یہی حکم ایک دن میں ایک ہی فقیر یا مسکین کو کفارہ کے اناج کی قیمت دینے کا ہے یہ صرف ایک دن کا ادا ہوگا۔ (ہندیہ، ج:۱،ص:۵۱۳)

(۳) اگر کسی نے ایک سال کے رمضان کے دنوں میں کئی دفعہ روزہ توڑا اور کسی روزہ کا بھی کفارہ ادا نہیں کیا تو اس پر اُن سب روزوں کے توڑنے کا صرف ایک ہی کفارہ کافی ہوگا اور اگر ایک روزہ توڑنے کے بعد اس کا کفارہ ادا کر دیا پھر دوبارہ روزہ توڑ دیا تو اب اس کا الگ کفارہ دینا واجب ہوگا اگر کسی نے الگ الگ رمضان کا ایک ایک روزہ توڑ دیا اور دونوں روزوں کا کفارہ ادا نہیں کیا تو دونوں روزوں کا الگ الگ کفارہ دینا واجب ہوگا۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۱۳)

فدیہ کے مسائل

فدیہ کون ادا کرسکتا ہے:

جو شخص ایسے بوڑھاپے میں مبتلا ہے کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں یا اتنا بیمار ہے کہ اب صحت مند ہونے کی امید نہیں نہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزہ نہ رکھے بلکہ اگر وہ فدیہ دینے پر قادر ہو تو ہر روزے کے بدلہ ایک مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر غلہ دیدے یا اس کی قیمت دیدے۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۷)

اور جس کا عذر زائل ہونے والا ہو مثلاً مسافر یا مریض ہو تو اس پر ان روزوں کی قضا واجب ہے اور اس کو اپنی زندگی میں فدیہ دینا جائز نہیں ہے لیکن اگر ان کو قضا نہ کرسکا تو مرتے وقت ان دنوں کے روزوں کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۲۳)

ہر مسکین کے لئے صدقہ فطر کی پوری مقدار شرط نہیں:

اگر ایک فقیر کو دو دن کا فدیہ ایک صاع گندم دیدیا یا ایک فقیر کو تمام روزوں کا فدیہ دیدیا یا ایک روزہ کے فدیہ کا گیہوں تھوڑا تھوڑا کر کے کئی مسکینوں کو بانٹ دیا تو جائز ہے۔

(شامی، ج:۲،ص:۴۲۷)

فدیہ رمضان کے شروع میں بھی دے سکتے ہیں

فدیہ دینے میں یہ اختیار ہے کہ تمام روزوں کا فدیہ شروع رمضان میں ایک ہی دفعہ دیدے یا کل فدیہ آخر رمضان میں ایک ہی دفعہ دیدے، اگر شیخِ فانی آنے والے دن کا فدیہ رات کے وقت دیدے تو جائز ہے۔ (شامی، ج:۲،ص:۴۲۷)

فدیہ ادا کرنے کے بعد صحت کا مسئلہ

اگر فدیہ دینے کے بعد صحت مل گئی اور روزے رکھنے کی طاقت آ گئی تو سب روزے قضا کرنے پڑیں گے اور جو فدیہ دیا ہے اس کا ثواب ملے گا (فتاویٰ ہندیہ صفحہ ۲۰۷، جلد ۱)۔

فدیہ کی وصیت کا مسئلہ

اگر کوئی مرتے وقت وصیت کر جائے کہ میرے روزوں کے بدلے فدیہ دیدینا تو اس کا ولی کفن دفن اور قرض ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کے تیسرے حصہ میں سے جتنا فدیہ نکلے دیدے باقی واجب نہیں ہاں اگر کوئی دوسرا اپنے مال میں سے رضامندی سے دیدے تو بھی انشاءاللہ تعالیٰ معافی ہو جائے گی۔ (شرح التنویر ج:۲ صفحہ ۱۸۸، وشامی، ج:۲،ص:۴۲۳)

فدیہ کا حقدار کون ہے

جن لوگوں کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے انہی کو فدیہ کی رقم دے سکتے ہیں۔ (عالمگیری، ج:۱،ص:۲۰۷)

شبِ قدر کا بیان

شبِ قدر کی فضیلت

اس رات کی سب سے بڑی فضیلت یہی ہے کہ اس میں قرآن پاک کا نزول ہوا اور اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تراسی ۸۳ سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے کتنی بہتر ہے دوگنی چوگنی دس گنی سوگنی۔

اور بخاری اور مسلم میں ہے کہ جو شخص شبِ قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اس کے تمام

پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جو اس رات کی خیر و برکت سے محروم رہے وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔

اور ترمذی اور ابنِ ماجہ شریف کی حدیث ہے حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ میں شبِ قدر پاؤں تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دعا کیا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّی

یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں میری خطائیں معاف فرمادیجئے۔

لیلتہ القدر کی تعین

ایک بات تو یہ سمجھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا تو شبِ قدر کی تعین کو اٹھالینا اور اس کا مخفی رکھنا یقیناً حکمت کے تحت ہے اور بظاہر یہ بھی ہے کہ بندے اس کی تلاش میں سال بھر عبادت کو اپنا مشغلہ بنائیں اور ایک رات میں عبادت پر اکتفا کر کے پورے سال غافل نہ ہوجائیں جیسے کہ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا شبِ قدر کونسی ہے فرمایا:

اے خواجہ توچہ می پرسی شبِ قدر چیست
ہر شب شبِ قدر است گر تو قدر دانی

اے دوست شبِ قدر کے بارے میں کیا پوچھتے ہو کونسی ہے اگر قدر جانو تو ہر رات شبِ قدر ہے اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اتنی بات تو قرآن کی صراحت سے ثابت ہے کہ شبِ قدر رمضان المبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کی تعین میں علماء کے ہدایت کی روشنی میں مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچے ہیں۔

مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلتہ القدر رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے۔ مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تعین نہیں ان میں سے کسی بھی رات میں ہوسکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی اور ان دس میں سے خاص کر طاق راتوں ۲۱۔۲۳۔۲۵۔۲۷۔۲۹ میں سے کسی ایک میں احادیث کی رو سے زیادہ احتمال ثابت ہوتا ہے۔

کیا مختلف جگہوں میں مختلف شبِ قدر ہوسکتی ہے:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور

شہروں میں شبِ قدر مختلف دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شبِ قدر قرار پائے گی اس جگہ اسی رات میں شبِ قدر کی برکات حاصل ہونگیں۔

علاماتِ شبِ قدر

درِ منثور اور بیہقی میں ہے کہ حضرت عبادہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ذکر کی ہے کہ اس رات کی منجملہ علامات کے یہ بھی ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے صاف وشفاف نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا کہ اس میں انوار کی کثرت سے چاند کھلا ہوا ہے اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے ہیں اور اس کے بعد کی صبح کو سورج بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند اللہ جل شانہ نے اس دن آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا۔

ان میں سے شعاع کے بغیر آفتاب کا طلوع ہونا بہت سی احادیث میں ہے اور یہ علامت ہمیشہ ہوتی ہے باقی علامات کا پایا جانا ضروری نہیں۔ اسی طرح سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے عبدہ ابن ابی لبابہ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کی ستائیس ویں شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔

ایوب بن خالد کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی تو میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو بالکل میٹھا تھا اور یہ تیئسویں شب کا قصہ ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ شبِ قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے حتی کہ درخت زمین، پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں مگر ان چیزوں کا تعلق امورِ کشفیہ سے ہے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہونے۔

اور تفسیرِ قرطبی میں ہے شبِ قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ سب کو حاصل ہوتا ہے اور نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کوئی دخل ہے اس لئے اس کی فکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کی تعریف

شریعت میں اعتکاف کے معنی مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا جس کا امام و

مؤذن مقرر ہو یعنی اس میں پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، اور عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا۔

اعتکاف کی تین قسمیں

(۱)۔واجب (۲)۔سنتِ مؤکدہ (۳)۔مستحب

واجب وہ ہوتا ہے جس کی نذر کرے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اعتکاف کرونگا یا ویسے ہی اپنے اوپر کچھ دنوں کا اعتکاف لازم کرلیا تو وہ واجب ہو جاتا ہے۔

اور سنتِ مؤکدہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالالتزام ثابت ہے مگر یہ بعض کے کرنے سے سب کے ذمہ سے اتر جاتا ہے اس کو سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کہتے ہیں

اور مستحب یہ ہے کہ کسی بھی وقت مسجد میں اعتکاف کی نیت کرلے جتنی دیر مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب پاتا رہے گا۔(درمختار صفحہ ۱۵۶/۱۵۵ جلد ا، عالمگیری صفحہ ۲۰۹ جلد ا، بحرالرائق صفحہ ۲۹۹ جلد ۲)

اعتکاف کی فضیلت

اعتکاف کی بڑی فضیلت ہے حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن کے نفلی اعتکاف سے جہنم سے تین خندقیں دور کردیا جاتا ہے اور ایک خندق کی مسافت اتنی ہے جتنی زمین و آسمان، مشرق و مغرب کے درمیان کی مسافت ہے اور مغرب سے عشاء کے درمیان کے اعتکاف سے جنت میں ایک محل بنادیا جاتا ہے۔

اعتکاف کی خوبیاں

اعتکاف کی بہت سی خوبیاں ہیں اُن میں سے کچھ یہ ہیں

۱۔ اپنے قلب کو دنیاوی امور سے فارغ کرنے کا ذریعہ ہے، اعتکاف کرنے والا اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگادیتا ہے اور دنیا کے اشغال سے اپنے آپ کو الگ کردیتا ہے تاکہ اللہ کے فضل وکرم کے ساتھ اس کی طرف التجا کرنے کے لئے اس کا تقرب حاصل کرے۔

۲۔ اعتکاف کرنے والے کے تمام اوقات نماز میں صرف ہوتے ہیں خواہ حقیقۃً ہوں یا حکماً کیونکہ وہ ہر وقت نماز یا جماعت کی انتظار میں رہتا ہے۔

۳۔ اعتکاف کرنے والا اپنے اندر فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ

تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا اور نافرمانی سے بچتا اور کھانا پینا بقدرِ امکان ترک کرتا ہے۔

۴۔ اعتکاف کرنے والا روزہ دار ہوتا ہے اور روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

۵۔ اعتکاف کرنے والا شیطان اور دنیا کے مکر وغلبہ سے محفوظ ہوتا ہے گویا کہ مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

٦۔ اعتکاف کرنے والا اپنے پروردگار کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کی حاجت پوری کرے اور اس کو بخش دے۔

۷۔ اعتکاف اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اشرف الاعمال ہے۔

۸۔ اعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۹۔ اعتکاف عبادت ہے کیونکہ اس حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی وعاجزی کا اظہار کرتا اور بقدرِ امکان ہر وقت دوسری عبادات میں مشغول رہتا ہے۔

خواتین کا اعتکاف

خواتین رمضان شریف کی بیسویں تاریخ کے دن سورج چھپنے سے ذرا پہلے رمضان کی انتیس یا تیس تاریخ یعنی جس دن عید کا چاند نظر آئے اس تاریخ کے دن چھپنے تک اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھنے کے لئے جگہ مقرر کر رکھی ہو اس جگہ پر جم کر بیٹھیں اور صرف بیت الخلاء کی حاجت اور کھانا پینا لینے کے لئے اگر کوئی موجود نہ ہو تو اٹھنا درست ہے اور اگر کوئی کھانا، پانی دینے والا ہو تو اس کے لئے بھی نہ اٹھے۔ (مراقی علی حاشیۃ الطحاوی صفحہ ۳۸۳)

ہر وقت اسی جگہ رہے اور وہیں سوئے اور بہتر یہ ہے کہ خاموش نہ بیٹھی رہے بلکہ قرآن یا نفلیں یا تسبیح جو توفیق ہو وہ پڑھے۔ (شرح التنویر صفحہ ۲۱۷، جلد۲)۔

دورانِ اعتکاف ماہواری کا حکم

اگر ماہواری آجائے تو اعتکاف چھوڑ دے اس میں اعتکاف درست نہیں۔

(شرح التنویر صفحہ ۲۰۸، جلد۲)

اور میاں بیوی والے تعلقات بھی چھوڑ دے۔ (مراقی صفحہ ۳۸۴)

نوٹ: اعتکاف جتنی اہم عبادت ہے کہ اس میں بندہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے اور اپنی اور اعزاء

کی بخشش کروانے اور اللہ کا بننے کے لئے دھرنا دے کر اللہ کے در کا بھکاری بن جاتا ہے اتنا ہی اس میں کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے نہ مسائل کی رعایت ہوتی ہے نہ وقت کو قیمتی بنایا جاتا ہے بلکہ مسجد کی بے حرمتی اور شور وغل کرنے کی نحوست سے آدمی ہمیشہ اعتکاف سے در کنار مسجد میں فرض نماز سے بھی اپنے کو محروم کر دیتا ہے اس لئے اس کے مسائل اور معتکف کے لئے ضروری ہدایات اور مختصر دستور العمل چوبیس گھنٹے کیسے گزارے تفصیل سے نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس عبادت کا مقصود حاصل ہو اللہ تعالیٰ ساری امتِ مسلمہ کو اس نعمتِ عظمیٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

اعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں

۱۔نیت: خواہ اعتکاف واجب ہو یا سنت یا نفل ہو اس کی صحت کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے یعنی واجب اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوگا اور نفلی اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

واجب اور سنت اعتکاف میں جب کسی ایسے کام کے لئے مسجد سے باہر جائے جس کے لئے جانا اعتکاف والے کے لئے جائز ہے تو مسجد میں واپس آنے پر اس کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے

۲۔ مسجد میں اعتکاف کرنا: جس مسجد میں اذان واقامت ہوتی ہو وہاں اعتکاف کرنا درست ہے اور اس مسجد میں اعتکاف کرنا درست نہیں ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت قائم نہ ہوتی ہو، جامع مسجد میں مطلقاً اعتکاف جائز ہے خواہ وہاں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو، یا نہ ہوتی ہو، سب سے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرے پھر مسجدِ نبوی (ا) میں افضل ہے پھر مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں پھر ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی جامع مسجد میں افضل ہے اور یہ حکم اسوقت ہے جبکہ جامع مسجد میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو ورنہ اپنے محلہ کی مسجد میں جس میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو افضل ہے تاکہ نماز باجماعت کے لئے اس کو دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ پڑے، پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں اور وہاں جماعت بڑی ہوتی ہو وہ افضل ہے۔

۳۔روزہ: واجب یعنی نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ

کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ ایک مہینہ کا اعتکاف روزوں کے بغیر کروں تو اس پر واجب ہے کہ وہ اعتکاف کرے اور روزے بھی رکھے۔

اگر کسی نے رات کے ساتھ دن کے اعتکاف کی بھی نیت کی تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس نے نذر میں دن کو رات کے تابع کیا ہے پس جب متبوع میں نذر باطل ہوگئی تو تابع میں بھی باطل ہو جائے گی لیکن اگر دن کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کے اعتکاف کی بھی نیت کی تو دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں رات اور دن کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ رات اور دن کا اعتکاف کرے اگرچہ رات کا روزہ نہیں ہوتا لیکن رات اس میں تبعاً داخل ہو جائے گی۔

نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے۔

اور مسنون اعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے پس اگر کسی نے مثلاً مرض یا سفر وغیرہ عذر کی وجہ سے رمضان کے اخیر عشرہ کے روزہ نہیں رکھے اور اس عشرہ کا اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کی جگہ ادا نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہوگا۔

اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح ہے یعنی یہ نذر اس پر لازم ہو جائے گی اور رمضان کے روزے اعتکاف کے روزوں کے بجائے کافی ہو جائیں گے لیکن اگر اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہ کیا تو اس پر لازم ہے کہ اس اعتکاف کی قضا کے لئے کسی اور مہینے کا اعتکاف لگاتار کرے اور اس میں روزے رکھے اور اگر کسی نے ماہِ رمضان میں اعتکاف کی نذر کی اور اس نے ماہِ رمضان کے روزے نہیں رکھے پھر لگاتار ایک مہینے کے روزے مع اعتکاف کے قضا کیے تو جائز ہے۔

۴۔ مسلمان ہونا: کیونکہ کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

۵۔ عاقل ہونا: کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا، اصل میں یہ دونوں امر نیت کے لئے شرط ہیں

۶۔ جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا: کیونکہ جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے اور اعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔

بالغ ہونا اعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے پس سمجھ والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہوگا

جیسا کہ اس کا نفلی روزہ درست ہو جاتا ہے، مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے پس عورت کا اعتکاف خاوند کی اجازت سے جائز ہے۔

اور جب عورت کو اس کے خاوند نے اعتکاف کی اجازت دیدی تو اب اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کا منع کرنا صحیح نہیں ہے۔

معتکفین کے لئے ضروری ہدایات

اعتکاف میں بیٹھنے والے حضرات درج ذیل امور کا خیال رکھیں۔

۱۔ معتکف بالغ اور باریش ہو اور اس کی عمر ۱۸ سال سے زائد ہو۔

۲۔ معتکف اپنا زیادہ وقت عبادات، تلاوت اور ذکرِ الٰہی میں گزاریں۔

۳۔ جو باتیں گناہِ کبیرہ اور حرام ہیں اعتکاف کی حالت میں ان سے خاص طور پر بچیں، مثلاً جھوٹ بولنا، جھوٹی قسمیں کھانا، یا کسی کا مذاق اڑانا، غیبت کرنا، غرور و تکبر کرنا، ریاکاری اور عیب جوئی کرنا وغیرہ علاوہ ازیں نہ کسی کو تکلیف پہنچائیں نہ کسی سے لڑائی جھگڑا کریں۔

۴۔ سیاسی گفتگو سے پرہیز کریں۔

۵۔ کسی کو دنیا کی فضول باتیں کرنے کے لئے نہ بلائے اور اس سے دنیا کی باتیں کرنے سے بچیں کیونکہ یہ مکروہ اور گناہ ہے اس کی وجہ سے نیکیاں بھی ضائع ہوتی ہیں۔

۶۔ آپس میں ہنسی مذاق، دل لگی اور تفریح کے لئے محفل جمانے سے باز رہیں۔

۷۔ مسجد میں سگریٹ، بیڑی یا نشہ آور چیزیں استعمال کرنے سے مکمل احتیاط برتیں۔

۸۔ ایسی باتوں سے پرہیز کریں جن کی وجہ سے مسجد یا اعتکاف کے انتظام میں بد نظمی پیدا ہو یا شور وغل کا سبب بنے جس کی وجہ سے دوسرے معتکفین حضرات کے آرام یا ان کی عبادت میں خلل واقع ہو۔

۹۔ مسجد میں ریڈیو، اخبار اور اسلحہ نہ لائیں۔

۱۰۔ مسجد کے اندر گیس یا مٹی کے تیل کا چولہا جلانا ممنوع ہے اگر ناگزیر ہو تو مسجد کے باہر وضو خانہ میں جلائیں۔

۱۱۔ اعتکاف خانہ میں مسجد کی دری یا فرش پر اپنی پاک وصاف چادر ضرور بچھائیں تاکہ مسجد کا فرش وغیرہ گندہ نہ ہو نیز کھانے، پینے میں دسترخوان بچھانے کا اہتمام کریں۔

۱۲۔ اعتکاف خانہ نہایت صاف وستھرا رکھیں اور اپنا سامان بھی سلیقہ سے رکھیں۔

۱۳۔ مسجد کے پنکھے اور لائٹ بقدرِ ضرورت استعمال کریں بلا ضرورت استعمال کرنے سے اور کھلا چھوڑ کر چلے جانے سے سخت احتیاط کریں۔

۱۴۔ دوران اعتکاف بیرونی حضرات کی دعوت عام کرنے اور انہیں بلا کر اپنے پاس بیٹھائے رکھنے کی ممانعت ہے آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس سے عرض ومناجات کے لئے آئے ہیں اس میں مشغول رہیں۔

۱۵۔ مسجد کے انتظام میں کوئی مداخلت نہ کریں۔

۱۶۔ دورانِ اعتکاف کسی شکایت یا ضرورت کے سلسلے میں مسجد کی انتظامیہ سے رجوع کریں خود منتظم نہ بنیں۔

اعتکاف کے ضروری مسائل

مسنون اعتکاف میں معتکف درج ذیل امور کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔

ا۔ پیشاب، پاخانے کی ضرورت کے لئے۔

ب۔ غسل جنابت کے لئے جب کہ مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو۔

ج۔ وضو کرنے کے لئے جب کہ مسجد میں رہتے ہوئے وضو کرنا ممکن نہ ہو۔

د۔ کھانے پینے کی ضروری اشیاء باہر سے لانے کے لئے جب کہ کوئی اور شخص لانے والا موجود نہ ہو۔

ز۔ جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے اگر اس میں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو تو جمعہ کی نماز کے لئے دوسری مسجد میں جانا درست ہے۔

س۔ مسجد کے گرنے کی صورت میں دوسری مسجد میں منتقل ہونا درست ہے اور منتقل ہونے کے لئے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ وہاں سے نکلنے کے بعد راستے میں کہیں نہ ٹھہرے بلکہ سیدھا دوسری مسجد میں چلا جائے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

ط۔ اگر کوئی موذن اعتکاف میں بیٹھا ہو اور اسے اذان دینے کے لئے مسجد سے باہر جانا پڑے تو اس کے لئے باہر نکلنا جائز ہے مگر اذان دینے کے بعد باہر نہ ٹھہرے بلکہ فوراً مسجد میں آجائے۔

مذکورہ بالا ضروریات کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے مسجد کی حدود سے باہر نکلنا جائز نہیں

اگر ایک لمحے کے لئے بھی معتکف حدود مسجد سے باہر نکل جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً تھوکنے، ناک صاف کرنے، منجن یا پیسٹ کرنے، برتن دھونے یا کھانا کھانے سے پہلے یا بعد میں ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے لئے حدودِ مسجد سے باہر ہوتی ہے لہٰذا ان کاموں کے لئے بھی وہاں نہ جائے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا البتہ مسجد کے اندر رہتے ہوئے اگلدان یا سلفچی میں ہاتھ دھونا یا وضو کی نالی میں مسجد سے باہر ہاتھ منہ نکال کر یہ کام کر سکیں تو کر سکتے ہیں۔

۲۔ جن امور بالا کے لئے مسجد کی حدود سے نکلنا جائز ہے ان سے فارغ ہونے کے بعد راستے میں ایک لمحہ کے لئے بھی جان کر یا بھول کر ٹھہرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اس لئے اس کی سخت احتیاط کریں البتہ بیت الخلاء یا غسل خانے مشغول ہوں تو خالی ہونے تک اس کے انتظار میں ٹھہرنا جائز ہے۔

۳۔ مسجد سے باہر سلام یا بات چیت کا مسئلہ

بیت الخلاء جاتے وقت یا وہاں سے آتے وقت راستے میں گھر میں کسی کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا یا مختصر بات چیت کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ بات چیت چلتے چلتے کی جائے اس کے لئے ٹھہرنا نہ پڑے۔ اگر جان کر یا بھول کر ٹھہر گئے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

۴۔ معتکف کے لئے سگریٹ نوشی کا مسئلہ:

مسجد میں معتکف کو سگریٹ پینے سے بچنا ضروری ہے۔ سخت مجبوری ہو تو جب وہ بیت الخلاء کے لئے نکلے تو راستے میں چلتے چلتے بیڑی، سگریٹ پینا جائز ہے بشرطیکہ اس غرض سے ٹھہرنا نہ پڑے اور پھر منہ کی بدبو دور کر کے مسجد میں آئے۔

۵۔ حالتِ اعتکاف میں احتلام اور غسلِ جمعہ کا مسئلہ

معتکف کو احتلام ہو جانے کی صورت میں غسلِ جنابت کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے غسلِ جنابت کے سوا کسی اور غسل کے لئے مسجد سے جانا جائز نہیں۔ لہٰذا جمعہ کے غسل یا ٹھنڈک کی غرض سے غسل کرنے کے لئے باہر جانا جائز نہیں اگر اس غرض سے معتکف باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

۶۔ نمازِ جنازہ اور بیمار پرسی کا مسئلہ:

جب نماز جنازہ پڑھنے والے اور لوگ موجود ہوں تو کسی معتکف کو نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے یا کسی کی بیمار پرسی کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

۷۔ دورانِ اعتکاف روزہ ٹوٹ جانے کا مسئلہ:

اعتکاف کے لئے چونکہ روزہ شرط ہے اس لئے اگر کسی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اس سے اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا۔

۸۔ بیوی کے ساتھ ہم بستری کا مسئلہ:

بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے خواہ جماع جان بوجھ کر کرے یا سہواً، دن میں ہو یا رات میں مسجد میں ہو یا باہر۔

۹۔ دوران اعتکاف بیمار ہو جانے کا مسئلہ:

اعتکاف کے دوران کوئی ایسی بیماری پیدا ہوگئی جس کا علاج مسجد سے باہر نکلے بغیر ممکن نہیں تو اعتکاف توڑنا جائز ہے اس صورت میں اعتکاف توڑنے کا گناہ نہیں ہوگا لیکن توڑنے کے بعد اس کی قضا لازم ہوگی۔

۱۰۔ کسی دوسرے کی بیماری کا مسئلہ:

ماں، باپ یا بیوی بچوں میں سے کسی کی سخت بیماری کی وجہ سے بھی اعتکاف توڑنا جائز ہے اس مجبوری میں گناہ نہیں ہوگا لیکن توڑنے کے بعد اس کی قضا لازم ہوگی۔

۱۱۔ اعتکاف کی قضا کا مسئلہ:

اگر کسی بھی وجہ سے اعتکاف مسنون ٹوٹ جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس دن اعتکاف ٹوٹا ہے صرف اس دن کے قضا واجب ہوگی پورے دس دن کی قضا واجب نہیں اور ایک دن کی قضا کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اسی رمضان المبارک میں وقت باقی ہو تو اسی رمضان المبارک میں کسی دن غروب آفتاب سے پہلے اگلے دن غروب آفتاب تک قضا کی نیت سے اعتکاف کرلیں اور اگر رمضان المبارک میں وقت باقی نہ ہو یا کسی وجہ سے اس میں اعتکاف کرنا ممکن نہ ہو تو رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی دن روزہ رکھ کر ایک دن کے لئے اعتکاف کیا جاسکتا ہے۔

(احکامِ اعتکاف اور مسائلِ اعتکاف)

معتکف کے لئے مختصر دستور العمل

معتکف درج ذیل امور پر عمل کر کے زیادہ سے زیادہ اعتکاف کو بہتر بنا سکتا ہے کیونکہ وہ دربارِ خداوندی میں اسی لئے حاضر ہوا ہے اور اس کا ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے۔ مثلاً

۱۔ تمام نمازیں باجماعت اور تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کا خیال رکھنا۔

۲۔ مغرب کی نماز کے بعد کم از کم چھ رکعت نفل اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات نفل ادا کرنا، آیت الکرسی اور چاروں قل ایک ایک مرتبہ پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں دم کر کے ان کو سارے بدن پر پھیرنا یہ دم تین بار کرنا چاہیے۔

۳۔ عشاء کی نماز اور تراویح سے فارغ ہو کر علمِ دین حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی نیت سے کسی مستند اور معتبر دینی کتاب کا مطالعہ کرنا یا کسی مستند اور معتبر عالمِ دین کے درس میں شرکت کرنا۔

۴۔ شبِ قدر میں مطالعہ سے فارغ ہو کر جب تک طبیعت میں بشاشت رہے ذکر و تلاوت اور نوافل میں مشغول رہنا اور جب سونے کو دل چاہے تو سنت کے مطابق قبلہ رو ہو کر سونا (اگر با آسانی ممکن ہو)۔

۵۔ سحری میں طبعی ضروریات سے فارغ ہو کر سنت کے مطابق وضو کرنا، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد اور تہجد کی نفلیں ادا کرنا اور نوافل سے فارغ ہو کر کچھ دیر خاموشی سے ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور خوب گڑگڑا کر اپنے جملہ مقاصدِ حسنہ اور فلاحِ دارین کی دعائیں مانگنا۔

۶۔ سحری کھانا اور سحری سے فارغ ہو کر نمازِ فجر کی تیاری کرنا، جب تک نماز کے انتظار میں رہیں استغفار یا ذکر یا دعا میں مشغول رہنا۔

۷۔ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر پورے جسم پر پھیرنا اور یہ دم تین بار کرنا اور سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ اور درود شریف کی ایک ایک تسبیح پڑھنا۔

۸۔ اشراق کے وقت کم از کم دو زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات اشراق ادا کرنا۔ چاشت کی کم از کم دو رکعات اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات نفل ادا کرنا اور جتنا ہو سکے صحیح تلفظ کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرنا۔

۹۔ جب زوال ہو جائے تو کم از کم دو رکعات ورنہ چار رکعات نفل سننِ زوال ادا کرنا اور نمازِ ظہر کے انتظار میں صفِ اول میں بیٹھنا اور تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام کرنا۔

۱۰۔ صلوٰۃ التسبیح پڑھنا اور زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا۔

۱۱۔ نمازِ عصر سے فارغ ہو کر تلاوت کرنا ان تسبیحات کو ادا کرنا جن کا ذکر نمبر ے میں گزرا ہے اور دعا میں مشغول رہنا یہ وقت بہت قیمتی ہے اس کو ضائع کرنے سے بطورِ خاص بچنا۔

۱۲۔ جو باتیں حالت اعتکاف میں مکروہ اور منع ہیں ان سے مکمل طور پر اجتناب کرنا جن کی کچھ تفصیل اعتکاف کے ضروری مسائل میں آچکی ہے اس کا بغور مطالعہ کرنا۔

۱۳۔ معتکفین پر لازم ہے کہ صف اول میں خود ہی آکر بیٹھیں خود کہیں دوسری جگہ ہوں اور تولیہ اور چادر وغیرہ سے جگہ روکنا درست نہیں اس سے بچنا اور ہر قول وفعل نشست و برخاست اور طرز عمل سے دوسرے معتکفین اور نمازیوں کو تکلیف پہنچنے سے بچانے کا بے حد اہتمام رکھنا، اپنی صفائی کا خیال رکھنا اور مسجد کی صفائی کا بھی بہت خیال رکھنا۔

۱۴۔ اپنی اور دیگر احباب اور معتکفین اور عام مسلمانوں کی مغفرت کی دعائیں کرنا، اللہ تعالیٰ سے امیدوار رحمت رہنا، مایوسی سے بچنا۔

آخری جمعہ اور خاص تصورات

اس آخری جمعہ کے بارے میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں کچھ خاص تصورات ہیں جن کی اصلاح ضروری ہیں۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ آخری جمعہ جس کو "جمعۃ الوداع" بھی کہتے ہیں، یہ کوئی مستقل تہوار ہے اور اس کے کچھ خاص احکام ہیں، اس کی کوئی خاص عبادتیں ہیں جو حضور ﷺ نے تجویز فرمائی ہیں۔ اور لوگوں نے اس دن عبادت کرنے کے مختلف طریقے گھڑ رکھے ہیں، مثلاً جمعۃ الوداع کے دن اتنی رکعتیں نوافل پڑھنی چاہئے اور ان رکعتوں میں فلاں فلاں سورتیں پڑھنی چاہئے۔

جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں

خوب سمجھ لیجئے کہ اس قسم کی کوئی ہدایت حضور اقدس ﷺ نے نہیں دی، جمعۃ الوداع بحیثیت جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں، نہ اس کیلئے حضور اقدس ﷺ نے کوئی احکام الگ سے عطا فرمائے نہ اس دن میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ بتلایا نہ اس دن میں کسی خاص عمل کی تلقین فرمائی جو عام دنوں میں نہ کیا جاتا ہو۔ بلکہ یہ عام جمعوں کی طرح ایک جمعہ ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ویسے تو رمضان المبارک کا ہر لمحہ ہی قابلِ قدر ہے لیکن رمضان کا جمعہ بڑا قابلِ قدر ہے۔ حدیث کے بیان کے مطابق رمضان "سیّد الشھور" ہے یعنی تمام مہینوں کا سردار ہے اور جمعہ

"سیّد الایام" ہے، یعنی تمام دنوں کا سردار ہے لہٰذا جب رمضان المبارک میں جمعہ کا دن آتا ہے تو اس دن میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک رمضان کی فضیلت، اور دوسری جمعہ کی فضیلت، اس لحاظ سے رمضان کا ہر جمعہ بڑا قابلِ قدر ہے۔

یہ آخری جمعہ زیادہ قابلِ قدر ہے

اور آخری جمعہ اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ اس سال یہ مبارک دن دوبارہ نہیں ملے گا سارے رمضان میں چار یا پانچ جمعہ ہوتے ہیں، تین جمعے گزر چکے ہیں اور یہ اب آخری جمعہ ہے، اب اس سال یہ نعمت میسّر آنے والی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اگر زندگی دی تو شاید آئندہ سال یہ نعمت دوبارہ مل جائے، اس لئے یہ ایک نعمت ہے جو ہاتھ سے جا رہی ہے، اس کی قدر و منزلت پہنچان کر انسان جتنا بھی عمل کر لے، وہ کم ہے۔ بس اس جمعۃ الوداع کی یہ حقیقت ہے، ورنہ یہ نہ تو کوئی تہوار ہے، نہ اس کے اندر کوئی خاص عبادت اور خاص عمل مقرر ہے۔

جمعۃ الوداع اور جذبۂ شکر

البتہ جب جمعۃ الوداع کا دن آتا ہے تو دل میں دو قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ہر مومن کے دل میں یہ جذبات پیدا ہونے چاہئیں، ایک مسرت اور شکر کا جذبہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا، اور رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ بات قابلِ شکر اور قابلِ مسرت ہے، اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس لئے کہ نہ جانے کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو گذشتہ سال ہمارے ساتھ روزوں میں تراویح میں شریک تھے۔ لیکن اس سال وہ زمین کے نیچے جا چکے ،ان جانے والوں سے رمضان کے ایک ایک لمحے کی قدر و قیمت پوچھئے وہ یہ حسرت کر رہے ہیں کہ کاش ان کو رمضان کے کچھ لمحات اور مل جاتے تو وہ اپنے نامۂ اعمال میں اضافہ کر لیتے ،لیکن ان کا وقت ختم ہو چکا ،اب حسرت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کے یہ لمحات عطا فرما رکھے ہیں۔

غافل بندوں کا حال

اور اس لحاظ سے اللہ جلّ شانہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ بہت سے بندے ایسے ہیں کہ جن کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا تھا اور کب چلا گیا، العیاذ باللہ العلی العظیم۔ نہ ان کو روزے رکھنے سے کوئی غرض، نہ تراویح پڑھنے سے کوئی مطلب۔ اللہ بچائے! آنکھوں پر غفلت کے

پردے پڑے ہوئے ہیں، رمضان کے آنے پر ان کے نظام الاوقات میں، ان کے کھانے پینے کے اوقات میں اور انکے سونے جاگنے کے اوقات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسے غافل لوگوں میں شامل نہیں فرمایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق بخشی، تراویح پڑھنے کی توفیق بخشی، اگر ہم بھی ان میں شامل ہو جاتے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا، اس لئے شکر ادا کرنے اور مسرت کا موقع ہے۔

نماز روزے کی ناقدری نہ کریں

ہمارے ذہنوں میں بعض اوقات جو خیالات آتے ہیں کہ ہم نے روزہ تو رکھ لیا لیکن روزہ کا حق ادا نہیں کیا، تراویح تو پڑھ لی لیکن اس کا صحیح حق ادا نہ ہو سکا، تراویح میں نہ خشوع تھا اور نہ خضوع تھا، دل کہیں تھا، دماغ کہیں تھا، اسی حالت میں ہم نے تراویح ادا کر لی۔ یہ خیال لا کر بعض لوگ اس روزے کی اور تراویح کی ناقدری کرتے ہیں۔ ارے بھائی! یہ ناقدری کی چیز نہیں، یہ نماز کیسی بھی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دربار میں حاضری کی توفیق عطا فرما دی، یہ توفیق بذاتِ خود ایک نعمت ہے، لہٰذا اس توفیق پر شکر ادا کرو، اس حاضری کی ناقدری نہ کریں، یہ نہ کہیں کہ ہم نے نماز کیا پڑھی؟ ہم نے تو ٹکریں مار لیں اور اٹھک بیٹھک کر لی۔ ارے اللہ جلّ شانہ کو تمہارے ساتھ کچھ خیر ہی کا معاملہ کرنا تھا، اسی لئے تمہیں مسجد کے دروازہ پر لے آئے، اگر اللہ تعالیٰ کو تمھارے ساتھ خیر مقصود نہ ہوتی تو تمہیں ان لوگوں میں شامل کر دیتے جنہوں نے کبھی مسجد کی شکل تک نہیں دیکھی، اسی لئے ان عبادات کی ناقدری نہ کریں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

سجدہ کی توفیق عظیم نعمت ہے

ہم نے جیسی تیسی نماز پڑھ لی، نہ اسمیں خشوع تھا نہ اسمیں خضوع تھا، وہ نماز بیجان اور بے روح سہی، لیکن۔

وہ سجدہ جسے ترے آستاں سے نسبت ہے ۔۔۔ قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے

یہ سجدہ جسے اللہ تعالیٰ کے آستانے پر کرنے کی توفیق ہو گئی یہ بھی ایک نعمت ہے پہلے اس کا شکر ادا کر لیں۔ بے شک ہم اسکا حق ادا نہیں کر پائے، بے شک ہماری طرف سے اس میں کوتاہیاں رہیں، لیکن ان کوتاہیوں کا علاج یہ نہیں کہ ان عبادات کی ناقدری شروع کر دیں، بلکہ ان کوتاہیوں کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں، استغفار کریں اور یہ کہیں کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں عبادات کی توفیق عطا فرمائی، اس پر آپ کا شکر ہے، لیکن ہم سے اس

عبادت میں کوتاہی ہوئی، اے اللہ! ہم اس پر استغفار کرتے ہیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

اس استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کوتاہیوں کا ازالہ فرما دیں گے۔

روزے دار کیلئے دو خوشیاں

اللہ جل شانہ کا اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا اور اس مہینے کی برکتوں سے ہمیں نوازا، اور اس میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر اس مبارک مہینے کے اختتام پر اس مہینے کی انوار و برکات سے مستفید ہونے کی خوشی میں ''عید الفطر'' عطا فرمائی۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

للصائم فرحتان فرحة عند افطاره و فرحة حين يلقىٰ ربّهٗ.

(نسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام)

یعنی اللہ تعالیٰ نے روزے دار کیلئے دو خوشیاں رکھی ہیں ایک خوشی وہ ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب قیامت کے روز اپنے پروردگار سے جا کر ملاقات کرے گا۔ اصل خوشی تو وہی ہے جو آخرت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت نصیب ہوگی، انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کو یہ خوشی عطا فرمائے۔ آمین۔

وہ سجدہ جسے ترے آستاں سے نسبت ہے

یہ سجدہ جسے اللہ تعالیٰ کے آستانے پر کرنے کی توفیق ہوگئی یہ بھی ایک نعمت ہے پہلے اس کا شکر ادا کر لیں۔ بے شک ہم اسکا حق ادا نہیں کر پائے، بے شک ہماری طرف سے اس میں کوتاہیاں رہیں، لیکن ان کوتاہیوں کا علاج یہ نہیں کہ ان عبادات کی ناقدری شروع کر دیں، بلکہ ان کوتاہیوں کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں، استغفار کریں اور یہ کہیں کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں عبادات کی توفیق عطا فرمائی، اس پر آپ کا شکر ہے، لیکن ہم سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی، اے اللہ! ہم اس پر استغفار کرتیں ہیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

اس استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کوتاہیوں کا ازالہ فرما دیں گے۔

افطار (عید) کے وقت خوشی

لیکن اس آخرت کی خوشی کی تھوڑی سی جھلک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی رکھدی ہے۔ یہ وہ خوشی ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ افطار دو قسم کے ہیں: ایک افطار وہ ہے جو روزانہ رمضان میں روزہ کھولتے وقت ہوتا ہے، اس افطار کے وقت ہر روزہ دار کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھئے! سارے سال کھانے پینے میں اتنا لطف اور اتنی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو لطف اور خوشی رمضان المبارک میں افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، ہر شخص اس کا تجربہ کرتا ہے علماءِ کرام روزانہ کے اس افطار کو ''افطار اصغر'' کا نام دیتے ہیں۔ اور دوسرا افطار وہ ہے جو رمضان المبارک کے ختم پر ہوتا ہے جس کے بعد عید الفطر کی خوشی ہوتی ہے، اس کو ''افطار اکبر'' کہتے ہیں اس لئے کہ سارے مہینے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں روزے رکھنے اور اسکی بندگی اور عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عید کے دن خوشی اور مسرت عطا فرماتے ہیں۔ یہ خوشی آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت حاصل ہونے والی خوشی کی ایک چھوٹی سی جھلک ہے جو اللہ تعالیٰ نے عید کی شکل میں بندوں کو عطا فرمائی ہے۔

اسلامی تہوار دوسرے مذاہب کے تہواروں سے مختلف ہے

اور یہ بھی اسلام کا نرالا انداز ہے کہ پورے سال میں صرف دو تہوار اور دو عیدیں مقرر کی گئی ہیں، جب کہ دنیا کے دوسرے مذاہب اور ملتوں میں سال کے دوران بہت سے تہوار منائے جاتے ہیں، عیسائیوں کے تہوار الگ ہیں، یہودیوں کے تہوار الگ ہیں، ہندوؤں کے تہوار الگ ہیں، لیکن اسلام نے صرف دو تہوار مقرر کئے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ اور ان دونوں تہواروں کو منانے کیلئے جن دنوں کا انتخاب کیا گیا، وہ بھی دنیا سے نرالے ہیں، اگر آپ دوسرے مذاہب کے تہواروں پر غور کریں گے تو یہ نظر آئے گا کہ وہ لوگ ماضی میں پیش آنے والے کسی اہم واقعے کی یادگار میں تہوار مناتے ہیں۔ مثلاً عیسائی ۲۵ ردسمبر کو ''کرسمس'' کا تہوار مناتے ہیں، اور بقول ان کے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا دن ہے، حالانکہ تاریخ کے اعتبار سے یہ بات درست نہیں، لیکن انہوں نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا ہے کہ ۲۵ ردسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دنیا میں تشریف لائے تھے، چنانچہ آپ کی یاد کی پیدائش میں انہوں نے ''کرسمس'' کے دن کو تہوار کیلئے مقرر کرلیا ہے۔

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر چلے گئے، اس دن کی یاد میں یہودی اپنا تہوار مناتے ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں بھی جو تہوار ہیں وہ بھی ماضی کے کسی نہ کسی واقعہ کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔

اسلامی تہوار ماضی کے واقعے سے وابستہ نہیں

جبکہ اسلام نے جو دو تہوار ''عید الفطر'' اور ''عید الاضحیٰ'' مقرر کئے ہیں، ماضی کا کوئی واقعہ اس دن کے ساتھ وابستہ نہیں، یکم شوال کو عید الفطر منائی جاتی ہے، اور دس ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے، ان دونوں تاریخوں میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اسلام نے نہ تو حضور اقدس ﷺ کی ولادت کے دن کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ قرار دیا، نہ ہی حضور اقدس ﷺ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کے واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی حضور اقدس ﷺ کے بدر کے میدان میں فتح حاصل کرنے کو ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب کے دن کو ''عید'' کا دن قرار دیا، اور جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا اور بیت اللہ کی چھت سے حضرت بلالؓ کی اذان پہلی مرتبہ گونجی، اس دن کو بھی ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اور خاص طور پر حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ طیبہ ایسے واقعات سے مالا مال ہے، لیکن اسلام نے ان میں سے کسی واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔

''عید الفطر'' روزوں کی تکمیل پر انعام

جن ایام کو اسلام نے تہوار کیلئے مقرر فرمایا، ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ وابستہ نہیں جو ماضی میں ایک مرتبہ پیش آ کر ختم ہو چکا ہو، بلکہ اس کے بجائے ایسے خوشی کے واقعات کو تہوار کی بنیاد قرار دیا جو ہر سال پیش آتے ہیں اور ان کی خوشی میں عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عیدیں ایسے موقع پر مقرر فرمائی ہیں جب مسلمان کسی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، چنانچہ عید الفطر رمضان کے گزرنے کے بعد رکھی ہے کہ میرے بندے پورے مہینے عبادت کے اندر مشغول رہے، پورے مہینے انہوں نے میری خاطر کھانا پینا چھوڑے رکھا، نفسانی خواہشات کو چھوڑے رکھا، اور پورا مہینہ عبادت کے اندر گزارا، اس کی خوشی اور انعام میں یہ عید الفطر مقرر فرمائی۔

''عید الاضحیٰ'' حج کی تکمیل پر انعام

اور عید الاضحیٰ ایسے موقع پر مقرر فرمائی جب مسلمان ایک دوسری عظیم عبادت یعنی حج کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن وقوفِ عرفہ ۹ ر ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا ہے اس تاریخ کو پوری دنیا سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان میدانِ عرفات میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ

کی عظیم عبادت کی تکمیل کرتے ہیں اس عبادت کی تکمیل کے اگلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسری عید مقرر فرمائی۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیدیا کہ ماضی کے واقعات جو ایک مرتبہ پیش آئے اور ختم ہو گئے، وہ واقعات تمہارے لئے عید کی بنیاد نہیں، بیشک تمہاری تاریخ ان واقعات سے جگمگا رہی ہے اور تمہیں ان پر فخر کرنے کا بھی حق پہنچتا ہے کہ تمہارے آباء واجداد نے یہ کارنامے انجام دئے تھے، لیکن تمہارے لئے ان کا عمل کافی نہیں، تمہارے لئے تمہارا اپنا عمل ہونا ضروری ہے، کوئی شخص آخرت میں صرف اس بنیاد پر نجات نہیں پائے گا کہ میرے آباء واجداد نے اتنے بڑے کارنامے انجام دئے تھے، بلکہ وہاں پر ہر آدمی کو اپنے عمل کا جواب دینا ہوگا۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ؂

تھے تو وہ آباء تمہارے مگر تم کیا ہو — ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

لہٰذا محض پرانے واقعات پر خوشی مناتے رہنا، صاحبِ ایمان کیلئے یہ کافی نہیں، بلکہ خود تمہیں اپنے عمل کو دیکھنا ہے، اگر تمہارے اپنے عمل کے اندر اچھائی ہے تو خوشی منانی ہے اور اگر برائی ہے تو رنج کرنا ہے اور ندامت کا اظہار کرنا ہے۔

عید کا دن ''یوم الجائزہ'' ہے

بہر حال! یہ عید الفطر خوشی منانے کا اور اسلامی تہوار کا پہلا دن ہے، حدیث میں اس کو ''یوم الجائزہ'' بھی قرار دیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورے مہینے کی عبادتوں پر انعام دئے جانے کا دن ہے جو ''مغفرت'' کی شکل میں دیا جاتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ گزر جانے کے بعد عید کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ صاحبِ ایمان کی طرف اشارہ کر کے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں۔

انسان کی تخلیق پر فرشتوں کے اعتراض کا جواب

اس لئے فخر فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا جا رہا تھا تو ان فرشتوں نے اعتراض کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ. (سورۃ البقرۃ، آیت ۳۰)

آپ اس مٹی کے پتلے کو پیدا کر رہے ہیں جو زمین پر جا کر فساد پھیلائیگا اور خون ریزیاں کرے گا اور ایک دوسرے کے گلے کاٹے گا، اور ہم آپ کی تسبیح وتقدیس کے لئے کافی ہیں۔

جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (سورۃ البقرۃ، آیت ۳۰)

میں اس مخلوق کے بارے میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں کہ اس مخلوق کے اندر اگرچہ میں نے فساد کا مادہ رکھا ہے، فساد پھیلانے کی بھی صلاحیت اس کے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود جب یہ مخلوق میرے حکم کی تعمیل کرے گی اور عبادت اور بندگی کرے گی تو یہ تم سے بھی آگے بڑھ جائے گی۔ کیونکہ تمہارے اندر فساد کا مادہ ہی نہیں رکھا، چنانچہ اگر تم گناہ کرنا بھی چاہو تو گناہ نہیں کرسکتے، نہ تم کو بھوک لگتی ہے، نہ تم کو پیاس لگتی ہے نہ تمہارے دل میں جنسی اور نفسی خواہشات پیدا ہوتی ہے، تمہیں تو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ بس ''اللہ اللہ'' کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے رہو۔ لیکن اس انسان کو بھوک بھی لگے گی، پیاس بھی لگے گی، جنسی خواہشات بھی پیدا ہونگیں، اور جب میں اس مخلوق سے یہ کہہ دوں گا کہ مت کھانا، جب میں اس سے یہ کہہ دوں گا کہ مت پینا تو اس حکم کے نتیجے میں انسان سارا دن اسطرح گذار دے گا کہ اندر سے پیاس لگ رہی ہوگی، فریج میں ٹھنڈا پانی موجود ہوگا، کمرے میں دوسرا کوئی انسان دیکھنے والا نہیں ہوگا، لیکن اس کے باوجود صرف میرے ڈر سے اور میری عظمت کے خیال سے اور میرے حکم کی اطاعت میں یہ اپنے ہونٹوں کو خشک کئے ہوئے ہوگا۔ اس صفت کیوجہ سے یہ انسان تم سے بھی آگے بڑھ جائے گا۔

آج میں ان سب کی مغفرت کردوں گا

بہرحال! عیدالفطر کے دن جب مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کے سامنے جنہوں نے اعتراض کیا تھا، فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے میرے فرشتو! یہ ہیں میرے بندے جو عبادت میں لگے ہوئے ہیں، اور بتاؤ جو مزدور اپنا کام پورا کرلے اسکو کیا صلہ ملنا چاہئے؟ جواب میں فرشتے فرماتے ہیں کہ جو مزدور کام پورا کرلے، اس کا صلہ یہ ہے کہ اسکو اسکی پوری پوری مزدوری دیدی جائے، اس میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے ہیں، میں نے رمضان کے مہینے میں ان کے ذمّے ایک کام لگایا تھا کہ روزہ رکھیں اور میری خاطر کھانا پینا چھوڑ دیں اور اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں، آج انہوں نے یہ فریضہ پورا کرلیا، اور اب یہ اس میدان کے اندر جمع ہوئے ہیں، اور مجھ سے دعا مانگنے کیلئے آئے ہیں، اپنی مرادیں مانگ رہے ہیں، میں اپنی عزّت اور جلال کی قسم کھاتا ہوں، اپنے علوّ مکان کی

قسم کھاتا ہوں کہ آج میں سب کی دعائیں قبول کروں گا، اور میں ان کے گناہوں کی مغفرت کروں گا اور ان کی برائیوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کردوں گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب روزہ دار عیدگاہ سے واپس آتے ہیں تو اس حالت میں جاتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔

عیدگاہ میں نماز ادا کی جائے

یہ کوئی معمولی انعام نہیں کہ اللہ تعالیٰ پورے مجمع کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز کیلئے اس بات کو سنّت قرار دیا کہ مسلمان بڑی تعداد میں کھلے میدان جمع ہوں اور مجمع کثیر ہو، کیونکہ مجمع جب بڑا ہوگا تو اس مجمع میں نہ جانے کس اللہ کے بندے کی برکت سے اللہ تعالیٰ پورے مجمع پر فضل فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی تو ایسی ہے کہ اگرچہ انعام کے مستحق تو چند افراد ہوتے ہیں، جنہوں نے صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو مجھ جیسے ناکارہ بھی اگر وہاں موجود ہو تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ان چند افراد کی تو مغفرت کردوں اور باقی کی نہ کروں، یہ میری رحمت سے بعید ہے، لہٰذا سب کو اپنے فضل و کرم سے نواز دیتے ہیں۔

ورنہ توفیق کیوں دیتے؟

اگر میدانِ عید میں بلاکر یہ نوازش مقصود نہ ہوتی، ہماری اور آپ کی مغفرت کرنی مقصود نہ ہوتی تو پھر رمضان میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق ہی کیوں دیتے؟ مسجد میں آنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق ہی کیوں دیتے؟ جب انہوں نے ان عبادات کی توفیق دی تو ان کی رحمت سے امید یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے، مغفرت کا ارادہ فرمایا ہے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تو ہماری مغفرت کا ارادہ فرما رہے ہیں اور ہم اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اور گناہوں کے اندر اضافہ کرلیں، اس لئے کہ ہم تو گناہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں اور اپنے اعمال کے ذریعہ اس بات کا اظہار کررہے ہیں کہ ہمیں مغفرت نہیں چاہئے۔

عید کے دن گناہوں کا اضافہ

چنانچہ جیسے ہی عید کا دن آیا، بس گناہوں کا سیلاب امڈ آیا، نہ اللہ کا کوئی خیال، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی فکر، نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا کوئی احساس۔ اس عید کے دن گناہوں پر گناہ ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی جارہی ہیں، گانا بجانا جو کافروں کا خوشیاں

منانے کا طریقہ تھا وہ ہم نے اختیار کر لیا، خواتین نے بے پردگی اور بے حجابی اختیار کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی خلاف ورزی کر کے عید کا دن منایا جا رہا ہے۔ یہ کیسی عید ہوئی؟ وہ تو مغفرت کا ارادہ فرما رہے ہیں، لیکن ہم نے گناہ کر کے جہنم میں جانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آئندہ بھی اس دل کو صاف رکھنا

اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے باطن میں گناہوں کا جو میل کچیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دھو کر صاف کر دیا، اب تم سب سفید صاف ستھرے دھلے ہوئے کپڑے کی مانند ہو، اب صاف کپڑے کی حفاظت کرنا، کیونکہ کپڑا جتنا سفید صاف اور دھلا ہوا ہوگا، اتنا ہی اس پر دھبہ برا معلوم ہوگا، اور اگر کپڑا پہلے سے میلا ہے، اس پر داغ دھبے لگے ہوئے ہیں، اس پر ایک داغ اور لگ جائے تو پتہ بھی نہیں چلے گا، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آج عید کے دن ہمیں اور آپ کو دھو کر صاف اور اجلا کر دیا، تو اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس کپڑے کی حفاظت کریں اور اب گناہ کا دھبہ نہ لگے، اب اس پر معصیت اور نافرمانی کا داغ نہ لگے۔ اور اس فکر میں نہ رہیں کہ اگر داغ لگ بھی گئے تو اگلے رمضان میں دوبارہ دھل جائیں گے، ارے یہ کس کو معلوم ہے کہ اگلا رمضان نصیب ہو یا نہ ہو، کس کو معلوم ہے کہ آئندہ گناہ سے توبہ کی توفیق ملے گی یا نہیں، لہٰذا آئندہ آنے والی زندگی میں گناہ کے دھبہ سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔

خلاصہ

بہر حال جو آیت شروع میں لکھی گئی تھی کہ:

وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وِلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.

(سورة البقرة، آیت ۱۸۵)

یعنی میں نے یہ عید کا دن ایسے موقع پر مقرر کیا ہے کہ جس میں تم رمضان کے روزوں کی گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر کرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ شکر گزار بننے کا راستہ یہی ہے کہ جس ذات نے تمہاری برائیوں کو حسنات سے بدل دیا ہے، اس کی نافرمانی سے اور گناہوں سے اور معصیتوں سے آئندہ زندگی کو بچانے کی فکر کرو۔

آج کا دن ہمارے اور آپ کیلئے الحمد للہ خوشی کا دن بھی ہے، فرحت کا دن بھی ہے، اور اللہ

تعالیٰ کی رحمت سے مغفرت کی امید رکھنے کا دن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس فریضے کی ادائیگی کی توفیق بھی عطا فرمائے اور آئندہ زندگی کو گناہوں سے، معصیتوں سے، اور نافرمانیوں سے بچانے کی توفیق عطا فرمائے اور میری اس کاوش کو میری اور میرے والدین کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

نمازِ عید الفطر کا طریقہ

پہلے نیت کرے کہ میں دو رکعت واجب نماز عید کی چھ زائد واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھتا ہوں اور ہاتھ باندھ لے اور سبحنک اللّٰھم آخر تک پڑھنے کے بعد تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور تکبیرِ تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور تکبیر کے بعد ہاتھ اتنا لٹکا کر رکھے جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ ہاتھ باندھ لے اور اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت پڑھ کر ہر نماز کی طرح رکوع و سجدہ کر کے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں پہلے سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھنے کے بعد تین تکبیر اس طرح کہے کہ ہر تکبیر میں ہاتھ لٹکا دے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔ (مراقی الفلاح صفحہ ۳۰۹)

عید الفطر کے دن تیرہ اعمال حدیث سے ثابت ہیں

۱۔ شریعت کے مطابق اپنی آرائش کرنا۔
۲۔ غسل کرنا۔
۳۔ مسواک کرنا۔
۴۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا۔
۵۔ خوشبو لگانا۔
۶۔ صبح جلدی اٹھنا۔
۷۔ عیدگاہ میں جلدی جانا۔
۸۔ عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز جیسے کھجور وغیرہ کھالینا۔
۹۔ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۃ الفطر دینا۔
۱۰۔ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا یعنی بلا عذر مسجد میں نہ پڑھنا۔

۱۱۔ جس راستے سے جائے اس کے علاوہ دوسرے راستے سے واپس آنا۔

۱۲۔ پیدل جانا۔

۱۳۔ راستے میں تکبیرِ تشریق اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ آہستہ آواز سے کہتے جانا۔ (درِمختار صفحہ ۱۱۲ جلد ۱، البحر الرائق صفحہ ۱۵۹، جلد ۲)

عید کی نماز میں تاخیر سے شرکت کا مسئلہ

اگر کوئی عید کی نماز میں ایسے وقت میں آ کر شریک ہوا یعنی امام ابھی قرأت کر رہا ہے اور یہ شریک ہوا تو فوراً نیت باندھنے کے بعد تکبیریں کہہ لے اور اگر رکوع میں آ کر شریک ہوا تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیریں کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیریں کہہ لے اس کے بعد رکوع میں جائے اور اگر رکوع میں نہ ملنے کا خوف ہو تو رکوع میں شریک ہو جائے اور رکوع کی حالت میں بجائے تسبیح کے تکبیریں کہہ لے مگر ہاتھ نہ اٹھائے (اگر موقع ملے تو تکبیرات کے بعد تسبیحات پڑھ لیں) اور اگر ابھی یہ تکبیروں سے فارغ نہ ہوا تھا کہ امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو یہ بھی سر اٹھا لے اور جتنی تکبیریں رہ گئیں وہ سب معاف ہیں۔

(درمختار ورد المحتار صفحہ ۵۶۰ جلد ۱)۔

ایک رکعت نکلنے کا مسئلہ

اگر ایک رکعت نکل جائے تو امام کے سلام کے بعد اس کو پڑھ لے مگر اس میں قرأت سے پہلے تکبیرات نہ کہے گا بلکہ پہلے قرأت کرے گا پھر تکبیرات کہے گا کیونکہ اس طرح دونوں رکعتوں کی تکبیرات کے درمیان کوئی قرأت نہیں آئے گی اس کی پہلی رکعت میں قرأت کے بعد تکبیریں ہوتیں اور اب یہ اپنی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیریں پڑھے گا اور یہ کسی صحابی کا مذہب نہیں۔ (درمختار وشامی صفحہ ۱۱۶ جلد ۱)۔

اگر تشہد میں پہنچے تو معمول کے مطابق نماز مکمل کریں۔

صدقہ فطر کے مسائل

صدقہ فطر کس پر واجب ہے

جو مسلمان اتنا مالدار ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہے یعنی اس کے پاس سونا، چاندی یا مالِ تجارت میں سے کوئی بقدرِ نصاب ہیں اس پر تو یہ صدقہ واجب ہے لیکن جس کے پاس یہ چیزیں تو

نہیں مگر ضرورت سے زائد سامان ہے برتن وغیرہ جن کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر یا اس سے زائد ہے اور اس پر قرضہ بھی نہیں (جس کی تفصیل گزر چکی ہے) تو اس کے اوپر بھی عیدالفطر کے دن صدقہ دینا واجب ہے شریعت میں اس کو صدقہ فطر کہتے ہیں اور اگر سامان ضرورت سے زائد نہ ہو اور زکوٰۃ کا نصاب بھی نہیں تو وہ مال، اسباب، متاع و سامان چاہے اس کی کتنی ہی قیمت ہو جیسے گاڑیاں وغیرہ تو ان پر صدقہ فطر نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورت میں داخل ہے۔

(مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحاوی صفحہ ۳۹۴)

صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت

عید کے دن جس وقت فجر کا وقت داخل ہوتا ہے اسی وقت یہ صدقہ واجب ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے مر گیا یا بعد میں پیدا ہوا تو اس پر یہ صدقہ واجب نہ ہوگا۔

(فتاویٰ ھندیہ صفحہ ۱۲۳، جلد ۱)

نابالغ اولاد کے صدقہ فطر کا مسئلہ

یہ صدقہ عورت کو تو صرف اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اور مرد کو اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ ان کے پاس مال نہ ہو اگر ان کے پاس مال ہے تو انہی کے مال میں سے دے (ھدایہ صفحہ ۱۹۰، جلد ۱/ قاضی خان صفحہ ۲۶۵، جلد ۱)

صدقہ فطر کی مقدار

صدقہ فطر اگر گندم یا کشمش کے حساب سے دے تو احتیاطاً دو کلو گندم اور کشمش یا ان کی قیمت دے اور اگر کھجور یا جو کے حساب سے دے تو احتیاطاً پورے چار کلو کے بقدر دے۔

مسئلہ۔ صدقہ فطر کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

(ھندیہ، ج:۱،ص:۱۹۱/شرح التنویر صفحہ ۱۲۷، جلد ۲)

مزید فضائل، وظائف اور اہم مضامین برائے ماہِ رمضان

رمضان، ایک عظیم نعمت

یہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ جل شانہ کی بڑی عظیم نعمت ہے۔ ہم اور آپ اس مبارک مہینے کی حقیقت اور اس کی قدر کیسے جان سکتے ہیں، کیونکہ ہم لوگ دن رات اپنے دنیاوی کاروبار میں الجھے ہوئے ہیں اور صبح سے شام تک دنیا ہی کی دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں اور مادیت کے

طوفان میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم کیا جانیں کہ رمضان کیا چیز ہے؟ اللہ جل شانہ جن کو اپنے فضل سے نوازتے ہیں اور اس مبارک مہینے میں اللہ جل شانہ کی طرف سے انوار و برکات کا جو سیلاب آتا ہے اس کو پہچانتے ہیں، ایسے حضرات کو اس مہینے کی قدر ہوتی ہے۔ آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا چاند دیکھتے تو دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

"اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ". (مجمع الزوائد، جلد ۲، ص: ۱٦٥)

اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا دیجئے۔ یعنی ہماری عمر اتنی دراز کر دیجئے کہ ہمیں اپنی عمر میں رمضان کا مہینہ نصیب ہو جائے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ رمضان آنے سے دو ماہ پہلے رمضان کا انتظار اور اشتیاق شروع ہو گیا اور اس کے حاصل ہو جانے کی دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مہینہ نصیب فرما دے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کو رمضان المبارک کی صحیح قدر و قیمت معلوم ہو۔

عمر میں اضافے کی دعا

اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے اپنی عمر میں اضافے کی دعا کرے کہ میری عمر میں اضافہ ہو جائے تاکہ اس عمر کو میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق صحیح استعمال کر سکوں اور پھر وہ آخرت میں کام آئے، تو عمر کے اضافے کی یہ دعا کرنا اس حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ دعا مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! میری عمر میں اتنا اضافہ فرما دیں کہ میں اس میں آپ کی رضا کے مطابق کام کر سکوں اور جس وقت میں آپ کی بارگاہ میں پہنچوں تو اس وقت آپ کی رضا کے لائق بن جاؤں۔ لیکن جو لوگ اس قسم کی دعا مانگتے ہیں کہ "یا اللہ! اب تو اس دنیا سے اٹھا ہی لے" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے اور موت کی تمنا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ بعض لوگ یہ سوچ کر موت کی دعا کرتے ہیں کہ یہاں (دنیا میں) حالات خراب ہیں جب وہاں چلے جائیں گے تو وہاں اللہ میاں کے پاس سکون مل جائے گا۔ مگر انکو یہ تو جائزہ لینا چاہئے کہ تم نے وہاں کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کیا معلوم کہ اگر اس وقت موت آجائے تو خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ اس لیے ہمیشہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عافیت عطا فرمائے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے عمر مقرر کر رکھی ہے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زندگی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِیْ“

(مسند احمد، جلد ۳، ص: ۱۰۴)

اے اللہ! جب تک میرے حق میں زندگی فائدہ مند ہے، اس وقت تک مجھے زندگی عطا فرما اور جب میرے حق میں موت فائدہ مند ہو جائے۔ اے اللہ! مجھے موت عطا فرما۔ لہٰذا یہ دعا کرنا کہ یا اللہ! میری عمر میں اتنا اضافہ کر دیجئے کہ آپ کی رضا کے مطابق اس میں کام کرنے کی توفیق ہو جائے، یہ دعا کرنا درست ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اس دعا سے مستفاد ہوتی ہے کہ اے اللہ! ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔

رمضان کا انتظار کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشتیاق اور انتظار کیوں ہو رہا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ آجائے اور ہمیں مل جائے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کو اپنا مہینہ بنایا ہے، ہم لوگ چونکہ ظاہر کو دیکھنے والے قسم کے لوگ ہیں، اسلئے ظاہری طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ رمضان المبارک کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ روزوں کا مہینہ ہے، اس میں روزے رکھے جائیں گے اور تراویح پڑھی جائیں گی اور بس۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ روزے ہوں یا تراویح ہوں یا رمضان المبارک کی کوئی اور عبادت ہو، یہ سب عبادات ایک اور بڑی چیز کی علامت ہیں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو اپنا مہینہ بنایا ہے تاکہ وہ لوگ جو گیارہ مہینے تک مال کی دوڑ دھوپ میں لگے رہے اور ہم سے دور رہے اور اپنے دنیوی کاروبار میں الجھے رہے اور خوابِ غفلت میں مبتلا رہے، ہم ان لوگوں کو ایک مہینہ اپنے قرب کا عطا فرماتے ہیں، ان سے کہتے ہیں کہ تم ہم سے بہت دور چلے گئے تھے اور دنیا کے کام دھندوں میں الجھ گئے تھے، تمہاری سوچ، تمہاری فکر، تمہارا خیال، تمہارے اعمال، تمہارے افعال، یہ سب دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے تھے، اب ہم تمہیں ایک مہینہ عطا کرتے ہیں، اس مہینے میں تم ہمارے پاس آجاؤ اور اس کو ٹھیک ٹھیک گزار لو، تو تمہیں ہمارا قرب حاصل ہو جائے گا، کیونکہ یہ ہمارے قرب کا مہینہ ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر ارشاد فرمایا:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ". (سورة الذاريات: ٥٦)

یعنی میں نے جنات اور انسان کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ انسان کا اصل مقصدِ زندگی اور اس کے دنیا میں آنے اور دنیا میں رہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی عبادت کرے۔

کیا فرشتے عبادت کے لئے کافی نہیں تھے؟

اب اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اس مقصد کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے ہی پیدا فرما دیا تھا، اب اس مقصد کے لئے دوسری مخلوق یعنی انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے اگرچہ عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے، لیکن وہ اس طرح پیدا کئے گئے تھے کہ خلقتاً عبادت کرنے پر مجبور تھے، اس لئے کہ ان کی فطرت میں صرف عبادت کا مادہ رکھا گیا تھا، عبادت کے علاوہ گناہ اور معصیت اور نافرمانی کا مادہ رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ لیکن حضرتِ انسان اس طرح پیدا کئے گئے کہ ان کے اندر نافرمانی کا مادہ بھی رکھا گیا، گناہ کا مادہ بھی رکھا گیا اور پھر حکم دیا گیا کہ عبادت کرو۔ اس لئے فرشتوں کے لئے عبادت کرنا آسان تھا لیکن انسان کے اندر خواہشات ہیں، جذبات ہیں، محرکات ہیں اور ضروریات ہیں اور گناہوں کی دعوت دینے والے اسباب ہیں اور پھر حکم یہ دیا گیا کہ گناہوں کے ان دواعی سے بچتے ہوئے اور ان جذبات کو قابو کرتے ہوئے اور گناہوں کی خواہشات کو کچلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

عبادت کی دو قسمیں ہیں

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے، جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض اوقات گمراہیاں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ یہ کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ مؤمن کا ہر کام عبادت ہے، یعنی اگر مؤمن کی نیت صحیح ہے اور اس کا طریقہ صحیح ہے اور وہ سنت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے تو پھر اس کا کھانا بھی عبادت ہے، اس کا سونا بھی عبادت ہے، اس کا ملنا جلنا بھی عبادت ہے، اس کا کاروبار کرنا بھی عبادت ہے، اس کا بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی عبادت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مؤمن کے یہ سب کام عبادت ہیں، اسی طرح نماز بھی عبادت ہے، تو پھر ان دونوں عبادتوں میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور اس فرق کو نہ

سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پہلی قسم: براہِ راست عبادت

ان دونوں عبادتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک قسم کے اعمال وہ ہیں جو براہِ راست عبادت ہیں، اور جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے اور وہ اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے ہی وضع کئے گئے ہیں۔ جیسے نماز ہے، اس نماز کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکائے، اس نماز کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، لہٰذا یہ نماز اصلی عبادت اور براہِ راست عبادت ہے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، صدقات، حج، عمرہ، یہ سب اعمال ایسے ہیں کہ ان کو صرف عبادت ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے، ان کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، یہ براہِ راست عبادتیں ہیں۔

دوسری قسم: بالواسطہ عبادت

ان کے مقابلے میں کچھ اعمال وہ ہیں جن کا اصل مقصد تو کچھ اور تھا، مثلاً اپنی دنیاوی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مومن سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم اپنے دنیاوی کاموں کو بھی نیک نیتی سے، ہماری مقرر کردہ حدود کے اندر اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق انجام دو گے تو ہم تمہیں ان کاموں پر بھی ثواب دیں گے جیسے ہم پہلی قسم کی عبادات پر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ عبادات براہِ راست نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہیں اور یہ عبادات کی دوسری قسم ہے۔

”حلال کمانا“ بالواسطہ عبادت ہے

مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر تم بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے جائز حدود کے اندر رہ کر کماؤ گے اور اس نیت کے ساتھ رزقِ حلال کماؤ گے کہ میرے ذمے میری بیوی کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے بچوں کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے نفس کے حقوق ہیں، ان حقوق کو ادا کرنے کے لئے میں کما رہا ہوں، تو اس کمائی کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ عبادت بنا دیتے ہیں۔ لیکن اصلاً یہ کمائی کرنا عبادت کے لئے نہیں بنایا گیا، اس لئے یہ کمائی کرنا براہِ راست عبادت نہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہے۔

براہِ راست عبادت افضل ہے

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو عبادت براہِ راست عبادت ہے، وہ ظاہر ہے کہ اس عبادت سے افضل ہوگی جو بالواسطہ عبادت ہے اور اس کا درجہ زیادہ ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ ''میں نے جنات اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں'' اس سے مراد عبادت کی پہلی قسم ہے جو براہِ راست عبادت ہیں۔ عبادت کی دوسری قسم مراد نہیں جو بالواسطہ عبادت ہیں۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا واقعہ

ایک خاتون نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ میرے شوہر ڈاکٹر ہیں، انہوں نے اپنا کلینک کھول رکھا ہے، مریضوں کو دیکھتے ہیں، اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو وہ وقت پر نماز نہیں پڑھتے اور رات کو جب کلینک بند کر کے گھر واپس آتے ہیں تو تینوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ گھر آ کر ساری نمازیں اکٹھی کیوں پڑھتے ہیں؟ وہیں کلینک میں وقت پر نماز ادا کر لیا کریں تا کہ قضا نہ ہوں۔ جواب میں شوہر نے کہا کہ میں مریضوں کا جو علاج کرتا ہوں، یہ خدمتِ خلق کا کام ہے اور خدمتِ خلق بہت بڑی عبادت ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لئے میں اس کو ترجیح دیتا ہوں اور نماز پڑھنا چونکہ میرا ذاتی معاملہ ہے، اس لئے میں گھر آ کر اکٹھی ساری نمازیں پڑھ لیتا ہوں۔ تو وہ خاتون بزرگ سے پوچھ رہی تھیں کہ میں اپنے شوہر کی اس دلیل کا کیا جواب دوں؟

نماز کسی حال میں معاف نہیں

حقیقت میں ان کے شوہر کو یہاں سے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ ان دونوں قسم کی عبادتوں کے مرتبے میں جو فرق ہے اس فرق کو نہیں سمجھے۔ وہ فرق یہ ہے کہ نماز کی عبادت براہِ راست ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم جنگ کے میدان میں بھی ہو اور دشمن سامنے موجود ہو تب بھی نماز پڑھو، اگرچہ اس وقت نماز کے طریقے میں آسانی پیدا فرما دی، لیکن نماز کی فرضیت اس وقت بھی ساقط نہیں فرمائی۔ چنانچہ نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ:

''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا''. (النساء: ۱۰۳)

''بے شک نماز اپنے مقررہ وقت پر مؤمنین پر فرض ہے''۔

اب بتایئے کہ جہاد سے بڑھ کر اور کیا عمل ہوگا، لیکن حکم یہ دیا کہ جہاد میں بھی وقت پر نماز پڑھو۔

خدمتِ خلق دوسرے درجے کی عبادت ہے

حتیٰ کہ ایک انسان بیمار پڑا ہوا ہے اور اتنا بیمار ہے کہ وہ کوئی کام انجام نہیں دے سکتا، اس حالت میں بھی یہ حکم ہے کہ نماز مت چھوڑو، نماز تو ضرور پڑھو، لیکن ہم تمہارے لئے یہ آسانی کر دیتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھ لو اور اشارہ سے پڑھ لو، وضو نہیں کر سکتے تو تیمّم کر لو، لیکن پڑھو ضرور۔ یہ نماز کسی حال میں بھی معاف نہیں فرمائی، اس لئے کہ نماز براہِ راست اور مقصود بالذات عبادت ہے اور پہلے درجے کی عبادت ہے اور ڈاکٹر صاحب جو مریضوں کا علاج کرتے ہیں یہ خدمتِ خلق ہے، یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے، لیکن یہ دوسرے درجے کی عبادت ہے، براہِ راست عبادت نہیں۔ لہٰذا اگر ان دونوں قسموں کی عبادتوں میں تعارض اور تقابل ہو جائے تو اس صورت میں اس عبادت کو ترجیح ہوگی جو براہِ راست عبادت ہے۔ چونکہ ان ڈاکٹر صاحب نے ان دونوں قسم کی عبادتوں کے درمیان فرق کو نہیں سمجھا، اس کے نتیجے میں اس غلطی کے اندر مبتلا ہو گئے۔

دوسری ضروریات کے مقابلے میں نماز زیادہ اہم ہے

جس وقت کوئی شخص مطب میں خدمتِ خلق کے لئے بیٹھتا ہے، اس دوران اس کو دوسری ضروریات کے لئے بھی تو اٹھنا پڑتا ہے، مثلاً اگر بیت الخلاء جانے کی یا غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو آخر اس وقت بھی تو وہ مریضوں کو چھوڑ کر جائیں گے، اسی طرح اگر اس وقت بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانے کا وقت آگیا ہے، اس وقت وہ کھانے کا وقفہ کریں گے یا نہیں؟ جب وہ ان کاموں کے لئے اٹھ کر جا سکتے ہیں، تو اگر نماز کا وقت آنے پر نماز کے لئے اٹھ جائیں گے تو اس وقت کیا دشواری پیش آجائے گی؟ اور خدمتِ خلق میں کون سی رکاوٹ پیدا ہو جائیگی؟ جب کہ دوسری ضروریات کے مقابلہ میں نماز زیادہ اہم ہے۔ دراصل دونوں عبادتوں میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ یوں تو دوسری قسم کی عبادت کے لحاظ سے ایک مؤمن کا ہر کام

عبادت بن سکتا ہے، اگر ایک مؤمن نیک نیتی سے سنت کے طریقے پر کام کرے تو اس کی ساری زندگی عبادت ہے، لیکن وہ دوسرے درجے کی عبادت ہے۔ پہلے درجے کی عبادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اللہ کا ذکر وغیرہ، یہ براہِ راست اللہ کی عبادتیں ہیں اور اصل میں انسان کو اسی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

انسان کا امتحان لینا ہے

انسان کو اس عبادت کے لئے اس لئے پیدا فرمایا تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ انسان جس کے اندر ہم نے مختلف قسم کے داعیے اور خواہشات رکھی ہیں، ہم نے اس کے اندر گناہوں کے جذبات اور ان کا شوق رکھا ہے، ان تمام چیزوں کے باوجود یہ انسان ہماری طرف آتا ہے اور ہمیں یاد کرتا ہے یا یہ گناہوں کے داعیے کی طرف جاتا ہے اور ان جذبات کو اپنے اوپر غالب کر لیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔

یہ حکم بھی ظلم نہ ہوتا

جب یہ بات سامنے آگئی کہ انسان کا مقصودِ زندگی عبادت ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ حکم دیتے کہ چونکہ تم دنیا کے اندر عبادت کے لئے آئے ہو اور تمہاری زندگی کا مقصد عبادت ہے، تو اب صبح سے شام تک تمہارا اور کوئی کام نہیں، بس ایک ہی کام ہے، اور وہ یہ کہ تم ہمارے سامنے ہر وقت سجدے میں پڑے رہو اور ہمارا ذکر کرتے رہو اور جہاں تک ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے تو چلو ہم تمہیں اتنی مہلت دیتے ہیں کہ درمیان میں اتنا وقفہ کرنے کی اجازت ہے کہ تم درمیان میں دوپہر کا کھانا کھالیا کرو تاکہ تم زندہ رہ سکو، لیکن باقی سارا وقت ہمارے سامنے سجدہ میں رہتے ہوئے گزار دو۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم جاری کر دیتے تو کیا ہم پر کوئی ظلم ہوتا؟ اس لئے کہ ہمیں پیدا ہی اسی کام کے لئے کیا گیا ہے۔

ہم اور آپ بکے ہوئے مال ہیں

لہٰذا ایک طرف تو عبادت کے مقصد سے پیدا فرمایا، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ". (التوبة: ۱۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانیں اور تمہارا مال خرید لیا ہے اور اس کی قیمت جنت لگادی ہے۔ لہٰذا ہم سب تو بکے ہوئے مال ہیں، ہماری جان بھی بکی ہوئی ہے اور ہمارا مال بھی بکا ہوا ہے۔ اب اگر ان کو خریدنے والا جس نے ان کی اتنی بڑی قیمت لگائی ہے یعنی جنت، جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے، وہ خریدار اگر یہ کہہ دے کہ تمہیں صرف اپنی جان بچانے کی حدتک کھانے پینے کی اجازت ہے اور کسی کام کی اجازت نہیں ہے، بس ہمارے سامنے سجدے میں پڑے رہو، تو اسے یہ حکم دینے کا حق تھا، ہم پر کوئی ظلم نہ ہوتا، لیکن یہ عجیب خریدار ہے جس نے ہماری جان اور مال کو خرید لیا اور اس کی اتنی بڑی قیمت بھی لگادی اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری جان بھی خرید لی اور اب تمہیں ہی واپس کر دیتے ہیں، تم ہی اپنی جان سے فائدہ اٹھاؤ اور ساری زندگی اس سے کام لیتے رہو۔ کھاؤ، کماؤ، تجارت کرو، ملازمت کرو اور دنیا کی دوسری جائز خواہشات پوری کرو، سب کی تمہیں اجازت ہے، بس اتنی بات ہے کہ پانچ وقت ہمارے دربار میں آجایا کرو، اور تھوڑی سی پابندی لگاتے ہیں کہ یہ کام اس طرح کرو اور اس طرح نہ کرو۔ بس ان کاموں کی پابندی کرلو، باقی تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔

انسان اپنا مقصدِ زندگی بھول گیا

اب جب اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اس کی جان اور اس کا مال واپس دے دیا اور یہ کہہ دیا کہ تمہارے لئے تجارت بھی جائز، ملازمت بھی جائز، زراعت بھی جائز۔ جب سب چیزیں جائز کردیں تو اب اس کے بعد جب یہ حضرتِ انسان تجارت کرنے کے لئے اور ملازمت کرنے کے لئے، زراعت کرنے اور کھانے کمانے کے لئے نکلے تو وہ یہ بھول گئے کہ ہم اس دنیا میں کیوں بھیجے گئے تھے؟ اور ہمارا مقصدِ زندگی کیا تھا؟ کس نے ہمیں خریدا تھا؟ اور اس خریداری کا کیا مقصد تھا؟ اس نے ہم پر کیا پابندیاں لگائی تھیں؟ اور کیا احکام ہمیں دیئے تھے؟ یہ سب باتیں تو بھول گئے، اور اب خوب تجارت ہو رہی ہے، خوب پیسہ کمایا جارہا ہے، اور آگے بڑھنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور اسی کی فکر ہے اور اسی میں دن رات لگا ہوا ہے۔ اور اگر کسی کو نماز کی فکر ہوئی بھی تو حواس

باختہ حالت میں مسجد میں حاضر ہوگیا، اب دل کہیں ہے، اور دماغ کہیں ہے اور جلدی جلدی جیسی تیسی نماز ادا کی اور پھر واپس جا کر تجارت میں لگ گیا اور کبھی مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ہوئی تو گھر میں پڑھ لی اور کبھی نماز ہی نہ پڑھی اور قضا کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دنیاوی اور تجارتی سرگرمیاں انسان پر غالب آتی چلی گئیں۔

عبادت کی خاصیت

عبادت کا خاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا رشتہ جوڑتی ہے، اس کے ساتھ ایک تعلق قائم کرتی ہے، جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

دنیاوی کاموں کی خاصیت

دوسری طرف دنیاوی کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ اگرچہ انسان ان کو صحیح دائرے میں رہ کر بھی کرے، مگر پھر بھی یہ دنیاوی کام رفتہ رفتہ انسان کو معصیت کی طرف لے جاتے ہیں اور روحانیت سے دور کر دیتے ہیں۔

اب جب گیارہ مہینے اسی دنیاوی کاموں میں گزر گئے اور اس میں مادیت کا غلبہ رہا اور روپے پیسے حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا غلبہ رہا تو اس کے نتیجے میں انسان پر مادیت غالب آگئی اور عبادتوں کے ذریعہ جو رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا تھا، وہ رشتہ کمزور ہو گیا، اس کے اندر ضعف آگیا، اور جو قرب حاصل ہونا تھا وہ حاصل نہ ہو سکا۔

رحمت کا خاص مہینہ

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو انسان کے خالق ہیں، وہ جانتے تھے کہ یہ حضرتِ انسان جب دنیا کے کام دھندے میں لگے گا تو ہمیں بھول جائے گا، اور پھر ہماری عبادات کی طرف اس کا اتنا انہماک نہیں ہوگا جتنا دنیاوی کاموں کے اندر اس کو انہماک ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس انسان سے فرمایا کہ ہم تمہیں ایک موقع اور دیتے ہیں اور ہر سال تمہیں ایک مہینہ دیتے ہیں، تاکہ جب تمہارے گیارہ مہینے ان دنیاوی کام دھندوں میں گزر جائیں اور مادے کے اور روپے پیسے کے چکر میں الجھے ہوئے گزر جائیں تو اب ہم تمہیں رحمت کا ایک خاص مہینہ عطا کرتے ہیں، اس ایک

مہینہ کے اندر تم ہمارے پاس آجاؤ تا کہ گیارہ مہینوں کے دوران تمہاری روحانیت میں جو کمی واقع ہوگئی ہے اور ہمارے ساتھ تعلق اور قرب میں جو کمی واقع ہوگئی ہے، اس مبارک مہینہ میں تم اس کمی کو دور کرلو۔ اور اس مقصد کے لئے بھی ہم تمہیں یہ ہدایت کا مہینہ عطا کرتے ہیں کہ تمہارے دلوں پر جو زنگ لگ گیا ہے اس کو دور کرلو، اور ہم سے جو دور چلے گئے ہو اب قریب آجاؤ اور جو غفلت تمہارے اندر پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کر کے اپنے دلوں کو ذکر سے آباد کرلو۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ عطا فرمایا۔ ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب پیدا کرنے کے لئے روزہ اہم ترین عنصر ہے، روزہ کے علاوہ اور جو عبادات اس ماہ مبارک میں مشروع کی گئی ہیں وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے اہم عناصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ دور بھاگے ہوئے انسان کو اس مہینے کے ذریعہ اپنا قرب عطا فرما دیں۔

اب قرب حاصل کرلیں

چنانچہ ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ". (البقرة: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ گیارہ مہینوں تک تم جن کاموں میں مبتلا رہے ہو، ان کاموں نے تمہارے تقویٰ کی خاصیت کو کمزور کر دیا، اب روزے کے ذریعے اس تقویٰ کی خاصیت کو دوبارہ طاقتور بنالو۔ لہٰذا بات صرف اس حد تک ختم نہیں ہوتی کہ روزہ رکھ لیا اور تراویح پڑھ لی، بلکہ پورے رمضان کو اس کام کے لئے خاص کرنا ہے کہ گیارہ مہینے ہم لوگ اپنی اصل مقصدِ زندگی سے اور عبادات سے دور چلے گئے تھے، اس دوری کو ختم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے کو پہلے ہی سے زیادہ سے زیادہ عبادات کے لئے فارغ کیا جائے، اس لئے دوسرے کام دھندے تو گیارہ مہینے تک چلتے رہیں گے، لیکن اس مہینے کے اندر ان کاموں کو جتنا مختصر سے مختصر کر سکتے ہو کرلو اور اس مہینے کو خالص عبادات کے کاموں میں صرف کرلو۔

رمضان کا استقبال

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کا استقبال اور اس کی تیاری یہ ہے کہ انسان پہلے سے یہ سوچ کہ میں اپنے روزمرہ کے کاموں میں سے مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ کے کاموں میں سے کن کن کاموں کو مؤخر کرسکتا ہوں، ان کو مؤخر کردے اور پھر ان کاموں سے جو وقت فارغ ہو اس کو عبادت میں صرف کرے۔

رمضان میں سالانہ چھٹیاں کیوں؟

ہمارے دینی مدارس میں عرصۂ دراز سے یہ رواج اور طریقہ چلا آرہا ہے کہ سالانہ چھٹیاں اور تعطیلات ہمیشہ رمضان المبارک کے مہینے میں کی جاتی ہیں۔ ۱۵ شعبان کو تعلیمی سال ختم ہوجاتا ہے اور ۱۵ شعبان سے لے کر ۱۵ شوال تک دو ماہ کی سالانہ چھٹیاں ہوجاتی ہیں۔ شوال سے نیا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے۔ اس طریقہ پر لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو! یہ مولوی صاحبان رمضان میں لوگوں کو اس بات کا سبق دیتے ہیں کہ آدمی رمضان کے مہینے میں بیکار ہوکر بیٹھ جائے، حالانکہ صحابۂ کرام نے تو رمضان المبارک میں جہاد کیا اور دوسرے کام کئے۔ خوب سمجھ لیں کہ اگر جہاد کا موقع آجائے تو بے شک آدمی جہاد بھی کرے، چنانچہ غزوہ بدر اور فتح مکہ رمضان المبارک میں ہوئے۔ لیکن جب سال کے کسی مہینے میں چھٹی کرنی ہی ہے تو اس کے لیے رمضان کے مہینے کا انتخاب اس لئے کیا تاکہ اس مہینے کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست عبادت کے لئے فارغ کرسکیں۔

اگرچہ ان دینی مدارس میں پورے سال جو کام ہوتے ہیں وہ بھی سب کے سب عبادت ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کی تعلیم، حدیث کی تعلیم، فقہ کی تعلیم وغیرہ، مگر یہ سب بالواسطہ عبادات ہیں۔ لیکن رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس مہینے کو میری براہِ راست عبادات کے لئے فارغ کرلو۔ اس لئے ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جب چھٹی کرنی ہی ہے تو بجائے گرمیوں میں چھٹی کرنے کے رمضان میں چھٹی کرو تاکہ رمضان کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی براہِ راست عبادات میں صرف کیا جاسکے۔ لہٰذا رمضان المبارک میں چھٹی

کرنے کا اصل منشا یہ ہے۔

بہر حال! رمضان المبارک میں چھٹی کرنا جن کے اختیار میں ہو وہ حضرات تو چھٹی کر لیں اور جن حضرات کے اختیار میں نہ ہو وہ کم از کم اپنے اوقات کو اس طرح مرتب کریں کہ اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی براہِ راست عبادت میں گزر جائے اور حقیقت میں رمضان کا مقصود بھی یہی ہے۔

حضور ﷺ کو عباداتِ مقصودہ کا حکم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دیکھو قرآن کریم کی سورۃ الم نشرح میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ○". (سورۃ الانشراح)

یعنی جب آپ (دوسرے کاموں سے جن میں آپ مشغول ہیں) فارغ ہو جائیں تو (اللہ تعالیٰ کی عبادت میں) تھکیے۔ کس کام کے کرنے میں تھکیے؟ نماز پڑھنے میں، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے میں، اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے میں تھکیے اور اپنے رب کی طرف رغبت کا اظہار کیجئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذرا سوچو تو سہی کہ یہ خطاب کس ذات سے ہو رہا ہے؟ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو رہا ہے، اور آپ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب آپ فارغ ہو جائیں، یہ تو دیکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کن کاموں میں لگے ہوئے تھے جن سے فراغت کے بعد تھکنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے تھے؟ نہیں، بلکہ آپ کا تو ایک ایک کام عبادت ہی تھا، یا تو آپ کا کام تعلیم تھا یا تبلیغ کرنا تھا یا جہاد کرنا تھا یا تربیت اور تزکیہ تھا، تو آپ کا تو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آپ سے کہا جا رہا ہے کہ جب آپ ان کاموں سے فارغ ہو جائیں تو اب آپ ہمارے سامنے کھڑے ہو کر تھکیے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات نماز کے اندر اس طرح کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کاموں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مشغول تھے وہ بالواسطہ عبادت تھی اور جس عبادت کی طرف اس آیت میں آپ کو بلایا

جارہا تھاوہ براہِ راست عبادت تھی۔

مولوی کا شیطان بھی مولوی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے، یعنی شیطان مولویوں کو علمی انداز سے دھوکہ دیتا ہے۔ چنانچہ مولوی کا شیطان مولوی صاحب سے کہتا ہے کہ یہ جو کہہ رہا ہے کہ تم گیارہ مہینے تک دنیاوی کاموں میں لگے رہے، یہ ان لوگوں سے کہا جارہا ہے جو تجارت اور کاروبار میں لگے رہے اور معیشت کے کاموں میں اور دنیاوی دھندوں میں اور ملازمتوں میں لگے رہے، لیکن تم تو گیارہ مہینے تک دین کی خدمت میں لگے رہے، تم تو تعلیم دیتے رہے، تبلیغ کرتے رہے، وعظ کرتے رہے، تصنیف اور فتویٰ کے کاموں میں لگے رہے اور یہ سب دین کے کام ہیں۔ حقیقت میں یہ شیطان کا دھوکا ہوتا ہے، اس لئے کہ گیارہ مہینے تک تم جن عبادات میں مشغول تھے وہ عبادت بالواسطہ تھی اور اب رمضان المبارک براہِ راست عبادت کا مہینہ ہے، یعنی وہ عبادت کرنی ہے جو براہِ راست عبادت کے کام ہیں۔ اس عبادت کے لئے یہ رمضان مہینہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کو اس عبادت میں استعمال کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

چالیس مقاماتِ قُرب حاصل کرلیں

اب ہم کو اپنا ایک نظام الاوقات اور ٹائم ٹیبل بنانا چاہئے کہ کس طرح یہ مہینہ گزارنا ہے، چنانچہ جتنے کاموں کو مؤخر کرسکتے ہیں ان کو مؤخر کریں۔ اور روزہ تو رکھنا ہی ہے۔ اور تراویح بھی انشاء اللہ ادا کرنی ہے، ان تراویح کے بارے میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے مزے کی بات فرمایا کرتے تھے کہ یہ تراویح بڑی عجیب چیز ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو روزانہ عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ مقاماتِ قرب عطا فرمائے ہیں، اس لئے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جن میں چالیس سجدے کئے جاتے ہیں اور ہر سجدہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ اس سے زیادہ اعلیٰ مقام کوئی اور نہیں ہوسکتا، جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور اپنی معزز پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے اور زبان پر "سبحان ربی الاعلی" کے الفاظ ہوتے ہیں تو یہ قربِ خداوندی کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہوتا ہے جو کسی اور صورت

میں نصیب نہیں ہوسکتا۔

ایک مؤمن کی معراج

یہی مقامِ قرب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے موقع پر لائے تھے، جب معراج کے موقع پر آپ کو اتنا اونچا مقام بخشا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ میں اپنی امت کے لئے کیا تحفہ لے کر جاؤں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امت کے لئے یہ ''سجدے'' لے جاؤ۔ ان میں سے ہر سجدہ مؤمن کی معراج ہے۔ فرمایا ''الصلوٰۃ معراج المؤمنین''۔ یعنی جس وقت کوئی مؤمن بندہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زمین پر رکھ دے گا تو اس کو معراج حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا سجدہ مقامِ قرب ہے۔

سجدہ میں قربِ خداوندی

سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ نے کتنا پیارا جملہ ارشاد فرمایا۔ اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کرنا واجب ہے۔ فرمایا کہ:

''وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝'' (سورۃ العلق:۱۹)

سجدہ کرو اور ہمارے پاس آ جاؤ۔ معلوم ہوا کہ ہر سجدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے اور رمضان کے مہینے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں چالیس سجدے اور عطا فرما دیئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس مقاماتِ قرب ہر بندے کو روزانہ عطا کئے جا رہے ہیں۔ یہ اس لئے دیئے کہ گیارہ مہینے تک تم جن کاموں میں لگے رہے، ان کاموں کی وجہ سے ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ دوری پیدا ہو گئی ہے، اس دوری کو ختم کرنے کے لئے روزانہ چالیس مقاماتِ قرب دے کر ہم تمہیں قریب کر رہے ہیں، اور وہ ہے ''تراویح'' لہٰذا اس تراویح کو معمولی مت سمجھو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو آٹھ رکعت تراویح پڑھیں گے، بیس نہیں پڑھیں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ہم تمہیں چالیس مقاماتِ قرب عطا فرماتے ہیں لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہیں صاحب، ہمیں تو صرف سولہ ہی کافی ہیں، چالیس کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان

لوگوں نے ان مقاماتِ قرب کی قدر نہیں پہچانی، تبھی تو ایسی باتیں کر رہے ہیں۔

تلاوتِ قرآن کریم کی کثرت کرنی چاہئے

بہر حال! روزہ تو رکھنا ہی ہے اور تراویح تو پڑھنی ہی ہے، اس کے علاوہ بھی جتنا وقت ہو سکے عبادات میں صرف کرنا چاہئے۔ مثلاً تلاوتِ قرآن کریم کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ اس رمضان کے مہینے کو قرآن کریم سے خاص مناسبت ہے، اس لئے اس میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا چاہئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں روزانہ ایک قرآن کریم دن میں ختم کیا کرتے تھے اور ایک قرآن کریم رات میں ختم کیا کرتے تھے اور ایک قرآن کریم تراویح میں ختم فرماتے تھے، اس طرح پورے رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رمضان کے دن اور رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگوں کے معمولات میں تلاوتِ قرآن کریم داخل رہی ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی رمضان المبارک میں عام دنوں کی مقدار کے مقابلے میں تلاوت کی مقدار کو زیادہ کرنا چاہئے۔

نوافل کی کثرت کرنی چاہئے

دوسرے ایام میں جن نوافل کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، ان کو رمضان المبارک میں پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً تہجد کی نماز پڑھنے کی عام دنوں میں توفیق نہیں ہوتی، لیکن رمضان المبارک میں رات کے آخری حصے میں سحری کھانے کے لئے تو اٹھنا ہوتا ہی ہے، تھوڑی دیر پہلے اٹھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اسی وقت تہجد کی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ اس کے علاوہ اشراق کی نوافل،، چاشت کی نوافل، اوابین کی نوافل، عام ایام میں اگر نہیں پڑھی جاتیں تو کم از کم رمضان المبارک میں تو پڑھ لینی چاہئے۔

صدقات کی کثرت کرنی چاہئے

رمضان المبارک میں زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات بھی زیادہ سے زیادہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا دریا ویسے تو سارے سال ہی موجزن رہتا تھا، لیکن رمضان المبارک میں سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے جھونکیں

مارتی ہوئی ہوائیں چلتی ہیں، جو کسی کے پاس آیا اس کو نواز دیا۔ لہٰذا ہمیں بھی رمضان المبارک میں صدقات کی کثرت کرنی چاہئے۔

ذکر اللہ کی کثرت کرنی چاہئے

اس کے علاوہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہئے۔ ہاتھوں سے کام کرتے رہیں اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے۔ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ ان کے علاوہ درود شریف اور استغفار کی کثرت کرنی چاہئے اور ان کے علاوہ جو ذکر بھی زبان پر آجائے بس چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے

اور رمضان المبارک میں خاص طور پر گناہوں سے اجتناب کرنا چاہئے اور اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔ بندہ یہ طے کرلے کہ رمضان کے مہینے میں یہ آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ انشاء اللہ۔ اور یہ طے کرلے کہ رمضان المبارک میں اس زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی۔ انشاء اللہ۔ جھوٹ، غیبت، یا کسی کی دل آزاری کا کوئی کلمہ نہیں نکلے گا۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اس زبان پر تالا ڈال لے، یہ کیا بات ہوئی کہ روزہ رکھ کر حلال چیزوں کے کھانے سے تو پرہیز کرلیا لیکن رمضان میں مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اس لئے کہ غیبت کرنے کو قرآن کریم نے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ لہٰذا غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ جھوٹ سے بچنے کا اہتمام کریں۔ اور فضول کاموں سے، فضول مجلسوں سے اور فضول باتوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس طرح یہ رمضان کا مہینہ گزارا جائے۔

دعا کی کثرت کرنی چاہئے

اس کے علاوہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی خوب کثرت کرنی چاہئے۔ رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برس رہی ہیں، مغفرت کے بہانے ڈھونڈے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دی جارہی ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا

جس کی دعا قبول کروں۔ لہٰذا صبح کا وقت ہو یا شام کا وقت ہو یا رات کا وقت ہو، ہر وقت مانگنی چاہیئے۔ وہ تو یہ فرمارہے ہیں کہ افطار کے وقت مانگ لو، ہم قبول کریں گے۔ رات کو مانگ لو، ہم قبول کریں گے۔ روزہ کی حالت میں مانگ لو، ہم قبول کریں گے۔ آخر رات میں مانگ لو، ہم قبول کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ ہر وقت تمہاری دعائیں قبول کرنے کیلئے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اس لیے خوب مانگو۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مانگنے کا مہینہ ہے، اس لئے ان کا معمول یہ تھا کہ رمضان المبارک میں عصر کی نماز کے بعد مغرب تک مسجد ہی میں بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت کچھ تلاوت کرلی، کچھ تسبیحات اور مناجاتِ مقبول پڑھ لیں، اور اس کے بعد باقی سارا وقت افطار تک دعا میں گزارتے تھے، اور خوب دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے جتنا ہوسکے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اپنے لئے، اپنے اعزہ اور احباب کیلئے، اپنے متعلقین کے لئے، اپنے ملک وملت کے لئے، عالمِ اسلام کے لئے دعائیں مانگنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس رمضان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شوال المکرّم

فضیلت

سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ شوال المکرّم بڑی عظمت و بزرگی والا مہینہ ہے اور اس ماہ کی عبادت کا بہت ثواب ہے۔

وظائف

نفل روزہ

شوال کے مہینے میں چھ دن کے روزے رکھنے کا بڑا ثواب ہے بہتر یہ ہے کہ یہ روزے متفرق رکھے جائیں اور عید کے بعد لگاتار چھ دن میں ایک ساتھ رکھ لیں جب بھی حرج نہیں۔ حضرت ایوبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد چھ دن شوال میں رکھے تو ایسا جیسے دہر کا روزہ رکھا۔

ذی قعدہ

حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ ماہِ ذیقعدہ بہت بزرگی والا مہینہ ہے اور اس ماہ کی عبادات بہت افضل ہے۔

ذی الحجہ

فضائل

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مہینوں کا سردار ماہِ رمضان ہے اور تمام مہینوں میں حرمت والا مہینہ ذی الحجہ ہے۔

فضیلتِ قربانی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن اولادِ آدم کا کوئی عمل (سوائے فرض اعمال) اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں سمیت زندہ ہوکر آئیگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے لہٰذا اے اللہ کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔

﴿ترمذی شریف ج:۱ص:۲۷۵﴾

قربانی نہ کرنے پر وعید

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسکے پاس گنجائش ہو اور وہ اسکے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ ﴿ابن ماجہ ص:۲۲۶﴾

قربانی کی حقیقت اور روح

قربانی میں حقیقت تو یہ تھی کہ بندہ خود اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت تو دیکھئے کہ انکو گوارا نہ ہوا اسلئے یہ حکم دیا کہ تم جانور ذبح کردو ہم یہی سمجھ لینگے کہ تم نے اپنے کو قربان کردیا اور ہر سال کی قربانی سے سبق دیا جاتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردینا ضروری ہے ورنہ ایمان کامل نہ ہوگا، اور غلامیت اور عبدیت کا حق ادا نہ ہوگا۔

؎ جان دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ کہ حق ادا نہ ہوا

﴿خطبات حکیم الاسلام ج:۲ ص:۴۴۴ و احکام وتاریخِ قربانی ص:۲۲﴾

وظائف

یادرکھنے کی باتیں!

رات کوسونے سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا ممکن ہے کہ یہ رات تیرے زندگی کی آخری رات ہو۔

فجر کی نماز کے بعد -------- سورۃ یسین اور سورۃ فجر

ظہر کی نماز کے بعد -------- سورۃ فتح

عصر کی نماز کے بعد -------- سورۃ نبا

مغرب کی نماز کے بعد-------- سورۃ واقعہ

عشاء کی نماز کے بعد -------- سورۃ سجدہ اور سورۃ ملک

یہ ہمارے حضور ﷺ روزانہ پڑھ کر سوتے تھے۔

ماہِ ذی الحجہ سے متعلق مسائل

عشرہ ذوالحجہ کے متفرق مسائل

جوشخص قربانی کاارادہ رکھتا ہواس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد بال، ناخن کٹانے اور حجامت بنوانے سے دسویں تاریخ تک رکا رہے۔

ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے لے کر نویں تاریخ تک نودن کاروزہ رکھنا مستحب ہے، ایک ایک دن کاروزہ ثواب میں سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور نویں تاریخ یعنی عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ پھر دسویں سے لے کر تیرہویں تک روزہ رکھنا حرام ہے۔

ف:۔ ذوالحجہ کی نویں تاریخ جس دن عرفات کے میدان میں حاجی حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اس دن کو عرفہ کہتے ہیں۔ شریعت میں سال بھر کے اندر بس ایک ہی دن عرفہ ہے، کم علم لوگوں نے اور بھی کئی دنوں کانام اپنی طرف سے عرفہ رکھ لیا جو کہ غلط ہے۔

تکبیرِ تشریق

تکبیرِ تشریق نویں ذوالحجہ کی نمازِ فجر کے بعد سے تیرہویں تاریخ کی عصر کی نماز کے بعد تک

ہر فرضِ عین نماز کا سلام پھیرتے ہی ایک مرتبہ بلند آواز سے کہنا واجب ہے۔ البتہ عورتیں آہستہ آہستہ آواز سے کہیں۔ ﴿شامی﴾

تنبیہ:۔ بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، اس تکبیر کو پڑھتے نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں حالانکہ اس کا درمیانے طریقہ پر بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اس کی اصلاح ضروری ہے۔

ف:۔ ماہِ ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تین تاریخوں کو ایامِ تشریق کہتے ہیں، تشریق کے معنی گوشت کو دھوپ میں ڈالنے کے ہیں۔ چونکہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت سکھایا جاتا ہے اس لئے دسویں تاریخ کے بعد اس تین دنوں کو ایامِ تشریق کہا جاتا ہے۔

تکبیرِ تشریق یہ ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

نمازِ جنازہ اور وتر اور سنتوں کے بعد یہ دعا نہیں کہی جائے۔

تکبیرِ تشریق امام، مقتدی، اور منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) عورت، مرد، مسافر، مقیم، شہر والوں اور گاؤں والوں سب پر واجب ہے۔ ﴿درمختار﴾

اگر امام نے یہ تکبیر نہ کہی ہو خواہ قصداً خواہ بھولے سے تو مقتدیوں کو پھر بھی تکبیر کہنا ضروری ہے۔

جن دنوں میں یہ تکبیر کہی جاتی ہے اگر ان دنوں کی کوئی نماز رہ گئی ہو، اب اگر اس کی قضا اسی سال کے انہی دنوں میں کی جائے گی تب تو یہ تکبیر کہی جائے گی ورنہ نہیں۔ مثلاً نویں تاریخ کی نماز کی قضا اسی سال کی دسویں تاریخ کو کی جائے تو تکبیر بھی نماز کے بعد کہی جائے اور اگر اس کی قضا ان دنوں کے گزرنے کے بعد یا اگلے سال کے انہی دنوں میں کی جائے، اسی طرح ان دنوں سے پہلے کی قضاء نماز اگر ان دنوں میں پڑھی جائے تو تکبیر نہ کہی جائے۔

مسبوق جس کی رکعت رہ گئی ہو وہ بھی اپنی رکعت پوری کرنے کے بعد یہ تکبیر کہے گا۔ لیکن اگر بھول کر امام کے ساتھ تکبیر تشریق کہہ لے تو بھی نماز ہوگئی اور لاحق جس کی رکعت امام کی اقتدا کرنے کے بعد رہ گئی ہو اس پر بھی یہ تکبیر واجب ہے۔

نماز کا سلام پھیرنے کے بعد جب تک قبلہ سے سینہ نہ پھیرا ہو اور نہ کوئی ایسا کام کیا ہو جس

سے نماز کی بناء ممنوع ہو جاتی ہے۔اس وقت تک یہ تکبیر کہنا ضروری ہے۔نماز کے سلام کے بعد اگر کسی نے قہقہہ لگایا یا عمداً حدث کیا یا کلام کیا تو اب یہ تکبیر نہیں کہہ سکتا۔البتہ اگر سلام کے بعد خود بخود حدث ہو گیا ہو تو یہ تکبیر کہہ لے کیونکہ ان کے لئے وضو شرط نہیں ہے۔﴿مراقی﴾

قربانی کس پر واجب ہے

قربانی ہر اس عاقل، بالغ، مقیم، مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ جو صدقہ فطر کے نصاب کا مالک ہو یعنی اسکے پاس یا تو 612 گرام چاندی یا 87.50 گرام سونا ہو یا انمیں سے کسی کے بقدر روپے ہوں یا اتنی مالیت کا مالِ تجارت ہو یا شیرز (Shares) ہوں یا ضرورت سے زائد مکانات، جائداد یا گھریلو سامان ہو جسکی مالیت 612 گرام چاندی کے برابر ہو۔﴿شرح التنویر ج:۵ ص:۳۰۴، ردالمحتار ج:۶ ص:۳۱۲، فتاوٰی ھندیہ ج:۵ ص: ۲۹۲﴾ لہٰذا مجنون، شرعی مسافر اور غریب پر قربانی واجب نہیں۔اسی طرح ماں باپ پر بھی بچہ کی طرف سے قربانی واجب نہیں، نہ اپنے مال میں سے نہ بچے کے مال میں سے، اگر کرنی ہو تو اپنے مال میں سے کریں اور وہ نفلی ہوگی۔﴿ھندیہ ج:۶ ص:۱۹۷﴾

قربانی کے وقت میں مقیم اور مالدار ہونے کا مسئلہ

بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے کوئی مسافر گھر پہنچ گیا یا کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی یا غریب کے پاس مال آگیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔

﴿ھندیہ ج:۶ ص: ۱۹۸، بدائع ج: ۵ ص:۶۴﴾

قربانی کا وقت

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے لے کر بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے تک قربانی کا وقت ہے، دن میں کریں یا رات میں کریں بشرطیکہ روشنی ہو، لیکن شہری لوگ عید کی نماز سے پہلے اگر قربانی کرینگے تو انکی قربانی درست نہ ہوگی۔

﴿شرح البدایہ ص:۴۴۳، ھندیہ ج:۶ ص:۱۹۸﴾

قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں شرعاً حکم

اگر قربانی کے دن گزر جائیں اور قربانی نہ کی تو دو صورتیں ہیں:

(۱) جانور موجود تھا ذبح کرنے کا موقع نہ ملا تو وہ جانور زندہ فقیروں کو خیرات کرنا پڑیگا اور اسکا گوشت نہ خود کھا سکتا ہے نہ کسی مالدار کو کھلا سکتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جانور خریدا نہیں تو ایک بکرے کی قیمت خیرات کرنی پڑیگی۔

﴿شرح التنویر ج:۵ ص:۳۱۲﴾

قربانی کے دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی

صاحب استطاعت آدمی پر ہر سال جانور کی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اسلئے جانور ذبح کرنے کے بجائے اسکی قیمت صدقہ کرنے سے نہ قربانی کی ذمہ داری ادا ہوگی نہ حضرت ابراہیمؑ کی یادگار پر عمل ہوگا۔

﴿مرقاۃ المفاتیح ج:۳ ص:۳۱۴﴾

قربانی کا جانور ذبح کرنے کا مسنون طریقہ

سب سے پہلے تو دل میں نیت کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے اس جانور کی قربانی کر رہا ہوں جو مجھ پر واجب ہے، اور زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

﴿ردالمحتار ج:۵ ص:۳۰۴﴾

اس کے بعد جانور کو سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ لٹائے اور ذبح کرنے والے کا چہرہ بھی قبلہ کی طرف ہو یہ سنت ہے اور بلا عذر اس کو چھوڑنا مکروہ ہے۔

﴿بدائع ج:۵ ص:۶۰﴾

اسکے بعد یہ دعا پڑھے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مینڈھیوں کو ذبح کرتے وقت قبلہ رُخ لٹا کر یہ پڑھی تھی:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ ﴿مشکوٰۃ شریف﴾

پھر اپنا پاؤں جانور کے پہلو پر رکھ کر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کر چھری چلائے، اسلئے کہ

نبی اکرم ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا۔ ﴿بخاری مسلم﴾

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

(ترجمہ: اے اللہ! اس قربانی کے عمل کو میرے حق میں قبول فرمالیجئے جیسے کہ آپ نے اپنے محبوب محمد ﷺ اور خلیل ابراہیمؑ کی طرف سے اسکو قبول فرمایا۔)

ذبیحہ پر کسی بھی زبان میں اللہ کا نام لینا

سوال:۔ ذبح کرتے وقت کون سے الفاظ کہنا ضروری ہیں؟ کیا عربی زبان میں کہنا ضروری ہے؟

جواب:۔ ''بسم اللہ'' کہنا کافی ہے خواہ کسی زبان میں کہے۔ ﴿الشلبی، ج:۲، ص:۲۸۹﴾

ذبیحہ کی گردن جدا ہو جانا

سوال:۔ زید نے قربانی کا جانور اس طرح ذبح کیا کہ تمام گردن جدا ہو گئی اس سے قربانی حلال ہو گئی یا حرام رہی؟

جواب:۔ قربانی تو حرام نہیں ہوئی حلال رہی ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

﴿شامی، ج:۵، ص:۱۸۸﴾

ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا

سوال:۔ قربانی کرتے وقت ایک جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، اور دوسرا جانور قریب ہی بندھا رہتا ہے، ذبح ہوتے ہوئے دیکھتا ہے ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب:۔ ایسا کرنا منع ہے ایک جانور دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔

﴿مصنف عبدالرزاق، ج:۴، ص:۴۹۴﴾

ٹھنڈا ہونے سے پہلے ذبیحہ کی کھال اتارنا

رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ﴿ابن ماجہ، ص:۲۲۹/ ابواب الذبائح﴾ یہ جانور پر ظلم ہے۔

جن جانوروں کی قربانی درست ہے

بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی کی قربانی درست ہے اگرچہ خصی ہوں۔ ﴿فتاویٰ ہندیہ ج:۶ ص:۱۹۹﴾

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

سوال:۔ صاحبِ نصاب مسلمان کے لئے قربانی، اونٹ، بھینس، گائے، دنبہ، بکرا یا بھیڑ میں یا ان کے نر و مادہ میں ثواب کا کچھ فرق ہے؟

جواب:۔ جس جانور کی قربانی محض ایک آدمی کی طرف سے ادا ہوتی ہے، اور اس میں شرکت نہیں ہوتی اس کی قربانی افضل ہے، بشرطیکہ اس کا گوشت اور قیمت شرکت کرنے والے جانور سے گھٹیا اور کم نہ ہو ورنہ شرکت والے جانور کا ساتواں حصہ افضل ہوگا۔ بکرا، دنبہ وغیرہ اگر خصی ہو تو وہ مادہ سے افضل ہے، ورنہ مادہ افضل ہے، ادا بہر صورت ہو جاتی ہے۔

﴿شامی، ج:۹، ص:۲۸۱﴾

نر و مادہ میں کس کی قربانی افضل ہے

اگر دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں تو مادہ کی قربانی افضل ہے۔

﴿شامی، ج:۵، ص:۲۰۵﴾

ایک فربہ (موٹے) بکرے کی قربانی بہتر ہے یا دو کی جبکہ قیمت میں برابر ہوں

سوال:۔ سو روپے میں اگر ایک ہی بکرا ذبح کیا جائے جو خوب موٹا تازہ ہو تو یہ بہتر ہے، یا سو روپے میں دو عدد ذبح کیا جائے جو کہ مناسب بدن کے ہوں؟

جواب:۔ سو روپے میں اگر دو مناسب بکرے ملیں جن سے دو واجب ادا ہو سکیں تو یہ بہتر ہے کہ اس سے اتنی ہی قیمت میں ایک بکرا موٹا ذبح کیا جائے، جس سے ایک ہی واجب ادا ہو۔

﴿خانیۃ علی الھندیۃ، ج:۳، ص:۳۴۹﴾

البتہ بہت موٹا جانور جس کی قیمت اتنی زیادہ ہو کہ اتنی قیمت میں کئی جانور جو بہت کمزور نہ ہوں آسکیں تو کئی جانور کرنا بہتر ہے کہ اس میں غریبوں کا بھلا بھی ہے دکھلاوے کے خیالات سے بھی حفاظت ہے۔ اور بہت بڑے جانور کا گوشت بھی قابلِ استعمال نہیں ہوتا، ان وجوہات کی وجہ سے بہت بڑا جانور بہتر نہیں ہے۔

گائے اونٹ وغیرہ میں شرکت کا مسئلہ

گائے، اونٹ اور بھینس میں اگر سات یا اس سے کم آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو یہ بھی

درست ہے۔

(۱) لیکن پہلی شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو بلکہ گوشت تقسیم کرتے وقت اندازے سے تقسیم نہ کریں بلکہ خوب تول کر تقسیم کریں ورنہ سود ہو جائیگا۔

﴿شرح التنویر ج:۵ ص:۳۰۸﴾

واضح رہے کہ یہ برابری اس وقت ضروری ہے جب تقسیم کرنا چاہیں اور اگر تقسیم نہ کریں بلکہ ایک ساتھ فقراء، یا دوست، رشتہ داروں میں تقسیم کرنا چاہیں تو برابری ضروری نہیں۔

﴿ردالمحتار ج:۵ ص:۳۱۰﴾

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ سب کی نیت قربانی یا عقیقہ کرنے کی ہو، گوشت کھانے کی نیت نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔﴿ھندیہ ج:۶ ص:۲۰۴﴾

مسئلہ: جانور ذبح کرتے وقت شرکاء کی طرف سے ذبح کی نیت ضروری ہے اور وہ دل کے ارادے کا نام ہے۔﴿بدائع ج:۵ ص:۱۷﴾ اگر کئی جانور ہیں اور ایک ساتھ کئی افراد کی طرف سے قربانی ہو رہی ہے تو کونسا جانور کس کا ہے متعین کرنا ضروری ہے۔ ورنہ قربانی صحیح نہ ہوگی۔

﴿فتاوٰی شامی ج:۶ ص:۳۱۲﴾

اسی طرح جسکی طرف سے قربانی ہو رہی ہے اسکے علم میں ہونا ضروری ہے ورنہ قربانی درست نہ ہوگی اور شرکت کی صورت میں اوروں کی بھی درست نہ ہوگی۔

﴿ھندیہ ج:۶ ص:۲۰۲﴾

حرام کمائی سے قربانی

حرام آمدنی جسکا مدار سود پر ہو جیسے انشورنس (Insurance) بینک کی ملازمت وغیرہ اس سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے ایسا شخص یا تو اپنے پاس موجود حلال رقم سے قربانی کرے یا کسی سے حلال رقم بطورِ قرض لے لے اور اس رقم سے قربانی کرلے۔

(۲) سوال: کیا قربانی کے ہر شریک اور معاون پر تکبیر کہنا واجب ہے؟

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ ذابح پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، اسی طرح معین ذابح پر بھی واجب ہے۔﴿وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح وشمل ما اذا کان الذابح اثنین

الخ، ج: ۹، ص: ٤٣٨﴾

اور معین ذابح حقیقۃً وہ ہے جو چھری چلانے میں مدد دے، مثلاً ایک شخص کمزور ہے اس میں چھری چلانے کی پوری قوت نہیں، تو دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قوت سے چھری چلادے تو اس پر بھی بسم اللہ پڑھنا لازم ہے، اور جو آدمی جانور کے پیر وغیرہ پکڑے وہ حقیقۃً معینِ ذابح نہیں اس لئے اس پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حرام کمائی والے کی شرکت کا مسئلہ

اجتماعی قربانی میں اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ حرام آمدنی والے افراد کے ساتھ شرکت نہ ہو ورنہ قربانی صحیح نہ ہوگی اسلئے کہ مسندِ احمد کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال ہی کو قبول فرماتے ہیں اور اسکی آسان صورت ایسے اداروں کیلئے یہ ہے کہ وہ اعلان لگادیں کہ حرام کی کمائی والے شرکت نہ کریں ورنہ خود ذمہ دار ہونگے۔

میت کی طرف سے قربانی کرنا

سوال:۔ اگر آدمی قربانی میں اپنا حصہ نہ لے اور میت کی طرف سے لے تو ایسا کرنا درست ہے، یا اپنا حصہ بھی لے اور میت کی طرف سے بھی لے تب کرنا درست ہوگا؟

جواب:۔ اگر زندہ آدمی صاحبِ نصاب ہے تو اس کو اپنا حصہ لینا واجب ہے، اگر نہیں لے گا تو گنہگار ہوگا، اور پھر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، تاہم اگر میت کی طرف سے لے کر قربانی کردے گا تو اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے گا، اگر میت نے وصیت کی ہے، تو ایک تہائی ترکہ سے لیکر قربانی کرنا واجب ہوگا، اگر وصیت نہیں کی تو واجب نہیں، اگر کوئی وارث بالغ ہو اور اپنے روپے سے حصہ لیکر میت کو ثواب پہنچاوے تو شرعاً درست ہے۔

﴿شامی کرچی، ج:۶، ص:۳۲۶﴾

ایک حصہ کا ثواب متعدد کو

سوال:۔ زید ایک قربانی اپنی طرف سے کرتا ہے، اور ایک اپنے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی غرض متعدد اموات کی طرف سے کرتا ہے، تو کیا اس طرح قربانی درست ہو جائے گی، اور ان سب اموات کو ایک قربانی کا ثواب پہنچ جائے گا؟

جواب:۔اس طرح قربانی درست ہوجائے گی، اور ثواب بھی سب کو پہنچ جائے گا۔حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک قربانی کا ثواب پوری امت کو پہنچایا ہے۔﴿شامی، ج:۵،ص:۲۰۷﴾

اجتماعی قربانی میں بقیہ قیمت کا حکم

اجتماعی قربانی میں بقیہ قیمت مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا صحیح نہیں۔لہٰذا انکو واپس کرنا واجب ہوگا۔﴿فتاویٰ رحیمیہ ج:۱۰ ص:۴۵﴾

قربانی کے جانوروں کی عمروں کا مسئلہ

بکرا بکری کی عمر ایک سال کم از کم ہونا ضروری ہے۔اور گائے بھینس کم از کم دو سال کا ہونا ضروری ہے اور اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔

﴿شرح التنویر ج:۶ ص:۳۱۴، بدائع ج:۵ ص:۷۰﴾

اور عمروں کے معلوم کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ دو دانت نکل آئے ہوں۔

﴿کفایت المفتی ج:۸ ص:۲۱۷﴾

جن جانوروں کی عیوب کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی

(۱) اندھا جانور، جسکو بالکل نظر نہ آتا ہو یا تہائی روشنی سے کم نظر آتا ہو تو قربانی جائز نہ ہوگی اسلئے خریدتے وقت آنکھ کے آگے اشارے سے دیکھ کر تحقیق کرنی چاہیئے۔

﴿ھندیہ ج:۵ ص:۲۹۷﴾

(۲) لنگڑا جانور، جو جانور چوتھا پاؤں رکھ ہی نہیں سکتا، یا رکھتا ہے مگر سہارا نہیں لے سکتا اسکی بھی قربانی درست نہیں، اور اگر سہارا لیتا ہے تو لنگڑانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿بدائع ج:۵ ص:۷۵﴾

(۳) مریل جانور، جسکی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو اسکی قربانی درست نہیں، (اور جانور جتنا موٹا ہو اتنا ہی افضل ہے بشرطیکہ دکھلاوا نہ ہو)۔﴿ھندیہ ج:۶ ص:۲۰۰﴾

(۴) تہائی یا تہائی سے زیادہ دم یا کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی درست نہیں اور جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں اسکی بھی قربانی درست نہیں اور چھوٹے کان والے کی قربانی درست ہے۔﴿شامی، ج:۶،ص:۳۲۴، بدائع ج:۵ ص:۷۵﴾

(۵) جس جانور کے جڑ سے سینگ ٹوٹ گئے ہوں، اسکی قربانی بھی درست نہیں اور اگر پیدائشی سینگ نہیں یا درمیان میں کہیں سے ٹوٹ گئے تو قربانی درست ہے۔ ﴿ھندیہ ج:۵ ص:۲۹۷﴾

(۶) جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں یا آدھے سے زیادہ گر گئے ہوں تو اسکی قربانی درست نہیں۔ ﴿شامی ج:۶ ص:۳۲۴﴾

(۷) ایسا خارش والا جانور جو لاغر اور کمزور ہوگیا ہو تو اسکی قربانی درست نہیں اور اگر ایسی خارش نہ ہو تو قربانی درست ہے۔ ﴿البحر الرائق ج:۸ ص:۱۷۶﴾

جانور خریدنے کے بعد عیب پیدا ہو جانے کا مسئلہ: جانور خریدنے کے بعد عیب پیدا ہو جائے تو مالدار آدمی پر دوسرا جانور خریدنا لازم ہے اور غریب پر نہیں ہے۔

﴿شرح التنویر ج:۵ ص:۳۱۷﴾

ذبح کرتے وقت کھینچنے سے عیب پیدا ہو جانے کا مسئلہ

ذبح کرتے وقت کھینچنے سے عیب پیدا ہو جائے تو قربانی درست ہے۔

﴿ھندیہ ج:۵ ص:۲۹۹﴾

گابھن جانور کی قربانی کا مسئلہ

گابھن جانور کی قربانی درست ہے پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اسے بھی ذبح کر دیں۔

﴿شامی ج:۶ ص:۳۲۲﴾

گوشت کی تقسیم کا بہتر طریقہ

گوشت کی تقسیم میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کریں، ایک خود کھائیں، دوسرا غریبوں کو دیں اور تیسرا رشتہ داروں کو دیں۔ ﴿شرح التنویر ج:۵ ص:۳۲۰﴾

قربانی کا گوشت فروخت کرنا

سوال:۔ قربانی کرنے والا اپنے گوشت کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے خود قربانی نہ کی دوسرے کے یہاں سے گوشت آیا ہو، تب کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اپنی قربانی کا گوشت فروخت کرنا مکروہ ہے، اگر فروخت کر دیا تو قیمت صدقہ کرنا

واجب ہے، جو گوشت کسی دوسرے شخص نے قربانی کا دیا ہو اس کو فروخت کرنا درست ہے۔

(شامی کراچی، ج:۶، ص:۱۱۶)

کسی نے میت کو ثواب پہنچانے کیلئے اپنے مال سے قربانی کی تو اس گوشت میں سے کھانا، کھلانا، تقسیم کرنا سب درست ہے اور اگر میت کی وصیت پر اس کے ترکہ میں سے قربانی کی گئی ہو تو اس قربانی کے تمام گوشت وغیرہ کا خیرات کردینا ضروری ہے۔ (درمختار)

اگر کسی شخص نے پچھلے سال کی فوت شدہ قربانی کی نیت سے کسی جانور میں شرکت کی تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا واجب ہے نہ اس شخص کو اسکا استعمال کرنا جائز ہے نہ اس کے دوسرے حصہ داروں کو جائز ہے

اسی طرح قربانی کے سری؛ پائے اور اس کی چربی بیچنا حلال نہیں۔ اگر کسی نے ان چیزوں کو بیچ دیا ہو تو ان کی قیمت کو صدقہ کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم بحوالہ عالمگیری)

قربانی کے ذبح ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے حصہ کا دام کسی سے لیکر اپنا حصہ اسکو دیدے تو یہ جائز نہیں۔

قربانی کی کھال کا بعینہ ڈول، مصلیٰ وغیرہ بنا کر خود استعمال کرنا بھی جائز ہے اور کسی امیر کو دیدینا بھی جائز ہے، اور اگر اس کھال کو ایسی چیز سے تبدیل کرلیا کہ بعینہ اس چیز کے وجود سے کچھ مدت تک نفع حاصل ہو سکتا ہو جیسے مشک، چھلنی جائے نماز، کپڑا وغیرہ تو یہ بھی جائز ہے۔

(درمختار)

لیکن اگر کسی ایسی چیز سے تبدیل کیا ہے جس کے وجود سے بعینہ نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا یا اسکو روپے پیسے کے ساتھ فروخت کردیا تو اب اس کی قیمت کو خود استعمال نہیں کرسکتا نہ کسی امیر کو دے سکتا ہے، بلکہ اسکو صدقہ کردیا جائے۔ (درمختار)

اس صدقہ کے مستحق وہی لوگ ہیں جن کا ذکر صدقہ فطر کے بیان میں ہو چکا ہے وہاں دیکھا جائے۔

جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں، تو اگر تقسیم کرنا چاہیں تو گوشت کو وزن کر کے تقسیم کیا جائے

اندازہ سے تقسیم نہ کیا جائے۔ اور اگر تقسیم نہ کرنا چاہیں کہ ایک جگہ ہی فقراء کو تقسیم کرنا اور پکا کر کھانا کھلانا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

ف:۔ مدارسِ اسلامیہ کے طلباء اس صدقہ کے بہترین مصرف ہیں، اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے اور علمِ دین کا احیاء بھی۔ مگر کسی خدمت اور معاوضہ میں اس کا دینا جائز ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور کی رسی وغیرہ سب صدقہ کر دے۔ (شامی)

تنبیہ: بعض لوگ چرم کی قربانی کی قیمت بیوہ عورتوں کو دے دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے پاس سونا، چاندی کا زیور یا نقدی تو بقدرِ نصاب نہیں ہے۔ اسی طرح یہ دستور ہے کہ اس کی قیمت کو بہوؤں وغیرہ کا حق سمجھا جاتا ہے اور مالدار بہنوں بیٹیوں کو بھی دے دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے، البتہ بیوہ عورت یا بہن اگر غریب ہو تو اس کو دے سکتے ہیں۔

دوسرے ملک والے کی طرف سے قربانی کرنے کا مسئلہ:

دوسرے ملک والے کی طرف سے قربانی کرنے کی صورت میں ضروری ہے کہ دونوں جگہ عید کا دن ہو۔

﴿ھدایہ مع الفتح ص:۴۳۱﴾

جانور تبدیل ہو جانے کا مسئلہ

جانور تبدیل ہو جانے اور ایک دوسرے کا جانور ذبح کر دینے سے ہر ایک کی قربانی درست ہو جائیگی۔ ﴿بدائع ج:۵ ص:۶۷﴾

حلال جانور کا چمڑا کھانا

سوال:۔ چمڑا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا چمڑا کھانا بھی درست ہے ،مثلاً پرندوں، کبوتر، مرغی وغیرہ یا گائے اور بکری کے تازہ بچہ کی کھال، اگر گائے اور بکری کی کھال کو کھانے کے قابل بنالیا جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، یعنی شرعاً ممنوع نہیں۔

(شامی، ج:۹ ص:۴۵۱)

اوجھڑی، کھانا کیسا ہے

انتڑی اور اوجھڑی کھانا شرعاً درست ہے۔ (شامی زکریا، ج:۹،ص:۴۰۱)

سوال: حرام مغز کھانا کیسا ہے؟ جواب: منع ہے۔ (طحاوی، ج:۴،ص:۳۶۰)

بکرے کے کپورے کا حکم: ان کا کھانا منع ہے۔ (شامی،س:۵،ص:۱۹۷)

قربانی کی قضا

اگر کسی شخص نے پچھلے سالوں کی واجب قربانی ادا نہ کی ہو تو اس کو ہر سال کی قربانی کے عوض قربانی کی قیمت کا صدقہ میں دینا واجب ہے، قربانی کے ایام گزرنے کے بعد قربانی نہیں کرسکتا۔

اگر کوئی شخص قربانی کے دنوں میں مالدار تھا لیکن اس نے قربانی نہیں کی، پھر ان دنوں کے گزرنے کے بعد وہ شخص غریب ہوگیا، اب اگر اس نے قربانی کا جانور خریدا تھا تو اس کو صدقہ کردے، ورنہ اتنی رقم خیرات کرے جس سے قربانی ہوسکتی ہے۔ (قاضی خان)

اگر کوئی شخص مالدار ہو اور اس نے قربانی نہ کی ہو اور نہ ہی قربانی کے دنوں کے گزرنے کے بعد اتنی رقم قربانی کے عوض خیرات کی ہو جس سے قربانی ہوسکتی ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ وصیت کرے کہ اس کی طرف سے اس کے وارث قربانی کی قیمت صدقہ کریں۔ (فتاویٰ عالمگیریہ)

اگر قربانی کے لئے جانور خریدا اور قربانی کے دنوں میں ذبح نہ کیا تو اب اس قربانی کی قضا کے ارادے سے اس کو آئندہ سال ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس جانور کو زندہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ اگر ذبح کرلیا تو اس کا گوشت کھانا اس کو جائز نہیں، بلکہ ذبح کرنے سے جانور کی قیمت میں جو نقصان ہوا وہ رقم اور اس کا تمام گوشت پوست خیرات کردے۔ (شامی)

عیدالاضحیٰ کے مسنون اعمال

(۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو جلدی اٹھنا (۷) عیدگاہ جلدی چلے جانا (۸) عید کی نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا (۹) عید کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا (۱۰) جس راستہ سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا (۱۱) پیدل جانا (۱۲) راستے میں تکبیراتِ تشریق بلند آواز سے پڑھتے

ہوئے جانا۔ (در، ج:۱، ص:۱۱۶)

عیدالاضحیٰ کی نماز کا مسنون طریقہ

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت واجب عیدالاضحیٰ کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھتا ہوں اور ہاتھ باندھ لے اور ثناء پڑھ کر تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے اور ہر مرتبہ دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور تکبیر کے بعد تین سبحان اللہ کے بقدر ہاتھ لٹکا دے، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے، اور تعوذ تسمیہ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے بعد رکوع سجدہ کر کے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں پہلے سورۃ فاتحہ اور سورت پڑھ لے اس کے بعد تین تکبیرین اسی طرح کہیں لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور تکبیر کہ کر رکوع میں جائے۔

﴿مراقی الفلاح ودر ص:۱۱۶﴾

مزید فضائل، وظائف ومسائل اور اہم مضامین برائے ماہِ ذی الحجہ

عبادات میں ترتیب

ذی الحجہ کے یہ دس دن جو یکم ذی الحجہ سے ۱۰ ذی الحجہ تک ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب وغریب ترتیب رکھی ہے۔ کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرما دیئے اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہوگئی، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں۔ لیکن حج کے لئے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے تو اس کے لئے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے، اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لئے کافی وقت لگتا تھا اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے

وہاں پہنچنے میں لگ جاتے تھے۔اس لئے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہو گئی،اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پاتی ہے۔

’’قربانی‘‘ شکر کا نذرانہ ہے

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور یہ دو اہم اور بڑی عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں۔اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ضروری کیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں۔جس کا نام ’’قربانی‘‘ ہے۔لہٰذا ۱۰۔۱۱۔۱۲۔تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی۔اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے۔لیکن اس میں حکم یہ دیا کہ عید الفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم

یہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہوتی ہے،یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور پارہ عم میں یہ جو سورۃ فجر کی ابتدائی آیات ہیں:’’ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ‘‘ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں،لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور عظمت پر دلالت کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ فجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے۔اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔اس سے ان دس راتوں کی عزت،عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس دنوں کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس دنوں کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں۔ خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق، حدیث نمبر ۹۶۹) اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان دنوں میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔ یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا اس کو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہوگئی، اس عشرہ ذی الحجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔

(سننِ ترمذی، کتاب الصوم باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر، حدیث نمبر ۷۵۸)

ان دنوں کی دو خاص عبادتیں

اور ان دنوں کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے دنوں میں انجام نہیں دی جاسکتیں۔ ان کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے کو منتخب فرمایا ہے۔ مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں انجام نہیں دی جاسکتی۔ دوسری عباتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کرسکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے لیکن ان کے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رمضان میں روزہ فرض ہے لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کردے۔ لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمادیا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہوگی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے۔ حج کے ارکان مثلاً

عرفات میں جا کر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا۔ جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان واعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی دنوں میں انجام دیئے جائیں تو عبادت، اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ جمرات سال بھر کے بارہ مہینے تک منیٰ میں کھڑے ہیں۔ لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جا کر ان کو کنکریاں مار دے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی دنوں کو مقرر فرما دیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان دنوں میں انجام دو گے تو عبادت ہوگی اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے۔ قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان دنوں کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کر سکتا ہے، لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پا سکتی۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علماءِ کرام نے ان احادیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے دن عشرہ ذی الحجہ کے دن ہیں، ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان دنوں میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان دنوں میں مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بال اور ناخن کاٹنے کا حکم

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ ایک عجیب وغریب حکم ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لیے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کر لے۔ (ابن ماجہ کتاب الاضاحی، باب من اراد ان یضحی فلا یأخذ فی العشر من شعرہ و اظفارہ۔ حدیث نمبر ۳۱۸۷)

حاجیوں کیساتھ تھوڑی مشابہت اختیار کر لینی چاہئے

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد الحمد للہ ان دنوں میں اس عبادت سے فیض حاصل کرتی ہے۔ ان دنوں میں وہاں یہ حال ہوتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے۔ جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے ہر لمحے ہزاروں افراد اطرافِ عالم سے وہاں پہنچ رہے ہوتے ہیں۔ اور بیت اللہ کے اردگرد جمع ہو رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے۔ ان حضرات کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہن کر جائیں۔ اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔ مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے۔ خوشبو نہیں لگا سکتے۔ منہ نہیں ڈھانپ سکتے وغیرہ۔ ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں۔ اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت اترنے کی جگہ بنانے کے لئے یہ فرمادیا کہ ان حجاجِ بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کر لو۔ تھوڑی سی ان کی مشابہت اپنے اندر پیدا کر لو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹتے تم بھی مت کاٹو۔ جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹتے تم بھی مت کاٹو۔ یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ مشابہت پیدا کر دی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانیں ڈھونڈتی ہے

اور ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کر لو۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے۔ اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں تاکہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں، اس کی

بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسا دے، تو یہ مشابہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور حضرت مجذوب صاحب ؒ کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت میں تبدیل فرما دے اور اس رحمت کی جو گھٹائیں وہاں برسیں گی، انشاء اللہ ہم اور آپ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بناء پر محروم فرما دیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرما دیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس واسطے وہ نہیں جا سکا؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں۔ البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی فکر اور توجہ کر لینی چاہئے کہ میں تھوڑی سے مشابہت پیدا کر رہا ہوں اور اپنی صورت تھوڑی سی اس جیسی بنا رہا ہوں تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے، ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرما دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یومِ عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ دنوں اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان دنوں میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ایک رات کی عبادت شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں نیک اعمال اور عبادات کر سکتا ہے وہ ضرور کرے۔ اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

(ابنِ ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عرفۃ، حدیث نمبر ۱۷۳۴)

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ بعض لوگ جو دین کا کماحقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہو گئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو گئے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کر ہی دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرما دیئے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لئے چھٹی ہوگئی۔ جو چاہیں کریں سب گناہ معاف ہیں، خوب سمجھ لینا چاہئے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں، مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے، لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرلے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبالیا ہے۔ کسی کا حق مارلیا ہے کسی کی حق تلفی کرلی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کردے یا اس سے معاف نہ کرالے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں۔

تکبیرِ تشریق

حج کے دنوں میں تیسرا عمل تکبیرِ تشریق ہے۔ جو عرفہ کے دن کی نمازِ فجر سے شروع ہو کر ۱۳

تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے۔ اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ وہ تکبیر یہ ہے: ''اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد'' مردوں کے لئے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ (مصنف ابنِ ابی شیبہ، ج ۴، ص: ۱۷۱، شامی، ج ۲، ص: ۱۷۸)

گنگا الٹی بہنے لگی ہے

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی الٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں مثلاً دعا کرنا ہے قرآن کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ: ''اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً''. (سورۃ الاعراف: ۵۵)

یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعا کرو، چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعا کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعا کرنا افضل ہے (البتہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے۔ اس کو بھی آہستہ پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کر لیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو مثلاً تکبیرِ تشریق۔ جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہیے، لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز نہیں نکلتی، اور آہستہ سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

قوتِ اسلام کا مظاہرہ

حضرت مولانا شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیرِ تشریق رکھی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس سے قوتِ اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام پھرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے، لہٰذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح جب لوگ عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے جا رہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا چاہئے۔ البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔

تکبیرِ تشریق خواتین پر بھی واجب ہے۔

یہ تکبیر تشریق خواتین کے لئے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ اور خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور جب سلام کے بعد تکبیرِ تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آ جاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں۔ لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے، اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہئے اور لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہئے اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا، اس لئے خواتین کو چاہئے کہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں۔ وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں تاکہ ان کو یہ تکبیر یاد آ جائے اور سلام کے بعد کہہ لیں۔

(مصنف ابنِ ابی شیبہ، ج ۲، ص: ۱۹۰، شامی، ج ۲، ص: ۱۷۹)

قربانی دوسرے دنوں میں نہیں ہو سکتی

اور پھر چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایامِ ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے وہ قربانی کا عمل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جا سکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱، اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جا سکتا ہے ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہے کتنے جانور ذبح کر لے لیکن قربانی نہیں ہو سکتی۔

دین کی حقیقت حکم کی اتباع

لہٰذا حج اور قربانی جو ان ایام کے بڑے اعمال ہیں ان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کسی عمل میں، نہ کسی وقت میں، ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے، اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو تو وہ اجر وثواب کا کام بن جائے اور

اگر ہم اس کام سے روک دیں تو پھر اس میں اجر وثواب نہیں۔ "میدانِ عرفہ" کو لے لیجئے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹ دن وہاں گزار دیں، ذرہ برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا حالانکہ وہی میدانِ عرفات ہے۔ وہی جبلِ رحمت ہے، اس واسطے کہ ہم نے عام دنوں میں وہاں وقوف کرنے کے لئے نہیں کہا، جب ہم نے کہا کہ نو ذی الحجہ کو آؤ، تو اب نو ذی الحجہ کو آنا تو عبادت ہو گی۔ اور ہماری طرف سے اجر وثواب کے مستحق ہو گے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدانِ عرفات میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے، لیکن جب ہم کہ دیں تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہو جاتی ہے اور جگہ میں بھی اور وقت میں فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب مسجدِ حرام سے کوچ کر جائیں

آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے اور حج کے لئے جانے والے حضرات ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسجدِ حرام کو چھوڑ دو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو اب تک مل رہا تھا، اس کو ترک کرو اور اب منیٰ میں جا کر پڑاؤ ڈالو، چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منیٰ میں گزارنے کا حکم دے دیا گیا۔ اور ذرا یہ دیکھئے کہ اس وقت میں حاجی کا منیٰ کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں، نہ اس میں جمرات کی رمی ہے اور نہ اس میں وقوف ہے اور نہ کوئی اور عمل ہے۔ بس صرف یہ ہے کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو، اس حکم کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اس کا جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے اب جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ جنگل میں جا کر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجدِ حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منیٰ میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے۔ چلو مکہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجدِ حرام میں پڑھ لوں تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کہاں، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اور حج کے مناسک میں کمی کر دی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا

حج کی عبادت میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے ان بتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسالیتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر وثواب ہے اور جب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو کہ اس وقت نہ کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے کہ ایک پتھر منیٰ میں کھڑا ہے اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مار رہے ہیں، کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جار ہے ہیں، اس پتھر نے کیا قصور کیا ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو، اس کے بعد اس میں حکمت مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں ہے۔ بس اب اس پر عمل ہی میں اجر وثواب ہے۔ اس دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جارہا ہے کہ تم نے اپنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بٹھا رکھی ہیں اور سینے میں جو بت بسا رکھے ہیں ان کو توڑو اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے

یہی چیز قربانی میں ہے، قربانی کی عبادت کا سارا فلسفہ یہی ہے۔ اس لئے کہ قربانی کے معنی ہیں ''اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز'' اور یہ لفظ ''قربانی'' ''قربان'' سے نکلا ہے، اور لفظ ''قربان'' ''قرب'' سے نکلا ہے۔ تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے، نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں چرا کرنے کا موقع ہے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ

اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکادے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آگیا کہ بیٹے کو ذبح کر دو۔ اور وہ حکم بھی خواب کے ذریعہ سے آیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعہ حکم نازل فرما دیتے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ خواب میں آپ علیہ السلام کو یہ دکھایا گیا اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے۔ اس پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت میں ایک امتحان تھا کہ چونکہ جب انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں؟ اس لئے آپ علیہ السلام کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا اور جب آپ علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو باپ نے پلٹ کر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جا رہا ہے؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، انسانی عقل کے کسی میزان پر اس حکم کو اتار کر دیکھے تو کسی میزان پر یہ پورا اترتا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مصلحت نہیں پوچھی، البتہ بیٹے سے امتحان اور آزمائش کرنے کے لئے سوال کیا کہا

"یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی"

(سورة الصافات: ۱۰۲)

اے بیٹے میں نے تو خواب میں یہ دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ ان کی رائے اس لئے نہیں پوچھی کہ اگر ان کی رائے نہیں ہوگی تو ذبح نہیں کروں گا بلکہ ان کی رائے اس لئے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جن کے صلب

سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ میرا قصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ:

"یَاَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰابِرِیْنَ" (الصافات:۱۰۲)

ابا جان! آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اس کو کر گزریئے، اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ وبکا نہیں کروں گا۔ میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا، آپ کر گزریئے۔

چلتی چھری رُک نہ جائے

جب باپ بھی ایسا اولوالعزم اور بیٹا بھی اولوالعزم، دونوں اس حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں، اس لئے کہ اگر سیدھا لٹائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی جس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آجائے اور آپ چھری نہ چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآن کریم میں بھی فرمایا کہ:

"فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ" (سورۃ الصافات: ۱۰۳)

قرآن کریم نے بڑا عجیب وغریب لفظ استعمال کیا ہے، فرمایا "فَلَمَّا اَسْلَمَا" یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے۔ اس لئے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آجائے اور اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں۔ اور وہ حکم عقل کے خلاف ہی کیوں نہ معلوم ہو اور اس کی وجہ سے جان ومال اور عزت اور آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے

آپ کو جھکا دے۔ یہ ہے حقیقت میں اسلام۔ اس لئے فرمایا کہ جب دونوں اسلام لے آئے اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور قرآن کریم نے لٹانے کے اس وصف کو خاص زور دیکر بیان کیا ہے اور اس طرح اس لئے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی وجہ سے کہیں چلتی ہوئی چھری رک نہ جائے اس لئے پیشانی کے بل لٹایا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: ابا جان! آپ مجھے ذبح تو کر رہے ہیں، ایک کام یہ کر لیجئے کہ میرے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیجئے اس لئے کہ جب میں ذبح ہوں گا تو فطری طور پر تڑپوں گا اور تڑپنے کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ خون کے چھینٹے دور تک جائیں اور اس کی وجہ سے میرے کپڑے جگہ جگہ سے خون میں لت پت ہو جائیں اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی تو ان کو بہت رنج وغم ہوگا اس لئے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں۔

قدرت کا تماشہ دیکھئے

پھر کیا ہوا؟ جب ان دونوں نے اپنے حصے کا کام پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندوں نے اپنے حصے کا کام کر لیا تو اب مجھے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا". (سورة الصافات: ١٠٤، ١٠٥)

اے ابراہیم! تم نے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہماری قدرت کا تماشہ دیکھو۔ چنانچہ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور وہاں ایک دنبہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے

یہ پورا واقعہ جو در حقیقت قربانی کے عمل کی بنیاد ہے۔ روز اول سے یہ بتا رہا ہے کہ قربانی اس لئے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس، یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین در حقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آجائے تو پھر عقلی

گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں۔ حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی

آج ہمارے معاشرے میں جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اس کا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے گا تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟ کیا اس کا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے اس کو جاری کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ". (سورة الصافات:۱۰۸)

یعنی ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس کی نقل اتارنے کا پابند کر دیا۔ یہ جو ہم قربانی کرنے جارہے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس عظیم الشان قربانی کی نقل اتارنی ہے اور نقل اتارنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم کے آگے انہوں نے سر جھکا دیا کیا، انہوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی۔ اور کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اب ہمیں بھی اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے اور قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا مقصود ہے۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟

جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی، آج اسی کے بالکل برخلاف کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خوامخواہ رکھ دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے، اور معاشی اعتبار سے نقصان وہ ہے، کتنے جانور کم ہو جاتے ہیں اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ، لہٰذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے تڑپ رہے ہیں تو قربانی کر کے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جارہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص

حلقہ تھا جو یہ باتیں کہتا تھا، لیکن اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہٰذا ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

قربانی کی اصل روح

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع محل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں اور اس کے بجائے غریب کی مدد کردوں تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، غریب کی مدد کرنے کا اجر وثواب اپنی جگہ ہے، لیکن جو دوسرے فرائض ہیں وہ اپنی جگہ فرض ہیں اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے، اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے اور معاشی اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ درحقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے۔ قربانی تو مشروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ یہ کام تمہاری عقل اور سمجھ میں آرہا ہو، یا نہ آرہا ہو، پھر بھی یہ کام کرنا چاہئے، اس لیے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم جو کہیں اس پر عمل کرکے دکھاؤ، یہ قربانی کی اصل روح ہے۔ یاد رکھو! جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہوجاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا، جتنی بدعنوانیاں، جتنے مظالم، کتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں وہ درحقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

اور عبادات کے اندر یہ ہے کہ وہ نفلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھادیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کروگے تو کوئی عبادت نہیں۔ کیوں؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہوجائے۔ دین کا سارا نکتہ اور مقصد یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے، جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آگیا، وہ مانو اور اس

پر عمل کرو اور جہاں حکم نہیں آیا، اس میں کچھ نہیں ہے۔

سنت اور بدعت میں فرق

بدعت اور سنت کے درمیان بھی یہی امتیاز اور فرق ہے کہ سنت باعثِ اجر وثواب ہے اور بدعت کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ہم نے تیجہ کرلیا، دسواں کرلیا، چالیسواں کرلیا تو ہم نے کونسا گناہ کا کام کرلیا؟ بلکہ یہ ہوا کہ لوگ جمع ہوئے انہوں نے قرآن شریف پڑھا اور قرآن شریف پڑھنا تو بڑی عبادت کی بات ہے اور اس میں کیا خرابی کی بات ہوئی؟ اس میں خرابی یہ ہوئی کہ قرآن شریف اپنی طرف سے پڑھا اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں پڑھا۔ قرآن شریف پڑھنا اس وقت باعثِ اجر وثواب ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔

مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟

میں آپ کو اس کی مثال دیتا کہ مغرب کی تین رکعات پڑھنا فرض ہے، اب ایک شخص کہے کہ ''معاذ اللہ'' یہ تین کا عدد کچھ بے موقع سا ہے۔ چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں؟ اب وہ شخص تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھتا ہے، اس نے کیا گناہ کیا؟ کیا اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کرلی؟ یا ڈاکہ ڈالا یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا؟ صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا۔ ایک رکوع زیادہ کیا اور دو سجدے زیادہ کئے اور اللہ کا نام لیا۔ اب اس میں اس نے کیا گناہ کرلیا؟ لیکن ہوگا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی، نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر وثواب کا موجب نہیں ہوگی بلکہ ان کی پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی اور ان کو بھی خراب کردے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے، سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے وہ سنت ہے اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے اور دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا کوئی فائدہ، کوئی اجر ثواب نہیں۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے پاس ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''دعاجو'' شریف لایا کرتے تھے تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے اور بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے۔ ایک دن آکر انہوں نے حضرت شفیع صاحبؒ سے عجیب خواب بیان کیا اور خواب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے پاس کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کا ہندسہ (۱) بنایا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے اس کے بعد آپ نے اس ایک کے ہندسے کے دائیں طرف (۱۰) ایک نقطہ بنایا، لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہوگیا اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا، اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہوگیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار (۱۰۰۰) ہوگیا۔ پھر فرمایا میں جتنے نقطے لگاتا جارہا ہوں یہ دس گنا بڑھتا جارہا ہے، پھر انہوں نے وہ سارے نقطے مٹا دیئے اور اب دوبارہ وہی نقطہ اس ایک ہندسے سے بائیں طرف (۰۱) لگایا، پھر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ اعشاریہ ایک ہوگیا۔ یعنی ایک کا دسواں حصہ اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا۔ (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہوگیا، یعنی ایک کا سوواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہوگیا (۰۰۰۱) لوگوں نے بتایا کہ اب اعشاریہ صفر صفر ایک، یعنی ایک ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کر رہے ہیں پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سنت ہیں اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں، دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں، لیکن جب دائیں طرف لگایا جارہا ہے تو سنت ہے اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے اور جو بائیں طرف لگائے

جا رہے ہیں تو وہ اجر و ثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ اس کو گھٹا رہے ہیں اور انسان کے عمل کو ضائع کر رہے ہیں، بس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

لہٰذا دین سارا کا سارا اتباع کا نام ہے جس وقت اللہ اور اس کے رسول نے جو کام کہہ دیا، اس وقت اگر ہم کریں گے تو باعثِ اجر ہوگا اور اگر اس سے ہٹ کر اپنے دماغ سے سوچ کریں گے تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نمازِ تہجد پڑھنا

مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہ کرام کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بہت آہستہ آہستہ آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زور زور سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اس کے بعد آپ ﷺ واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بہت آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، اتنی آہستہ آواز میں کیوں کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ یا رسول اللہ! اسمعت من ناجیت. میں جس سے مناجات کر رہا تھا اس کو سنا دیا، اس لئے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں، جس ذات کو سنانا مقصود تھا اس نے سن لیا، اس کے لیے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: اوقظ الاسنان واطرد الشیطان. میں اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا تاکہ جو سونے والے ہیں ان کو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "ارفع قلیلا" تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو۔ اور حضرت فاروق

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "اخفض قلیلا" تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کر دو۔

(ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلوٰۃ اللیل، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

اعتدال مطلوب ہے

بہر حال! یہ مشہور واقعہ ہے جو احادیث میں منقول ہے اور اس کی تشریح میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں میانہ روی کی تعلیم دی کہ نہ بہت زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز سے پڑھو اور یہ قرآن کریم کے ارشاد کے بھی مطابق ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے کہ "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا" (سورۃ الاسراء: ۱۱۰) کہ نماز میں نہ بہت زیادہ زور سے پڑھو، نہ بہت زیادہ آہستہ پڑھو بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ پڑھو۔

اپنی رائے فنا کر دینی چاہئے

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی ایک عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں جس کو سنا رہا ہوں اس نے سن لیا، زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو یہ بات غلط نہیں تھی اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے اس لئے نماز میں اگر ان کی آواز بلند ہوگئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے، اور اب ہمارے کہنے کے مطابق پڑھو اور اب ہماری رائے کے مطابق پڑھو۔ تو پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے وہ چونکہ اپنی رائے اور مرضی کے مطابق تھا۔ اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی، اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے

یہ ہے سارے دین کا خلاصہ، کہ اپنی رائے کو دخل نہ ہو۔ جو کوئی عمل ہو وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو

ساری بدعتوں کی جڑ کٹ جائے اور اسی حقیقت کو سکھانے کے لئے قربانی مشروع کی گئی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی درحقیقت یہ سبق سکھا رہی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہونی چاہئے اور پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہئے۔ بس! اس قربانی کا سارا فلسفہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فلسفے کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس کی برکات عطا فرمائے۔ آمین

قربانی کی فضیلت

حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے۔ اس قربانی کے نتیجے میں یہ ہوگا کہ اس جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں، ایک ایک بال کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جتنا زیادہ قربانی کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا، اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آرہی ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے مال کا فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان ہو رہا ہے، صرف میرے حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ

بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک قاعدہ تھا کہ جب کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں جاتے تو کوئی ہدیہ یا تحفہ بطورِ نذرانہ ساتھ لے جاتے اور درحقیقت اس بادشاہ کو تمہارے نذرانے کی ضرورت نہیں لیکن اس نذرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ اس نذرانے کو قبول کرلے گا تو اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں اور کچھ حاصل ہوگا۔ مولانا

رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے قریب ایک گاؤں تھا اس گاؤں میں ایک دیہاتی رہتا تھا، اس دیہاتی نے ارادہ کیا کہ میں بغداد جا کر بادشاہ اور امیر المؤمنین سے ملاقات کروں اور وہ آج کل کے بادشاہ کی طرح نہیں ہوتے تھے کہ چھوٹی سی ریاست لے کر بیٹھ گئے اور بادشاہ بن گئے بلکہ اس وقت بغداد کے خلیفہ کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی۔ بہر حال! جاتے وقت اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کے دربار میں جارہا ہوں تو ان کے لئے کوئی تحفہ اور نذرانہ بھی لے کر جانا چاہئے، اب کیا تحفہ لے کر جاؤں؟ جو بادشاہ کے لائق ہو اور بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے؟ وہ چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ دنیا کی خبر بھی نہیں تھی، اس لئے بیوی نے مشورہ دیا کہ ہمارے گھر کے مٹکے میں جو پانی ہے وہ نہر کا ٹھنڈا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے۔ ایسا پانی بادشاہ کو کہاں میسر آتا ہوگا، لہٰذا یہ پانی لے جاؤ۔ اس دیہاتی کی عقل میں بیوی کی بات آگئی اور اب اس نے وہ پانی کا گھڑا سر پر اٹھایا اور بغداد کی طرف چل دیا۔ آج کی طرح ہوائی جہاز یا ریل کا سفر تو تھا نہیں، پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ وہ دیہاتی پیدل ہی روانہ ہوا، اب راستے میں ہوا چل رہی ہے مٹی اڑ اڑ کر مٹکے کے اوپر جم رہی ہے اور بغداد پہنچتے پہنچتے مٹی کی تہ جم گئی، جب بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ حضور! میں آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟ اس دیہاتی نے وہ مٹکا پیش کر دیا اور کہا کہ یہ میرے گاؤں کے کنویں کا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، میں نے یہ سوچا کہ اتنا اچھا پانی آپ کو کہاں میسر آتا ہوگا اس لئے میں یہ آپ کے لئے لایا ہوں، یہ آپ کے لئے نذرانہ ہے، آپ قبول فرمالیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس مٹکے کا ڈھکن کھولو، جب اس دیہاتی نے ڈھکن کھولا تو پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی، اس لئے کہ اس کو بند کئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس کے اوپر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، بادشاہ نے یہ سوچا کہ یہ بیچارہ ایک دیہاتی آدمی ہے اور اپنی سوچ اور اپنی سمجھ کے مطابق ہدیہ پیش کر کے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہا ہے اسلئے اس کا دل نہیں توڑنا چاہئے

چنانچہ اس گھڑے کو بند کرادیا۔ اور اس دیہاتی سے کہا کہ تم ماشاء اللہ بہت اچھا تحفہ لائے ہو، واقعی ایسا پانی مجھے کہاں میسر آسکتا ہے اس پانی کی بڑی تعریف کی اور پھر حکم جاری کردیا کہ اس کے عوض اس کو ایک گھڑا اشرفیوں سے بھر کردے دو، چنانچہ وہ دیہاتی بہت خوش ہوا کہ میرا تحفہ بادشاہ کے دربار میں قبول ہوگیا۔ اور اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک گھڑا مل گیا، جب وہ دیہاتی واپس جانے لگا تو بادشاہ نے اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کو دریائے دجلہ کے کنارے سے واپس لے جانا۔

اب وہ دیہاتی بڑا خوش خوش واپس جارہا تھا۔ بادشاہ کا نوکر اس کے ساتھ تھا، جب دریائے دجلہ راستے میں آیا تو اس دیہاتی نے دجلہ کو دیکھ کر نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ نوکر نے کہا کہ یہ دریا ہے اور اس کا پانی پی کر دیکھو، اب جب اس دیہاتی نے دجلہ کا پانی پیا تو دیکھا کہ وہ تو انتہائی صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، اب اس دیہاتی کو خیال آیا کہ یااللہ! میں بادشاہ کے لیے کس قسم کا پانی لے گیا تھا۔ اس کے محل کے اندر تو کتنے صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کا پانی بہہ رہا ہے۔ اس کو تو پانی کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس نے تو بڑی کرم نوازی کی کہ میرے خاطر اس گھڑے کو قبول کرلیا۔ ورنہ میں تو اس لائق تھا کہ اس ہدیہ دینے پر مجھے سزا دی جاتی کہ تو ایسا سڑا ہوا گندہ پانی لے کر آیا ہے۔ لیکن اس بادشاہ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے سزا نہیں دی، بلکہ میرے گھڑے کو قبول بھی کرلیا اور اس کے بدلے میں مجھے اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا دے دیا۔

ہماری عبادات کی حقیقت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جو عبادتیں کرتے ہیں وہ اس پانی کے گھڑے کی طرح ہیں جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے، گرد و غبار اور مٹی سے لدا ہوا ہے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہ عبادتیں ہمارے منہ پر ماردی جائیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بجائے لوٹانے کے اس کو قبول فرمالیتے ہیں اور اس پر اور زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے جو اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اور اس سے زیادہ بہتر عبادت انجام نہیں دے سکتا، چونکہ اخلاص کے ساتھ لایا ہے۔ اس لیے اس کی عبادت قبول کرلو،

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت قبول فرما لیتے ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثال دی ہے وہ ہماری تمام عبادات اور اطاعات پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ ہماری عبادات درحقیقت دیہاتی کے پانی کے مٹکے کی طرح ہیں۔

تم اس کے زیادہ محتاج ہو

اور اگر بالفرض تم بادشاہ کے دربار میں بہت اچھی اور قیمتی چیز مثلاً ہیرے جواہرات بطور ہدیہ اور نذرانہ لے کر گئے تو پہلے زمانے کے بادشاہوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ درجے کا تحفہ لے کر جاتا تو وہ بادشاہ اس تحفہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا تھا اور ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت تھی کہ تمہارا ہدیہ اور تحفہ قبول ہے اور پھر وہ تحفہ اس دینے والے کو واپس کر دیا جاتا تھا، اس لئے کہ ہم سے زیادہ تم اس تحفے کے محتاج اور ضرورت مند ہو، لہٰذا تم ہی اس کو رکھ لو۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہئے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ ادھر اس نے اللہ کے لئے قربانی اور نذرانہ پیش کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری پھیری، ادھر قربانی کی عبادت ادا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ نذرانہ قبول کر لیا اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اب وہ جانور بھی پورا کا پورا تمہارا ہے اور فرما دیا کہ یہ جانور لے جا کر کھاؤ، اس کا گوشت تمہارا ہے، اس کی کھال تمہاری ہے۔ اس جانور کی ہر چیز تمہاری ہے، امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا اکرام دیکھئے کہ نذرانہ مانگا جا رہا ہے۔ لیکن جب بندہ نے خون بہا دیا اور نذرانہ پیش کر دیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کر لی تو بس کافی ہے۔ ہمیں اتنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ فرمایا کہ:

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى". (سورۃ الحج: ۳۷)

ہمیں تو اس کا گوشت نہیں چاہئے، ہمیں اس کا خون نہیں چاہئے، ہمیں تو تمہارے دل کا تقویٰ چاہئے، جب تم نے اپنے دل کے تقوے سے یہ قربانی پیش کر دی، وہ ہمارے یہاں قبول

ہوگئی۔ اب اس کو تم ہی کھاؤ، چنانچہ اگر کوئی شخص قربانی کا سارا گوشت خود کھالے، اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے۔ ایک حصہ خود کھائے، ایک حصہ رشتہ داروں میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غرباء میں خیرات کرے، لیکن اگر ایک بوٹی بھی خیرات نہ کرے۔ تب بھی قربانی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی، اس لیے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہوگئی جس وقت جانور کے گلے پر چھری پھیر دی جب میرے بندے نے میرے حکم پر عمل کرلیا۔ تو بس! قربانی کی فضیلت اس کو حاصل ہوگئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟

لوگوں میں یہ بات بہت کثرت سے کہی جاتی ہیکہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے سواری بنیں گے اور قربانی کرنے والے اس کے اوپر بیٹھ کر گزریں گے، یہ ایک ضعیف اور کمزور روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ آئے ہیں:

"سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم".

"یعنی اپنی قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ بناؤ، کیونکہ پل صراط پر یہ تمہاری سواریاں بنیں گی"۔ لیکن یہ انتہا درجے کی ضعیف حدیث ہے اور ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا، اس لئے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی، ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں۔ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہوجاتی ہے۔

سپردم بتو مایہ خویش را

بہرحال! یہ سب اس لئے کرایا جارہا ہے تاکہ دل میں اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

مِنْ اَمْرِھِمْ" (سورۃ الاحزاب ۳۶)

جب اللہ یا اللہ کا رسول مومن مرد یا مومن عورت کے لئے فیصلہ کر دیں تو پھر اس کے بعد اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہتا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

ترجمہ: میں نے تجھے اپنا سرمایہ سپرد کر دیا تو ہی کم و بیش حساب کو جانتا ہے

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی اجر و فضیلت عطا فرمائے۔ اور اس کے اندر جتنے انوار و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب ہمیں عطا فرمائے اور اپنی زندگی میں اس سبق کو یاد رکھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مکتبۃ الیاس

کی اہم مطبوعات ہر گھر کی ضرورت

1. آپ کے ظاہری اور باطنی مسائل اور ان کا حل
2. ہر پریشانی اور بیماری کا علاج
3. حقوق العباد اور ان کی اہمیت
4. اپنے نبی کے حقوق ادا کیجیے اور عاشقِ رسول بنئے
5. شادی کے شرعی احکام
6. احادیث نبوی ﷺ کا مجموعہ
7. قصص الانبیاء
8. امتِ مسلمہ کی تباہی کے اسباب
9. پیارے نبی کی (۱۱۶) پیاری تقریریں
10. اپنی نمازوں کی اصلاح کیجیے
11. موبائل کی نعمت کا صحیح استعمال
12. ہر مہینے کے شرعی احکام
13. قرآن کے مضامین کا خلاصہ
14. حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک کے تاریخی حقائق
15. زادِ مومن
16. سورتوں اور وظائف کا مجموعہ
17. الحوارات السهلة
18. رمضان قیمتی بنائیں
19. آسان نماز
20. منزل
21. نورانی قاعدہ

مستحق زکوٰۃ طلباء درجہ اولیٰ وثانیہ کی کتب مفت حاصل کرنے کے لیے رابطہ فرمائیں۔

0336-1829434, 0321-1255045

مکتبۂ الیاس

ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ